الحمد للہ والمنتہ یہ کتاب لاجواب عام فہم خاص پسند

آریہ صاحبوں کے مشہور سوالوں کے جواب میں موسوم بہ

رقیمۂ الوداد
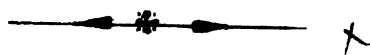
من تصنیف و تالیف لطیف خان صاحب میرزا

محمد علیخان بہادر اعتماد جنگ سابق جوڈیشل

ممبر ریاست ٹونک رئیس قدیم دہلی

بحسن انصرام خاکسار فضل حسین ماہ اکتوبر ۱۹۱۴ء

ہمالیہ پریس دہلی میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب افتتاح

خداوند عالم کو تو سارے جہان نے بدلیل جانا اور مانا ہے معرفت الٰہی کے لئے حجت اور برہان کی ضرورت نہیں اور مجھ جیسا ہیچمدان کیا خاک دلیل لاسکتا ہے۔

نہ بینی مرنجاں دو بینندہ را　　　　بہ بیندگاں آفرینندہ را

ستود آفرینندہ را کے تواں　　　　بدیں الت درای جان و رواں

بھلا جو عقل میں نہ آئے جو عقل سے پہلی ہو عقل کا خالق ہو اُسے عقل کیا جانے

کہ او برتر از نام وازجایگاہ　　　　نیا بد بدو نیز اندیشہ راہ

محمد رسول اللہ صلعم کی محبت اور انکی رسالت کی تصدیق کسی بحث مباحثہ پر موقوف نہیں ہے اس کا دار و مدار تو محض خدا کی مہربانی اور عنایت پر ہی جسے چاہے حلاوت ایمان کی بخشے جسے وہ نہ چاہے اُسے کون راہ پر لائے۔ رسولؐ کا طریق زندگی ہی سمجھداروں کے لئے سب سے بڑا معجزہ ہی اور ثبوت رسالت ہی۔ ہم کیا اور ہماری مدح ثنا کیا اور ہماری وکالت او حمایت کیا۔

کاں ذات پاک مرتبہ دان محمدؐ است　　　　غالب ثناء خواجہ بہ یزداں گذاشتیم

بعد حمد رب العلمین و نعت سید المرسلین کے احقر العباد مرزا محمد علیخاں خدمت میں ارباب دانش و بینش کے عرض کرتا ہے کہ مابین ۱۸۷۷ء اور ۱۸۸۵ء کے بندہ منجانب ریاست ٹونک خدمت وکالت رزیڈنسی میواڑ پر مامور تھا اسی زمانہ میں پنڈت سوامی دیانندجی صاحب آریوں کے پیشوا اودے پور تشریف لائے تھے اور گلاب باغ میں مقیم تھے عرصہ تک اُنکا قیام رہا شام کو وہ اکثر ایک عام خاص جلسہ میں اپنی مذہب کے فضائل اور دوسرے مذاہب کے معایب بیان فرمایا کرتے تھے مگر مسلمانوں پر اعتراض کی بوچھاڑ اور پھرمار زیادہ ہوتی تھی۔ بندہ بھی اُنکی خدمت میں اکثر جایا کرتا تھا اور مناسب موقع اُنسے مذہبی گفتگو کیا کرتا تھا۔ پھر میری تبدیلی اودے پور سے بہ ترقی مناصب خاص ٹونک میں ہوئی اور ۱۸۸۵ء سے ۱۹۰۹ء تک بمنخاص ٹونک میں ممبر کونسل رہا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بحث متعلق رُوح و مادّہ

بابو:- میں چاہتا ہوں کہ مرزا صاحب ہمارے آپکے جن مسائل میں اختلاف ہے اُن میں سے ہر ایک مسئلہ کو علیحدہ علیحدہ زیر بحث لایا جاوے سب سے اوّل رُوح مادّہ کے انادی قدیم ہونے میں بحث ہو جاوے گی مگر پہلی بحث مختصر طریقہ پر عقلی دلائل پر موقوف ہو اِس بحث میں الزامی جواب نہ ہوں نہ کتاب مذہبی کا حوالہ ہو۔ ہاں دوسری بحث پھر اسی سلسلہ میں لیجاویگی۔ اسمیں ہر طرح کے سوال وجواب کی گنجایش ہو گی اور وہ عام فہم خاص پسند طریقہ پر لیجاوے گی ۔"

مرزا:- مجھے تو آپکے اعتراض کا جواب دینا ہے جس طریقہ کو آپ اختیار کریں گے اُسی کی پابندی لازم ہو گی خواہ معقولی ہو یا غیر معقولی مجھے ہر طرح آپ کی خوشی منظور ہے بہتر ہے کہ بحث شروع کیجاوے۔"

بابو:- ہم آریہ اس امر کے قائل ہیں کہ تین واجب الوجود انادی یا قدیم ہیں ایک رُوح دوسرے مادّہ۔ تیسرے پرمیشور۔ آپ مسلمان سوائے پرمیشور کے کسی دوسرے کو انادی یا قدیم واجب نہیں مانتے اسلئے اسکی ضرورت ہی کہ آپ اپنے اس دعوے کو کہ ایک واجب کے سوا دوسرا واجب نہیں ہو سکتا برہان عقلی سے ثابت کریں ہم کو جرح کا موقع دیا جاوے۔ دوسری مرتبہ اسی مسئلہ کو عام فہم طریقہ پر معرض بحث میں لایا جاویگا۔ تب ہم بھی دلیل پیش کرینگے اُسوقت عام فہم طریقہ پر آپ کو الزامی وغیرہ جواب وسوال کرنے کی گنجایش ہو گی ۔"

مرزا:- بے شک ہمارا یہ دعویٰ ہی کہ سوائے ذات خداوند عالم کے نہ کوئی شے قدیم یا انادی ہو سکتی ہے اور نہ ہی اور واجب ہونا غیر ذات واجب تعالیٰ کے کسی شئے کا تو

اس بڑی مدت میں میرے اکثر دوست احباب آریہ مذہب مجھ سے گفتگو مذہبی کیا کرتے تھے خاصکر میرے پیارے دوست بابو نانک رام صاحب بہارگوا اور انکے بھائی بابو سری رام صاحب اور ایک دوسرے صاحب بابو رنجیت سنگھ آریہ اکثر مختلف مسائل پر بحث مباحثہ کیا کرتے تھے۔ اب بھی یہ میرے دوست زندہ سلامت ہیں کچھ بابو سری رام صاحب کی تاکید سے کچھ بعض مسلمان احباب کی تحریک سے اکثر سوال جوابوں کو قلمبند بھی کر لیا گیا تھا۔ بابو سری رام صاحب کے سوالات کا ماخذ اکثر پنڈت لیکھرام صاحب آریہ کی کتاب "تکذیب براہین احمدیہ" کو سمجھنا چاہیئے۔ بابو نانک رام صاحب ایک تعلیم یافتہ اور فلسفیانہ خیالات کے آدمی ہیں وہ اپنے طور سے بھی بہت سے اعتراض و سوالات کرتے رہتے تھے انکے علاوہ اور آریہ صاحبوں سے بھی مختلف موقع پر گفتگو ہو چکی ہے غرض کل اعتراض اور انکے جوابونکو جو یاد تھے مع ان اعتراضوں کے جو بعض مذہبی مباحثوں میں حال میں سُنے گئے تھے۔ اپنے جوابوں کے ساتھ اس مجموعہ میں اپنے طور سے جمع کر دیا ہے ہر اعتراض اور سوال کو (بابو) کے نام سے اور ہر جواب کو (مرزا) کے نام سے اس میں لکھا گیا ہے۔ غرض اسکی اشاعت سے یہ ہے کہ مذہبی مناظرہ کا ایک نمونہ پیش کیا جاوے تاکہ آریہ مسلمان بحث مناظرہ میں یہی سادہ طرز اختیار کریں۔ اور ہمیشہ سخت کلامی اور بدزبانی سے احتیاط کریں۔ اس کتاب میں بعض موقع پر دوسرے کی سخت الفاظ کو خاص طور سے جتلا دیا گیا ہے یا سخت الفاظوں کو جواب میں اسی طرح دوہرا دیا گیا ہے کہ ناظرین معلوم کریں کہ سخت بات پر یوں تنبیہ کیا گیا ہے اس امر کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ خاص خاص مبحث ایک دوسرے سے علیحدہ رہیں تاکہ ایک ہی مسئلہ کو پورے طور سے ایک جگہ دیکھا جاوے اور کوئی بات نہ رہے میں یہ فخر نہیں کرتا کہ تمام بحث کا خاتمہ کر دیا ہے یا جو جواب میں نے عرض کیے ہیں اُنسے بہتر جواب نہیں ہو سکتے بلکہ جو کچھ ہو سکا وہ عرض کیا گیا ہے اور اس رسالہ کا نام "رفیقۃ الوداد" رکھا ہے۔ یہ کتاب ۳ حصوں میں منقسم ہے پہلا [illegible] ہے دوسرا متعلق رسالت مع عام فہم بحث روح و مادہ تیسرا مقابلہ وید و قرآن ناظرین سے توقع ہے کہ جہاں میری غلطی ملاحظہ کریں اس سے درگزر فرماویں کہ انسان ہوں اور انسان سے سہو خطا ہوتی ہے +

غرض نقشیست کز ما یاد ماند ✿ کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزی برحمت ✿ کند در حال این مسکین دعائے

راقم مرزا محمد علی دہلوی

کہتے ہو کہیں ارواح کو واجب کہتے ہو کبھی ہر جزو لا یتجزی کو واجب کہتے ہو اتنے واجب کیونکر ہو سکتے ہیں آپ کو معلوم ہوا کہ کوئی شئے سوائے ذات وحدہٗ لاشریک کے واجب نہیں ہو سکتی۔ حکماء نے بعض اشیاء کو قدیم بالزمان مانا ہے مگر اس بڑی سے بڑی غلطی میں وہ بھی نہیں پڑے کہ واجب تعالےٰ کے سوائے کسی کو واجب بالذات مانا ہو۔ انہوں نے نفوس افلاک وغیرہ کو قدیم مانا۔ مگر ان کو ممکن بالذات اور واجب بالغیر کہا یہ نہیں کہ واجب بالذات کہا ہو۔ اس سے تو یہ مفہوم ہوا کہ آپ واجب کے معنے ہی نہیں جانتے اگر واجب کو سمجھتے تو ہرگز نہ کہتے کہ سوائے جناب باری تعالیٰ کے کوئی شئے بھی واجب ہو سکتی ہے اوپر کے بیان سے آپ کو معلوم ہو گیا ہے کہ وجوب الوجود ایسا وصف ہے کہ قابلیتہ اشتراک بین الاثنین نہیں رکھتا ہے۔ پس جب تک آپ روح اور مادہ کے واجب الوجود ہونے پر کوئی عقلی دلیل نہ پیش کریں کیونکر مانا جاوے کہ روح اور مادہ بھی واجب ہیں۔

بابو:۔ اسکے سوائے کوئی اور دلیل بھی بیان کیجئے جو زیادہ قریب الفہم ہو دلیل عقلی ہو۔"

مرزا:۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ دانشمندوں کے نزدیک جب احد النقیضین ممتنع ہوتا ہے تو نقیض آخر واجب ہو جاتا ہے مثلاً اگر کہا جائے کہ انسان کا کاتب ہونا ممتنع ہے تو انسان کا لاکاتب ہونا واجب ہو جاویگا۔"

بابو:۔ ہاں درست ہے۔"

مرزا:۔ اب ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ پرمیشور اپنے کل اوصاف ذاتی میں کامل ہے یا ناقص ہے؟"

بابو:۔ پرمیشور اپنی ذات اور صفات میں ہر طرح کامل ہے۔"

مرزا۔ اس کا ناقص ہونا ممکن ہے یا ممتنع۔"

بابو:۔ ناقص ہونا ممتنع ہے۔"

مرزا:۔ اگر لاکامل ہونا پرمیشور کا ممتنع ہے تو کامل ہونا پرمیشور کا واجب ہوگا۔ اب اس کو نہ بھول جائیے گا۔"

کسی طرح سمجھ میں ہی نہیں آسکتا۔ مختصر طور سے سُنئے عرض کرتا ہوں۔

اصل مطلب بیان کرنے سے پہلے تین مقدمے آپ سے منوالیں تب اصل مطلب آپ کو سمجھائینگے

پہلا مقدمہ یہ ہے کہ بعض اوصاف قابل اشتراک ہوتے ہیں اور بعض ممتنع الاشتراک
پس دیکھنا یہ ہے کہ وصف وجوب وجود بھی قابل اشتراک بین الاثنین ہے یا نہیں یعنی
وجوب وجود ایسا وصف ہے کہ اس میں کوئی دوسرا شریک ہوسکے۔

دوسرا مقدمہ یہ تو آپ کو معلوم ہوگا کہ تعین اور تشخص خاص کسی دو میں مشترک
نہیں ہوسکتا ورنہ تشخص خاص نہ رہے گا۔

تیسرا مقدمہ۔ یہ ہی وجود بلا تشخص ممکن نہیں وجود جب ہوگا کہ شئے متعین ہوگی
ورنہ موجود نہ ہوگی کیونکہ موجود کو چارہ نہیں ہے کہ موجود ہو اور معین نہ ہو جب حقیقت
وجوب الوجود کو مانا تو وجوب التشخص ہوگا اور جب تشخص کا اشتراک باطل ہے تو وجوب
تشخص کا بدرجہ اولیٰ باطل ہوگا۔

اَب غور کیجئے کہ اشتراک بذریعہ ماہیت آتا ہے جہاں جہاں ماہیت ہے اشتراک
ہے اس وجہ سے کہ ماہیت متحمل اس امر کی ہے کہ تشخصات عارض ہوتی جاویں اور وہ
شخص بنتی جاوے جب ماہیت نہ ہو اور صرف وجود ہو تو پھر اشتراک نہ ہوگا اسوجہ سے کہ
وجود بلا تعین نہ ہوگا کیونکہ جب کوئی شئے موجود ہوگی تو متعین ہوگی۔ اور واجب تعالےٰ
کی ترکیب ماہیت اور تشخص سے ہو نہیں سکتی ورنہ احتاج ترکیب لازم آئیگی کیونکہ ترکیب کو
احتیاج لازم ہے۔ اور باتفاق فریقین واجب بسیط محض ہے اَب دو احتمال ہیں کہ واجب
یا ماہیت محض ہو یا وجود محض ہو ماہیت محض تو مبہم ہوتی ہے مبہم کا وجود محال ہے اور باری تعالےٰ
واجب الوجود مانا گیا ہے۔ پس وہ ذات پاک ہونہ ہو وجود محض ہوگی جب وجود محض ہوگی
تو تعین محض ہوگی اور تعین محض کا اشتراک باطل ہے تو وجوب الوجود کا اشتراک بدرجہ اولیٰ باطل ہوا
اَب فرمایئے کہ آپ جو واجب الوجودوں کا ایک لشکر بنائے ہوئے ہیں کہیں مادہ کو واجب

کا ناقص ہونا ممتنع ہی۔ اگر اسی طرح اپنے مسلمات کو بھولتے جائیے گا تو بحث ختم نہ ہوگی اور ہم کو یاد دلانے کی بار بار ضرورت پیش آئیگی۔"

بابو:"شبہ کی کیا بات ہی موجود کی دو قسمیں ہیں۔ ایک واجب دوسرا ممکن ممکنات کا خالق پرمیشور ہے۔ واجب کا خالق واجب کیونکر ہو سکتا ہے رہا روح مادہ کے واجب ہونیکی دلیل اسکو ہم پیش آئندہ کریں گے۔"

مرزا:"اچھا ہم آپ کو مجبور نہیں کرتے کہ دلیل پیش کیجیے۔ ہم دوسرے طریقہ سے آپکی اس غلطی کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ فرمایئے کہ ہر واجب کے لیے جس طرح ذات اور وجود اُس کا خانہ زاد ہونا ہی اور جسطرح وہ اپنے وجود میں دوسرے کا محتاج نہیں ہوتا اسیطرح اپنے اوصاف میں بھی مستغنی غیر سے ہوتا ہی یا نہیں"

بابو:"واجب کے اوصاف واجب ہوتے ہیں۔ اور وہ مستغنی ہوتا ہے۔"

مرزا:"اچھا عالم کل ہونا واجب کے عین مرتبہ ذات یا واجب کے لوازم ذات سے ہی یا نہیں"

بابو:"پہلے اسکی توضیح کیجئے کہ مرتبہ ذات سے کیا مراد ہے۔"

مرزا:"جس شے کو غور کروگے تو دو مرتبے پاؤگے۔ ایک مرتبہ ذات دوسرا مرتبہ عوارض مرتبہ ذات میں ذات اور ذاتیات ثابت ہوتی ہیں اور انہیں کی ثبوت سے بحث ہوتی ہی نہ عوارض سے۔ مثلاً انسان کا مرتبہ ذات حیوان اور ناطق ہونا ہے اس مرتبہ میں تمام عوارض مسلوب ہوتے ہیں۔ اور کاتب ہونا مرتبہ عوارض سے ہی تو انسان کے مرتبہ ذات سے جب بحث ہوگی تو کاتب ہونے سے قطع نظر ہوگی۔"

بابو:"اگر انسان کے خاص مرتبہ ذات میں کاتب ہونے کو دخل نہ ہوگا تو لا کاتب ہونے کو دخل ہوگا۔"

مرزا:"نہیں مرتبہ ذات میں تمام عوارض مسلوب ہوتے ہیں خواہ بصورت نقیضین ہے کیوں نہ ہوں مرتبہ ذات میں کاتب اور لا کاتب دونو مسلوب ہیں اگر مسلوب نہ مانوگے اور داخل مرتبہ ذات مانوگے تو کہنا ہوگا کہ علاوہ حیوان ناطق ہونے کے کاتب ہونا

بابو" یہ بات بھولنے کی نہیں ہے"

مرزا" اچھا اب آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ پرمیشور خالق کل موجودات ہے یا نہیں۔؟"

بابو" ہاں کل موجودات کا خالق ہے"

مرزا" اچھا روح اور مادہ موجود ہیں یا معدوم؟"

بابو" موجود"

مرزا" پھر جب پرمیشور کل موجودات کا خالق ہوا۔ اور کُل موجودات میں روح اور مادہ بھی آگیا تو پرمیشور رُوح اور مادّہ کا بھی خالق ہوا یا نہیں؟"

بابو" رُوح مادہ انادی ہیں ان کا خالق پرمیشور نہیں ہے"

مرزا" تو آپ کے کہنے سے لازم آیا کہ بعض موجود کا خالق ہے اور بعض کا نہیں"

بابو" ہاں یہ ضرور ہے"

مرزا" اوّل تو آپنے کل موجودات کا پرمیشور کو خالق مانا تھا اور اَب رُوح مادہ کو موجود مانکر موجودات کی فہرست سے ان کو نکالے ڈالتے ہو کیا اسی کو معقولی گفتگو کہا جا سکتا ہے"

بابو" میری غرض موجودات سے ممکنات ہیں نہ واجبات اور رُوح مادّہ واجب ہیں۔ واجب کو واجب نہیں پیدا کرتا

مرزا" رُوح مادہ کو واجب تو جب آپ ثابت کروگے اُسوقت اُس سے بحث کیجاویگی یہ تو ہمارے آپکے درمیان متنازع فیہ امر ہے یہاں بحث موجودات سے ہے اور روح مادّہ کا موجود ہونا آپ کا ہمارا مسلمہ امر ہے اسلیئے اسی سے بحث ہونا چاہیئے"

بابو" تو اب ہم یہ کہتے ہیں کہ اکثر موجودات کا خالق پرمیشور ہے بعض کا خالق نہیں ہے"

مرزا" میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ جب بعض کا خالق اور صانع نہیں ہے تو ممکن ہے کہ اکثر موجودات کا بھی خالق اور صانع نہ ہو۔ واہ واہ آپکے بیان سے تو پرمیشور کے خالق ہونے میں شبہ ہوگیا۔ پرمیشور کے کامل ناقص ہونے کی بحث تو بجائے خود ہے یہاں تو پرمیشور کے ایک صفت کمالیہ سے انکار لازم آیا جاتا ہے۔ حالانکہ تسلیم کیا تھا کہ پرمیشور

بابو" مقدمہ میں غلطی ہے"

مرزا" جو غلطی ہو بیان کیجئے"

بابو" ہمارا رواح و مادّہ واجب ہیں مگر سب عالم کل نہیں ہیں"

مرزا" تو کیا یوں کہنا چاہیئے کہ یہ سب واجب ہیں اور بعض واجب انمیں سے عالم کل

بابو" ہاں"

مرزا" واہ واہ موجب کلیہ ندارد کیا کلیت کبرے کے شرط مفقود ہونے پر صحیح نتیجہ کی اُمید ہوسکتی ہی کسی منطقی سے تو دریافت کیجے اور یہ بھی معلوم کیجے کہ زبردستی آپ کی ہے یا ہماری"

بابو" آپنے تو منطق میں بحث لاڈالی"

مرزا" اسلیئے کہ آپ ہی نے تو فرمایا تھا کہ معقولی گفتگو ہو اَب یہ تو کہدو کہ واجب ناقص ہوا یا نہیں حالانکہ تسلیم کیا تھا کہ واجب کا ناقص ہونا ممتنع ہی۔ یہ پہلا الزام ہی بھول نہ جایئے گا"

بابو" اچھا ہم آپسے یہ پوچھتے ہیں کہ علم بغیر معلومات کے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

مرزا" ہم آپسے یہ دریافت کرتے ہیں کہ علم کے لئے معلوم کا مطلق وجود درکار ہی یا وجود خارجی

بابو" مُطلق وجود خواہ خارجی ہو یا وجود ذہنی یا اور کسیطرح کا مثل وجود خارجی ذہنی کے ہو"

مرزا" بفرض محال مان لیتے ہیں کہ علم بلا معلومات کے نہیں ہوتا"

بابو" اچھا جب پرمیشور (قدیم) انادی ہی تو اس کا علم بھی (قدیم) انادی ہونا چاہیئے"

مرزا" بے شک خدا کا علم قدیم اوسا نادی ہے"

بابو" جب آپ رُوح مادّہ کو قدیم نہیں مانتے تو معلومات قدیم کہاں رہیں اور جب معلومات قدیم نہ ہوئیں تو خدا کا علم قدیم نہ رہا۔ اسلیئے ہم آریہ ارواح کو مادّہ کو قدیم مانتے ہیں تاکہ پرمیشور کا علم بھی قدیم مانا جائے کیونکہ علم بغیر معلومات کے نہیں ہوسکتا اور خدا کا انادی عالم کل ہونا باتفاق فریقین مسلم ہی اسلیئے رُوح اور مادّہ بھی قدیم ہیں"

بھی انسان کی حقیقت ہے "

بابو "ہاں سمجھ میں آگیا درست ہے، کاتب کا کاتب کو مرتبہ ذات میں دخل نہیں ہوگا"

مرزا "اب غور کیجئے کہ عالم کل ہونا پرمیشور کے واسطے جو واجب بالذات ہو لوازمہ ذات یا عین مرتبہ ذات سے ہی یا خارجی اور عارضی وصف ہی ؟"

بابو "پرمیشور کیواسطے عالم کل ہونا لوازم ذات سے ہی"

مرزا "جب عالم کل ہونا ایک واجب کے لوازم ذات سے تسلیم کیا گیا تو دوسرے دو واجب یعنے روح اور مادہ کے لئے بھی عالم کل ہونا لازم ہوا کیونکہ وہ بھی واجب ہیں اس صورت میں روح مادہ عالم کل ہونگے"

بابو "روح عالم کل نہیں ہے نہ مادہ عالم کل ہے روح کو کچھ کچھ علم ہے"

مرزا "اگر عالم کل نہ ہوئی تو روح مادہ واجب بھی نہ ہوئی"

بابو "روح مادہ واجب ہیں مگر عالم کل نہیں ہیں"

مرزا "تو یہ دونو واجب ناقص ہیں مطلب یہ ہوا کہ تین واجب ہیں دو ناقص ہیں ایک کامل ہے"

بابو "اچھا اس کے کہنے میں نقصان کیا ہے ؟"

مرزا "اس میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ پہلا واجب یعنی پرمیشور بھی ناقص ہو کیونکہ جب واجب ناقص ہوسکتا ہے اور پرمیشور بھی واجب ہے تو لازم آیا کہ پرمیشور بھی ناقص ہو"

بابو "یہ تو آپ کی زبردستی ہے کہ ایسے نتائج نکالتے ہو"

مرزا "صحیح نتائج نکالنے کو علم منطق موجود ہی۔ زبردستی کی کیا بات ہو لاؤ شکل اول جو بدیہی الانتاج ہی بنا دیکھیں مثلاً پرمیشور اور روح اور مادہ اور یہ مانو سب واجب ہیں اور ہر واجب عالم کل نتیجہ نکلا کہ پرمیشور روح وغیرہ سب عالم کل ہیں۔ اب فرمائیے کہ اس میں زبردستی کیا ہے"

ہوچکا ہی اَب نام نہ لینا کہ علم بغیر معلومات کے ہو نہیں سکتا نہ یہ کہنا کہ پرمیشور عالم کل ہے"
بابو "لیکن کیا ضرور ہی کہ معلومات داخل مرتبہ ذات ہوں تب ہی اُنکا علم ہو ہم ہزاروں اشیاء دیکھتے ہیں اور انکا علم ہوتا ہی مگر وہ اشیاء ہماری مرتبہ ذات میں داخل نہیں ہیں "
مرزا - دُرست ہے یہ بھی ایک وسوسہ ہی - اسکو بھی سمجھ لیجئے آپ جو اشیاء موجود دیکھتے ہیں وہ حقیقت میں آپکے مرتبہ ذات میں داخل نہیں تو بھی انکا علم ہوتا ہے مثلاً چاند سورج ریل انجن کا آپ کو علم ہی اور یہ داخل مرتبہ ذات نہیں لیکن جس طرح یہ سب تمام مرئیات آپ کے مرتبہ ذات میں داخل نہیں انکا علم بھی داخل مرتبہ ذات نہیں یہ علم آپ کا مرتبہ عوارض سے ہے کیونکہ یہ علم آپ کی ذات کو بعد میں ہوا یعنے اوّل ذات تھی پھر علم عارض ہوا دوسرے آپکے لئے استکمال بالغیر لازم آیا یعنے آپ کا کمال علم سے اور علم کا کمال غیر چیز و نکے دیکھنے سے ہوا اگر نہ دیکھتے تو علم بھی نہ ہوتا اگر پرمیشور کے علم کا بھی یہ ہی حال ہے تو اُسکے لئے بھی استکمال بالغیر لازم آئیگا پھر جس ذات کا استکمال بالغیر ہو وہ ممکن ہوا نہ واجب دوسرے علم داخل مرتبہ ذات نہ ہونے سے ذات باری میں جہل لازم آیا اور معلومات کا مخلوق ہونا بالایجاب ثابت ہوا نہ بالارادہ - اور علم باری تعالے کا صفت کمالیہ ہے اُس سے ذات واجب کا معرا ہونا ایک منٹ کو بھی محال ہی اور یہاں یہ ثابت ہوا کہ علم غیر سے آیا اور ذات واجب کو بعد میں عارض ہوا اور جو عارض ہو ضرور ہے متاخر ہو معروض سے اور تسلیم یہ ہوا ہی کہ پرمیشور کا علم داخل مرتبہ ذات ہے یہ تنبیہ الزام ہے "
بابو - اچھا مُسلمان بھی خدا کو عالم کل قدیم سے جانتے ہین ور علم کو صفت کمال مانتے ہیں اور صفت کمال سے ذات واجب کا معرا ہونا محال کہتے ہیں - پھر یہ اعتراض آپکے مذہب پر بھی عاید ہوتے ہیں "
مرزا "جس روز ہم پر یہ اعتراض ہونگے اُس روز ہم جواب دے لینگے آج تو آپکے

مرزا:۔ آریہ صاحب ہمیشہ قدم روح مادہ کے لئے اسی بات کو دلیل لاتے ہیں مگر اس دلیل سے اس مذہب پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے اُس سے بے خبر ہیں"

بابو:۔ وہ کیا اعتراض ہے فرمایئے؟"

مرزا:۔ اوّل مرتبہ ذات اور مرتبہ عوارض کو آپ سمجھ چکے ہو کہ ہر شئے کے لیئے دو مرتبہ ہوتے ہیں ایک مرتبہ ذات ایک مرتبہ عوارض اور مرتبہ ذات میں محض ذات اور ذاتیات کا ثبوت ہوتا ہے نہ عوارض کا اور مرتبہ ذات میں تمام عوارض مسلوب ہوتے ہیں"

بابو:۔ ہاں یہ مقدمہ ممہد ہو چکا ہے آپ اعتراض بیان کیجئے"

مرزا:۔ مَیں دریافت کرتا ہوں کہ مرتبہ ذات باری میں ان ممکنات کثیرہ کا ثبوت تھا یا سلب؟"

بابو:۔ ان ممکنات کثیرہ کا ثبوت مرتبہ ذات میں کیونکر ہو سکتا ہے قطعی سلب تھا اگر سلب نہ مانا جاوے تو لازم آئیگا کہ وحدت کثرت سے بدلجائے یعنی ذات باری محل ہو ممکنات کثیرہ کا اور بطلان وحدت کا اور اجتماع امکان و وجوب کا جو منافی شان ذات واجب ہے لازم آئے"

مرزا:۔ اچھا یہ تو معلوم ہوا کہ ان کا مرتبہ ذات باری میں قطعی عدم تھا مگر ان ممکنات کثیرہ کا ذات باری کو علم بھی تھا یا اُس کا بھی عدم تھا؟"

بابو:۔ پرمیشور کو ان کا علم تو ضرور تھا ورنہ جہل لازم آئے گا۔ اور ذات باری کا جہل محال بالذات ہے"

مرزا۔ پھر جب یہ سب نہ ہوئے اور ان کا علم ہوا تو علم بغیر معلومات کے لازم آیا اور آپ کہتے ہو کہ علم بلا معلومات کے ہو نہیں سکتا اَب یا تو ذات باری میں جہل تسلیم کرو جسکے ساتھ اتصاف ذات باری تعالیٰ کا مستحیل بالذات ہی یا یہ تسلیم کرو کہ ثبوت ممکنات کا داخل مرتبہ ذات باری ہے حالانکہ یہ بھی محال ہی۔ یہ دوسرا الزام ہے اور آپکی دلیل کا خاتمہ

معلوم ہے اسلئے اسمیں جو باستکمال بالغیر لازم آتا ہے وہ محال نہیں ہے اہل اسلام علم اجمالی کی نسبت یہ ہی خیال کرتے ہیں کہ اُس کا جاننا انسان کیلئے مجہول الکیفیت ہے، قوت بشری اُسکے ادراک سے عاجز ہے جو علم تفصیلی ہے وہ اپنے تعلقات کے ساتھ ساتھ ایک علم زائد ہے۔ اُسکا تعلق ممکنات کے وجود کے ساتھ ساتھ رہتا ہے جو جو ممکنات فنا ہوتی ہیں وہ تعلق بھی اُٹھتا جاتا ہے اس صورت میں وہ علم قدیم رہتا ہے اور اس کا تعلق ممکنات کے ساتھ حادث ہوتا ہے ''

بابو :۔ اگر ہم وجود ارواح کا اجمالی قدیم کہیں تو کیا جواب ہے؟ ''

مرزا :۔ اس وجود تفصیلی کے حدوث و قدم میں نزاع فریقین ہے اور وہ اجمالی جو قبل از خلق عالم ہے اگر اس کا قدم مستلزم قدم وجود تفصیلی مان لیا جائے۔ تو یہ جزئیات حادثہ اور مرکبات جو باتفاق حادث ہیں انکا قدیم کہنا بھی ضرور ہوگا۔ حالانکہ یہ باتفاق فریقین حادث ہیں پس معلوم ہوا کہ وجود متنازعہ فیہ قدماً حدوثاً یہ ہی وجود تفصیلی ہے ''

بابو :۔ ذات باری کے علم اجمالی اور تفصیلی کے کوئی مثال بھی دیجئے ''

مرزا :۔ ذات باری کی مثال کے لئے جیسے کوئی مثال نہیں ایسے اسکی اوصاف ذاتی کی مثال مطابق حقیقت کے کیونکر دیجا سکتی ہے ہاں ناقص سے ناقص مثال یہ ہوسکتی ہے کہ جب ایک ملک کے بادشاہ نے اپنے کو بادشاہ جانا تو بادشاہ جاننے کے ساتھ ہی یہ بھی جانا کہ اتنے کروڑ نفوس رعایا کا مالک اور اتنے لاکھ مربع میل زمین کا وارث ہوں۔ اس علم سے بادشاہ کے کسیکو انکار نہیں ہوسکتا اب رہا یہ امر کہ زید بکر خالد کو جاننا یا خلیل پور بہان پور شاہ گنج کو بھی اپنے ملک اور حدود ارضی کا جزو جاننا ہمارے لئے ایک مجہول الکیفیت امر ہے۔ یہ مثال علم اجمالی کے ہے۔

دوسری مثال مثلاً ایک لکچرار یا واعظ جو اسٹیج پر بیان کرنے کھڑا ہوا ہے ابھی اسکی زبان اور دوسرے کے کان کسی لفظ معنے سے آشنا نہیں ہوئے ہیں تو بھی

ستدلال کی قلعی کھولتی ہے کہ پدارتھ ودیا اور سائنس معقولات کے ٹھیکہ دار بنے ہو
ور مسلمانوں نے تو ایسا مذہب ہی اختیار نہیں کیا کہ جسکا معقولات کے گولہ باری
سے نقصان ہو۔ اسی واسطے ایک یورپ کے فاضل انگریز نے لکھا ہے کہ دنیا میں اگر
کوئی مذہب آیندہ مذہب ہو کر زندہ رہے گا تو اسلام ہی رہے گا۔ باقی سب فنا
ہو جاویں گے کیونکہ آج کل تمام دنیا کا اوڑھنا بچھونا سائنس ہو گیا ہے۔

بابو ہم کو بھی تو موقع دیجئے کہ مذہب اسلام کی حقیقت سے واقف ہوں اور
فرض کر لیجئے کہ اس قسم کے اعتراض آپ پر بھی ہو رہے ہیں۔
مجھے تو یہ سمجھائیے کہ علم بلا معلومات نہ ہونے کے تو مسلمان بھی قائل ہیں اور علم
اجمالی صفت کمال بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس علم سے ذات واجب کا
معرا ہونا محال ہے۔ پھر وہ علم کیسا ہے کہ اس سے استکمال بالغیر لازم نہیں آتا اور
وہ معلومات کے ساتھ قدیم بھی ہے اور داخل مرتبہ ذات بھی ہے"

مرزا وہ مسلمانوں کا یہ مذہب ہو کہ باری تعالیٰ کی مخلوقات کے ساتھ دو علم متعلق ہیں
ایک علم قبل از خلق موجودات دوسرا علم بعد از خلق موجودات اوّل علم کو اجمالی اور
دوسری کو علم تفصیلی کہتے ہیں۔ علم اجمالی داخل مرتبہ ذات باری عزّ اسمہٗ ہے
اس سے ذات واجب کا خالی ہونا محال بالذات ہے اس علم میں ذات واجب تعالیٰ
منشاء انکشاف اشیاء ہوتی ہے واجب نے جب اپنی ذات کو جانا تو اپنا علت الکل ہونا
بھی جانا اور یہ۔ بے معلوم کا جان لینا ہے۔ کیونکہ یہ تو محال ہے کہ واجب کو اپنی ذات
کا علم نہ ہو علم ہوا تو یہ علم ہوا کہ ذات مقدس تمام مخلوقات موجودات جس میں ہر طرح کے
جزئیات کلیات داخل ہیں انکی علت تامہ ہو اور یہ جاننا ہے تمام معلومات کا جان لینا
ہے مسلمان اس علم کو علم اجمالی کہتے ہیں کہ منشاء انکشاف اس میں ذات واحد
بسیط ہوتی ہے اور دوسرا علم تفصیلی ہو وہ صفت کمال نہیں اور حادث بعد وجود

مرزا:- پھر غور کیجئے کہ برتنوں کے وجود خارجی کا اسوقت عدم ہے اور اُن کا کمہار کو علم ضرور ہے تو علم بلا معلومات کے ہوا یا نہیں یہاں بحث مثال میں ان ہی برتنوں سے ہے کہ جو موجود نہیں اور اُن کا علم ہے نہ دوسرے برتنوں سے کیا آپ کا ذہن کوئی صورت ترکیبی ایسی نہیں تجویز کر سکتا کہ جو کبھی نہ دیکھی ہو غور سے جواب دیجئے"۔

بابو:- ہاں ایسی صورت کے تصور کو کوئی امر مانع نہیں"۔

مرزا:- جب آپ کے لئے کوئی امر مانع نہیں تو خدا کے لئے مانع ہوسکتا ہے حالانکہ خداوند پاک کی ذات بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔ میرے خیال میں بڑی غلطی یہ ہی ہے کہ آریہ صاحب خواہ مخواہ اپنے علم اور اپنی حقیقت کے ساتھ خدا کو سمجھنا چاہتے ہیں"۔

بابو:- اگرچہ اوپر بحث میں یہ امر آچکا ہے مگر آپ نے جواب لینے کی ضرورت نہیں ہے مگر جو شبہ ہے اُسکو بیان کرنا ضرور ہے ہم آریہ خیال کرتے ہیں کہ صرف روح اور مادّہ اور پرمیشور کے واجب ہونے سے تینوں کی برابری نہیں ہوسکتی۔ پرمیشور لاانتہا ہے روح کی انتہا ہے۔ پرمیشور عالم کل ہے سب کچھ جانتا ہے روح کچھ کچھ جانتی ہے۔ پرمیشور پاک اور آزاد ہے روح کبھی پاک اور کبھی مقید کبھی آزاد۔ اسوجہ تینوں برابر نہیں ہوسکتے"۔

مرزا:- روح اور مادّہ کو آپ واجب اور مستغنی عن الوجود تو کہتے ہو یا نہیں"۔

بابو:- ہاں ضرور کہتے ہیں"۔

مرزا۔ پھر غور تو فرمائیے کہ جو ذات اپنے وجود میں غیر اپنے سے مستغنی ہے وہ اپنے اوصاف میں کیوں غیر کی محتاج ہوگی مگر آپ اوصاف کے لحاظ سے روح مادہ کو ناقص اور پرمیشور کا دست نگر بیان کرتے ہو یہ کسی طرح بھی سمجھ میں آتا ہے کہ ایک ذات وجود میں مستغنی ہو اور اوصاف میں دوسرے کے محتاج ہو اس صورت میں ہمارا یہ گمان کہ جب واجب محتاج ہوسکتا ہے تو کیا عجب ہے کہ پرمیشور بھی محتاج ہو۔ پرمیشور کو واجب ہونیکی حیثیت سے ہے آپ کامل وغنی اور جمیع اوصاف میں

لکچرار کو علم ہے کہ وہ دو گھنٹے تک خود کن کن مضامین اور الفاظ کو آیندہ بیان کرنیوالا ہے یعنے بیان کرنے والے کو قبل از بیان ایک علم ہوتا ہے کہ وہ اب کیا کیا کہے گا یہ ہی علم اجمالی ہے پھر جو جو الفاظ معانی بیان ہوتے جاویں گے اُن کے ساتھ لکچرار کے علم کا تعلق اور بڑھتا رہیگا وہ تفصیلی علم ہے - اگر وہ پہلا علم جو قبل از بیان بیان کے اجزا اور الفاظ پر حاوی نہ ہو تو الزام آئے گا کہ بلا ارادہ اور بلا جمع کئے مبادی ارادہ کے بول رہا ہے اور وہ تو دیوانہ کی بڑ ہوگی - ارادہ جن مبادی سے مرکب ہوتا ہے وہ آپ کو معلوم ہے کہ سب سے پہلے تصور ہوتا ہے اور تصور خود علم ہے۔

تیسری مثال کمہار کی ہے کہ برتن بنانے سے اول اُس کے ذہن میں برتنوں کی تعداد اور شکل صورت موجود ہے حالانکہ ابھی چاک کو گردش دی ہی - مگر علم موجود ہے یہاں یہ ہی معلوم ہوا کہ علم کے واسطے وجود خارجی کا ہونا ضرور نہیں - کمہار جو برتن بنانے چاہتا ہے وہ برتن موجود نہیں ہیں مگر اُن کا علم ہے اور یہ علم بلا معلوم خارجی کے ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے "

بابو: اِس کہنے سے ایک شبہ رفع نہیں ہوتا ہے کہ کمہار کو اسوقت برتنوں کی صورت کا علم بلا موجود ہونے برتنوں کے ہو رہا ہی مگر کہیں برتن اس سے پہلے دیکھ ضرور چکا ہی "

مرزا: واہ واہ آپ تو مجھے ہی مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں "

بابو: کس طرح ؟ "

مرزا: اَے حضرت کمہار جن برتنوں کو بنانے بیٹھا ہے جن برتنوں کی مٹی اُسکے سامنے رکھی ہے جو برتن پندرہ بیس منٹ میں اس مٹی سے اُسکے ہاتوں تیار ہو کر وجود خارجی اختیار کرنے والے ہیں - کیا اُن برتنوں کا کمہار کو اسوقت علم نہیں ہے کیا کمہار بلا ارادہ اور علم کے برتن بنانے ہو بیٹھا ہے "

بابو: ہاں اُن برتنوں کا تو علم ہے "

وہ تعریف جو ممکن کی آپنے کی ہی کہ ممکن وہ ہی جسکے اوّل و آخر عدم ہو۔ وہ تو ایجاد بندہ ہی ورنہ حکما
نے تو یہ تعریف کی ہے کہ ممکن وہ ہی کہ اُسمیں فی نفسہ نہ اقتضائے وجود ہو نہ اقتضائے عدم ہو جہ
سے کہ اقتضائے وجود ہوگا تو وہ واجب ہوجاویگا اور اگر اقتضائے عدم ہی تو ممتنع ہوجائے گا
یعنے وجود اور عدم دونوکو اُسکی طرف ایک سی نسبت ہوگی جس طرح موجود ہونے میں علت کا محتاج
ہے معدوم ہونے میں بھی حاجتمند ہی پھر موجود ہونا یا معدوم ہونا بلا ترجیح احد الجانبین نہیں ہوسکتا
جب ترازو کے دونو پلڑے برابر ہوں تو بغیر جھکانیوالے کے نہیں جُھک سکتے اور جو شئے بعد
ترجیح حاصل ہو وہ ہی حادث ہی بس ممکنات کی کیا ہستی ہے اور کیا اختیار ہے کہ وہ سب
ملکر اپنے ارادہ اور مرضی سے خوبصورت ہوجاویں یا سب کے سب عالم ہوجاویں بقول شخصے
کہ مُردہ بدست زندہ۔ جس طرح علت الکل چاہیگا ہوگا۔ اسکا اختیاری فعل ہی کہ دس ہزار کو
خوبصورت اور عالم بنائے یا صرف دس کو پس معلوم ہوا کہ آپ اسی دہوکہ میں ہیں کہ ممکن
اور علت الکل آپکے نزدیک چھوٹے بڑے بھائی ہیں۔ جو ممکنات کے واسطے تجویز کیا وہ ہی
واجب کے لئے۔ اَب میں مختصر جملہ کہہ کر آپ کی اس غلطی کو رفع کرتا ہوں صبح کا بھولا شام کو گھر آئے
تو اُسے بھولا نہیں کہتے آپ جلدی سے بھول گئے کہ مرتبہ ذات اور مرتبہ عوارض میں
فرق نہ ہے۔ واجب کے جو اوصاف ہیں وہ داخل مرتبہ ذات اور لوازم ذات سے ہیں اور ممکن
کے اوصاف لوازم ذات سے نہیں ہیں وہ عوارض ہیں جو ذات کو بعد میں عارض ہوئی
جس طرح ممکن کی ذات محتاج غیر ہی اسی طرح اوصاف بھی غیر کے دئے ہوئے ہیں اور
یہ اوصاف کم و بیش اسلئے ہیں کہ وہ سمجھیں کہ ہم کسی دوسرے کے اختیار میں ہیں۔ جیسا خالق
نے بنایا بن گئے۔ اگر ہماری ذات اور اوصاف ہمارے اختیار میں ہوتے تو ذاتی نقصان
کیوں ہوتے۔ اور اوصاف ہم میں دوسروں سے کم کیوں ہوتے۔ اَب آپ فرمائیے کہ کیا
علم بھی پرمیشور کو اور روح کو بعد میں کسی نے عنایت کیا ہی یا انادی اور ان کا خانہ زاد ہے
اگر خانہ زاد ہے تو دونو کا ہی یا ایک کا اگر ایک کا ہی تو دوسرے کا کیوں نہیں اگر دونو کا خانہ زاد ہے

یکتا ماننے ہو یا کوئی اور وجہ ہے۔ جب واجب الوجود پرمیشور ہے اور کامل ہے تو جسقدر
واجب ہونگے وہ بھی کامل ہونگے اور اگر ایک واجب ناقص ہوگا تو دوسرا بھی ناقص
ہوگا۔ آخر کوئی دلیل بھی اثبات پر پیش کرسکتے ہو یا صرف زبانی جمع خرچ آپکا اختیاری
فعل ہے کہ جسکو چاہو واجب کہو اور جس واجب کو چاہو ناقص اور جسکو چاہو کامل کہو جبتک
برہان نہ قائم ہو اس مذکورہ بالا فرق کو کون قبول کرسکتا ہے۔

ہم برابر اعتراض کررہے ہیں اور دلائل پیش کررہے ہیں مگر آپ کی طرف سے اپنے
دعوے کی دلیل صرف یہ ہی ایک پیش ہوئی ہے کہ علم بلا معلوم کے نہیں ہوسکتا
جسکا جواب دیدیا گیا۔ اب اسی امر کو غور کیجئے کہ آپ فرماتے ہیں کہ پرمیشور بعنے
واجب تعالیٰ غیر متناہی ہو اب دیکھنا یہ ہے کہ صفت لامتناہی لوازم ذات واجب
تعالےٰ سے ہی یا نہیں؟"

بابو: "ہاں ضرور لوازم ذات سے ہے ورنہ لازم آئے گا کہ یہ صفت بعد میں
باہر سے آکر واجب کو لاحق ہوئی"

مرزا: "تو ہر واجب کے لوازم ذات اور مرتبہ ذات سے ہونا چاہیے۔ پرمیشور کی کیا
خصوصیت ہے وجوب الوجود میں روح مادہ پرمیشور سب برابر ہیں اوصاف میں بھی
برابر ہونا چاہیئے۔ یہ عجب بات ہے کہ وجوب الوجود میں برابر مگر اوصاف میں
زمین آسمان کا فرق ہے"

بابو: "بلحاظ موجود کے دو قسمیں ہیں ایک ممکن الوجود۔ دوسرا واجب الوجود ممکنات
حقیقت میں مساوی ہیں مگر اوصاف میں زمین آسمان کا فرق ہو کوئی خوبصورت کوئی
بدصورت کوئی عالم کوئی جاہل اسیطرح ہر واجب کی حقیقت مساوی ہو اور اوصا
کم و بیش اس میں محال کیا ہے"

مرزا: "اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی آپ ممکن کو بھی نہیں سمجھے۔ اگر جنا

یہودی حضرت عزیر کو خدا جانتے ہیں یا کچھ بہ تبدیل الفاظ اسی کے قریب قریب خیال کرتے ہیں۔ سنائتی تو ظاہر بُت پرست ہیں جینی سرے سے خدا کو ہی نہیں مانتے۔ باقی رہے مُسلمان اُنہوں نے مانا تو یہ مانا کہ سوائے ایک ذات وحدہٗ لاشریک کے کوئی نہ معبود ہے نہ معبود ہو سکتا ہی وہ جس طرح ذات میں احد ہی صفات میں بھی احد ہی قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ حکمانے بھی پرمیشور کو احد مانا ہے کیونکہ لفظ احد اُنکے نزدیک ایسا لفظ ہی جس میں دوئی کی بو بھی نہیں ''

بابو ''مُسلمان جو خدا کو واحد کہتے ہیں آخر کون واحد ہی واحد عددی ہی یا واحد جنسی یا نوعی ایک عیسائی کے جواب میں مامون رشید کے زمانہ میں مُسلمانوں سے کچھ جواب نہ بن پڑا''

مرزا ''اَب ہم سے اس کا جواب سُنکر آپ اور عیسائی دونوں ملکر کچھ اعتراض کیجئے ہمارا مختصر جواب یہ ہی کہ خدا واحد شخصی ہی منطق کی کلیات خمسہ سے مطابق کر دیکھو کچھ ہمت ہو تو اعتراض کیجئے۔ اور ذرا اپنے واجبوں کو بھی ایک نظر اسی کے ساتھ دیکھ لیجئے کہ کس کلی کے تحت میں ۳ واجب ہیں۔

بحث معقولی طول ہوتی جاتی ہے کوئی کام کی بات کیجئے۔

بابو ''اچھا آپ کوئی اعتراض کیجئے کہ جس کا جواب ہم سے نہ ہو سکے''

مرزا ''ایک اعتراض ہو تو اُس کو بیان کروں''

بابو ''آخر ایک دو اعتراض تو بیان کیجئے''

مرزا ''اچھا آپکے نزدیک واجب کے واسطے جیسا کہ اوپر بیان ہوا وحدت شخصی ثابت ہے یا نہیں''

بابو ''ہاں ثابت ہے''

مرزا ''اگر واجب کے واسطے وحدت شخصی ثابت ہی تو ارواح غیر متناہیہ واجب کیونکر ہو سکتی ہیں اور اگر واجب کے لئے وحدت شخصی ضروری نہیں تو پرمیشور بھی غیر متناہی ہونگے کیونکہ

توبرابرکیوں نہیں اگر آپ صرف روح اور مادّہ کو قدیم کہتے تو بلا میں نہ پڑتے مگر مصیبت تو یہ ہے کہ واجب سب کو کہتے ہو۔ وجوب الوجود تو اپنے کو ہر طرح کامل جمیع نقصان سے پاک چاہتا ہے اور جو ذرہ بھر بھی نقصان رکھتا ہی وہ واجب نہیں ہی۔ کیونکہ کسی قسم کا نقصان تھوڑا ہو یا بہت صفت ذمیمہ ہی آپ کہتے ہو کہ روح مقید ہی ہم کہتے ہیں کس نے اُسے مقید کیا۔ جسکو بتاؤگے وہی اُنکی علت ہوگا۔ اگر خود بخود مقید ہوگئی تو روح دیوانی ہی اس کا علاج کرانا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص اپنے ہاتوں اپنا نقصان کرے باوجود مختار ہونے کے تو وہ پاگل ہی۔ خلاصہ یہ کہ توحید مسلمان جیسی ہونا مشکل ہی۔ سارے عالم نے مان لیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ کوئی موحد نہیں ہی ایکبار یاد ہوگا۔ کہ ٹوڑی علاقہ جے پور کے راستہ میں بابو نانک رام صاحب آریہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ قرآن نے بمقابلہ دوسری کتب آسمانی کے کیا نئی تعلیم دی ہے میں نے کہا کہ توحید کی تاکید او رتکرار اور توضیح جسقدر قرآن میں ہے اور کسی کتاب میں نہیں اسکو سنکر اُنہوں نے انکار کیا۔ تھوڑی دور چلکر دادو پنتھ کے پیشواخیموں میں نظر آئے بابو دمودر صاحب ہم سب کو اُنکے پاس زبردستی لیگئے کہ ان سے باتیں کرینگے۔ جب ہم وہاں گئے تو دمودر صاحب نے اُن بزرگ سے دریافت کیا کہ آپ کا اصول مذہب کیا ہی؟ اُنہوں نے کہا کہ مکتی یعنے بڑی غرض نجات ہی اور یہ جب ممکن ہے کہ رحم جین مذہب والوں جیسا اور معاملات وشنو مت والوں جیسے اور توحید مسلمانوں جیسی ہو تب مکتی حاصل ہو اس مضمون کو اُس بزرگ نے نظم پڑھکر ادا کیا تھا دمودر داس نے بابو نانک رام سے کہا کہ منجانب اللہ تمھاری بات کا جواب ایک ہندو کی زبان سے وہ ہی نکلا جو مرزا جی نے کہا تھا وہ سُنکر ہنسنے لگے۔ بابو نانک رام صاحب بھرت پور میں اُسوقت ہیڈ کلرک پولیس دفتر میں ہیں تصدیق اس بیان کی جو چاہے کرے خلاصہ یہ کہ اسوقت دنیا میں عیسائی تثلیث کے قائل ہیں آپ لوگ دوسری قسم کی تثلیث مانتے ہو یعنی روح مادّہ پرمیشور کو واجب کہتے ہو۔ پارسی نیکی بدی کے دو خدا مانتے ہیں۔ اہرمن اور یزدان

بابو: "اگر ارواح اور مادّہ کو من حیث الوجود واجب اور مستغنی عن الواجب یا پرمیشور تسلیم کیا جاوے اور من حیث الاوصاف پرمیشور کا محتاج اور ممکن مانیں تو کیا قباحت ہے"

مرزا: "اگر واجب ہو کر احتیاج بھی ہو سکتی ہے گو کسی خاص امر میں ہو تو احتیاج منافی وجوب ذاتی نہ ہوگی تو جائز ہوگا کہ احتیاج اپنی وجود ذات میں بھی ہو اور واجب بھی ہو۔ تو اس صورت میں جتنی ممکنات ہیں وہ بھی واجب ہو سکتی ہیں۔ اور اگر واجب میں یہ ضرور ہے کہ دروازہ احتیاج کا بالکل مسدود ہو نہ احتیاج ذاتی ہو نہ احتیاج وجودی نہ احتیاج وصفی تو مادّہ اور ارواح میں باوصف احتیاج وصفی وجوب کہاں سے آجائیگا۔ یہ تو تماشہ ہوگا کہ من حیث الوجود واجب ہوں اور من حیث الوصف ممکن ہوں یعنی کسیقدر ایک شئے واجب ہو اور کسیقدر ممکن۔ کیا امکان و وجوب دونوں مفہوم متقابل نہیں ہیں اور کیا اجتماع ان کا ذات واحدہ میں محال نہیں ہے۔ پس معلوم ہوا کہ واجب وہی ہے کہ جو کسی قسم کی احتیاج نہ رکھتا ہو اور ممکن وہ ہے کہ ہر امر میں محتاج ہو جبکہ مان لیا ہے کہ استغنا ایک ایسا امر ہے کہ معرف واجب ہے اور احتیاج ایک ایسا امر ہے کہ معرف محتاج الیہ ہے لہذا مستغنی وہ ایک ہی ذات ہے لَا اِلٰہ اِلَّا ھُوَ کا یہی مطلب ہے۔ اس کے علاوہ آپنے ارادہ کو صفات الٰہی میں سے مانا ہے یا نہیں؟"

بابو: "ہاں تسلیم کیا"

مرزا: "ارادہ کی یہ شان ہے کہ شے کے وجود کو یا عدم کو جو بہ نسبت قدرت مساوی تھے جب چاہے ترجیح دے جب چاہے کرے اور جب چاہے نہ کرے۔ اگر چاہے اور نہ کر سکے تو عجز ہے ارادہ کرنیوالے کا اور اگر اس کا عدم چاہے اور معدوم نہ کر سکے تو بھی عجز ہے اور منافی وجوب ذاتی ہے۔ اگر خدا کو روح اور مادہ کے وجود اور عدم پر قدرت ہے تو فھو المراد اس سے روح مادہ کا ممکن ہونا لازم آیا کیونکہ قدرت ممکنات پر ہوتی ہے اگر قدرت کا انکار ہے تو ارادہ کا بھی انکار ضرور ہے۔ کیونکہ جب قدرت نہیں تو ارادہ کیونکر متصور ہے اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ خدا کی قدرت اور ارادہ سے بھی انکار لازم آتا ہے۔

پرمیشور ہی واجب ہے غرض کہ یا پرمیشور واجب نہیں یا ارواح واجب نہیں اسی طرح دلیل نفی واجبیۃ مادّہ بھی ہے۔"

بابو: "وہ بھی بیان ہو"

مرزا: "واجب کے واسطے تجرد عن المادہ یعنی مجرد ہونا مادّہ سے ضرور ہے یا نہیں؟"

بابو: "ہاں ضرور ہے"

مرزا: "تو پھر مادہ واجب کیونکر ہو سکتا ہے اگر تجرد عن المادہ ضروری نہیں تو پھر پرمیشور ہی جو باتفاق فریقین واجب ہے مادی ہو سکتا ہے اُسکے مجرد ہونیکی کیا دلیل ہے۔ علاوہ اسکے ایک قاعدہ عقلی ہے کہ واجب ہوکر دوسرے کا محتاج ہونا اور ممکن ہوکر واجب کا محتاج نہ ہونا واجب کو واجبیۃ سے اور ممکن کو امکان سے خارج کرتا ہے دلیل یہ ہے کہ واجب وہی ہے جو اپنی ذات میں اور اپنی تحصیل کمال میں کسیکا محتاج نہ ہو اور اگر واجب ہوکر محتاج ہوا تو اولاً صفت نقصان واجب میں ہوئی اور واجب تکمیل صفت نقصان میں محتاج ہوا اور چونکہ ہر محتاج معلول ہوتا ہے اور محتاج الیہ علت ہوتی ہے اسلئے واجب معلول ہوگیا حالانکہ باتفاق فریقین پرمیشور واجب ہے اور علت فاعلی ہے"

بابو: "ہم روح و مادّہ کو ایسا واجب نہیں مانتے کہ وہ پرمیشور کے محتاج نہ ہوں"

مرزا: "ہم ایسے پرمیشور کو واجب نہیں مانتے جو مادہ اور روح کا تخلیق عالم میں محتاج ہو"

بابو: "یہ دعوٰی دلیل کا محتاج ہے"

مرزا: "اور آپکے لئے تو اسکی ضرورت نہیں کہ جو دعوٰی ہو اُسکی دلیل بھی دیں۔ اچھا ہم سے دلیل سُنئے اور غور کیجئے کہ جو صفت کمالیہ میں کسیکا محتاج ہوگا تو دروازہ احتیاج کھلے گا اور واجب کا محتاج ہونا محال نہ ہوگا تو ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جیسے واجب صفت میں محتاج ہو ذات میں بھی محتاج ہو اور چونکہ احتیاج ذاتی کو امکان لازم ہے اسلئے واجب محتاج ممکن ہوگا۔ اسی طرح جو ممکن ہوکر محتاج نہ ہو وہ واجب ہے کیونکہ امکان میں تساوی وجود و عدم ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے خلاصہ یہ کہ امکان کو احتیاج اور واجب کو استغنا لازم ذات سے ہے"

مرزا :- مراد یہ ہے کہ معدوم محض کو موجود محض کردیا یہ مطلب مسلمانوں کا نہیں کہ عدم خانہ سے نکالا۔ یہ ہوسکتا ہے کہ قدرت معدوم محض کو موجود کرے۔ اور موجود کو معدوم جیسے کہ ہم آپ اسی جسم جسامت صورت ترکیبی کے ساتھ معدوم محض تھی پھر قدرت نے موجود کردیا اُسکے ارادہ سے پھر معدوم محض ہوجاوینگے اور ہماری جسم ترکیبی کی نسبت معدوم محض کہا جاویگا

بابو :- عقل یہ تجویز کرتی ہے کہ موجود سے موجود نکلے اور عدم سے عدم "

مرزا :- اب ہمارے اپنے دونوں قولوں کو مقابلہ سے دیکھو مسلمان کہتے ہیں کہ خدا معدوم کو موجود کرتا ہے اور اپنے ارادہ سے موجود کو معدوم کرتا ہے غور کیجیے کہ قدرت معدوم پر موجود کرنے کی ہوتی ہے۔ اور موجود پر معدوم کرنے کی اور موجود کو موجود کرنا اور معدوم کو معدوم کرنا الفاظ بلا معنے ہیں یا نہیں اس کا مطلب کیا ہوا کہ موجود کو موجود کرتا ہے اور معدوم کو معدوم "

بابو :- مسلمانوں کا قول ہے کہ خدا نے دنیا کو اپنے سے بنایا حالانکہ خدا غیر مادی ہے اور دنیا مادی غیر مادی شئے سے مادی دنیا کیونکر نکلسکتی ہے "

مرزا :- کس مسلمان نے کہا اور کہاں لکھا ہوا آپنے دیکھا ہے کہ خدا نے اپنے سے دنیا بنائی جسکے معنی دنیا کو خدا کے جسم کا حصہ آپ سمجھے اور مادی غیر مادی کی بحث شروع کی۔ خیر بہ توجیب آپ دکھلاؤ گے اُسوقت اس کا جواب پاؤ گے۔ پہلے اس اعتراض پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے اُس کا جواب تو دیجیے کہ دُنیا مادی ہے اسلئے غیر مادی خدا سے نہیں نکل سکتی۔ دُنیا نکلے یا نہ نکلے مگر آپکے قول کے موافق خدا سے ارواح تو نکل سکتی ہیں کیونکہ وہ غیر مادی ہیں اور خدا بھی غیر مادی ہے۔ اس صورت میں غیر مادی کا غیر مادی خدا سے نکلنا محال نہیں ہوا تو آپ تسلیم کیجیے کہ ارواح خدا کے جسم کا حصہ ہیں یا خدا اُنکا خالق ہے "

بابو :- جو چیز جڑ ہے وہ اپنے آپ نہیں بنتی "

مرزا :- آپ مادّہ کو جڑ کہتے ہو نہ چتیں اور مادّہ کے قدیم انادی ہونیکے قائل ہو

علاوہ ازیں ارواح کا جنم لینا آپ مانتے ہو۔ پھر خدا کا جنم لینا بھی مانو کیونکہ سب واجب برابر ہیں۔

بابو "خدا غیر محدود ہے وہ محدود چیز میں نہیں سما سکتا اسلئے اُسکا جنم نہیں دوسرے وہ پاک ہے"

مرزا "آپ ایک بات کو بار بار ہم کہاں تک کہے جائیں۔ اسکا جواب وہی ہے جو اوپر ہو چکا ہے کہ سب واجبوں کی ایک حالت ہونا چاہیئے۔ روح واجب ہو کر ناپاکی اور حد کے جھگڑے میں کیوں پڑے اگر کہو کہ پڑ سکتی ہے تو ہم کہیں گے پرمیشور کے بھی یہ ہی حالت ہوگی۔ یہ حالت پرمیشور کی نہیں تو ارواح کی بھی نہیں ہوگی اسلئے کہ نقصان کا حامل وجوب ذاتی نہیں ہو سکتا۔ یہ کلیہ ہے"

بابو "اب ہم چھوٹے چھوٹے سوال کرتے ہیں اور آپ بھی مختصر مختصر جواب دیجئے کہ روح مادہ کی بحث ختم ہو جاوے"

مرزا "بہتر ہے جو آپ کی خوشی ہو موجود ہوں"

بابو "روح مادّہ کے قدیم ہونے پر ایک یہ دلیل بھی آریہ لاتے ہیں کہ روحیں بہ اتفاق فریقین موجود ہیں اور جو چیز جہاں ہوتی ہے وہ وہیں وہاں سے نکلتی ہے جو چیز جہاں نہیں ہوتی ہے وہ وہاں سے نکلتی بھی نہیں چونکہ روحیں اب ہیں تو پہلی بھی کہیں ہونگی"

مرزا "میں اور آپ اسوقت موجود ہیں یا معدوم"

بابو "موجود ہیں۔ تو ہمارا آپکا موجود ہونا اسکو لازم ہوا کہ پہلی بھی تھے کیونکہ اگر نہ ہوتے تو اب بھی نہ ہوتے لہذا ہم آپ قدیم ہیں اس دلیل سے یہ نتیجہ نکلا کہ سارا عالم بھی قدیم ہو گیا"

بابو "اگر روحیں بقول اہل اسلام نہ تھیں تو کہاں سے آئیں کیونکہ نیستی محض سے نیستی محض ہی نکلتی ہے پدارتھ ودیا والوں نے بھی مانا ہے کہ عدم سے عدم ہی نکلتی ہے"

مرزا "پہلے سوال کا جواب تو وہی ہے کہ ہم آپ نہ تھے تو کہاں سے آئے حالانکہ ہم آپ موجود ہیں دوسری بات کہ نیستی سے نیستی نکلا کرتی ہے غلط ہے کیونکہ نیستی سے نیستی بھی نہیں نکلا کرتی۔ نکلنا موجود پر بولا جاتا ہے نہ معدوم پر۔ علاوہ اسکے خارج مخرج دونو محض ہیں تو پھر نکلنا کیسا علم سائنس والوں نے کہاں لکھا ہے کہ عدم سے عدم نکلتی ہے کیونکہ محض عدم خانہ سے تو نہ وجود نکلتا ہے نہ عدم"

عام فہم بحث متعلق رُوح و مادّہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابو قرآن شریف میں لکھا ہے کہ اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ یعنے اس کا حکم یہ ہی ہے جب چاہے کسی شئے کو کہ کہے اُسکو ہو وہ ہو جاوے۔ اسلئے مسلمانوں کا یہ خیال ہے کہ خدا نے سارے موجودات عالم کو عدم محض سے صرف اپنی قدرت سے لفظ کُن کہکر ہست کر دیا یعنے پیدا کیا حالانکہ یہ محال ہے عدم سے کوئی شئے نکل نہیں سکتی اور اگر عدم سے کچھ نکل سکتا ہے تو عدم۔ اسکو حکما نے بھی مانا ہے چنانچہ پدارتھ ودیا یعنے علم سائنس کا پہلا اصول ہو کہ کوئی چیز نیستی سے ہستی میں نہیں آتی۔ وید مقدس کے موافق ہم مواحد آریوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا اور رُوح اور مادّہ تینوں قدیم ازلی ہیں۔ پراتمان یعنی پرمیشور نے اپنے گیان سے رُوح مادہ پر قابو پا کر اُنسے دُنیا قائم کی ہے

مرزا کیوں حکماء کو بدنام کرتے ہو حکماء نے کہاں لکھا ہے کہ عدم سے عدم نکلا کرتا ہے نکلنا تو موجود چیز پر بولا جاتا ہے نہ معدوم محض پر اور جب خارج مخرج دونوں محض ہوئے تو پھر نکلنا کیسا۔ اسلئے نیستی سے نیستی کا نکلنا بے معنی بات ہو اب رہا یہ کہ نیستی سے ہستی میں کوئی شئے نہیں آتی اور حکماء اسکے قائل ہیں سو یہ بحث طلب امر ہے اور یہاں اسوقت بحث آپ سے ہو نہ حکماء سے اسلئے دیکھنا یہ ہے کہ وید مقدس نے اسبارہ میں قرآن کی تصدیق کی ہے یا قول حکماء کی اور آپکے ایمان کا دارمدار ویدوں پر یا قول حکماء پر؟

اور یہاں کہتے ہو کہ جو چیز جڑ ہے وہ خود نہیں بنتی۔ پھر مادّہ باوصف جڑ ہونیکے خود بخود کیونکر بن گیا۔

بابو: رُوح کو آریہ جسم لطیف چیتن اور مجرد اور بسیط کہتے ہیں جیسا کہ لیکھرام صاحب نے لکھا ہے ''

مرزا: واہ واہ مجرد بھی بسیط اور جسم لطیف بھی یہاں تو سب غلہ بارہ پنسیری کر دیا۔ اَے جناب مجرد وہ شے ہے جو مادہ سے پاک ہو بسیط وہ ہی جو کسی جزو سے مرکب نہ ہو جسم وہ ہے خواہ لطیف ہو یا کثیف کہ جس میں ابعاد ثلاثہ امتناع تداخل قابلیت انقسام وغیرہ ہو۔ روح کی حقیقت کو آپ اور لیکھرام صاحب حقیقت میں خوب سمجھے اب معقولی گفتگو طے کیجئے کچھ اور فرمایئے یہ تو مُفت کا دردِ سر ہے ''

بابو: عکمار فلاسفہ بھی قدم رُوح کے قائل ہوئے ہیں ''

مرزا: کل عکمار قدم رُوح کے قائل نہیں ہوئے ارسطو روح کو حادث مانتا تھا بعض کا قول تھا رُوح کچھ شئے نہیں صرف ترکیب بدن کے ایک خاص انداز کے نتیجہ کا نام رُوح ہے۔

ارسطو اس کا بھی قائل تھا کہ روح جسم کے جُدا ہوئے بعد اپنی اُس خاصیت کے ساتھ باقی اور قدیم رہتی ہے جو اُس کو جسم کے ملنے سے حاصل ہوتی ہے۔

افلاطون کہتا تھا کہ نیک آدمی کی روح بدن سے جُدا ہوئے بعد روحانیوں میں جا ملتی ہے اور ابدی عیش حاصل کرتی ہے اور بدآدمی کی روح خبیث ارواحوں میں ملکر عذاب ابدی میں مُبتلا ہوتی ہے۔ دیکھو ملل و نحل صفحہ ۳۳ و ۳۴ جلد ۲ یہ اقوال حکما ہیں جنکے آپ دلدادہ ہیں افلاطون کے قول سے مُسلمانوں کے مذہب کی تائید ہوتی ہے اور مقام علیین اور سجین جنت و دوزخ کا پتہ چلتا ہے اور تناسخ کا ابطال۔ اور ارسطو کے قول سے آریوں کا وہ کلیہ ٹوٹتا ہے جو کہتے ہیں کہ جو ازلی نہیں وہ ابدی نہیں کیونکہ ارسطو ارواح کو حادث مان کر اُن کی ابدی بقا کا قائل ہے + آیندہ عام فہم بحث مُلاحظہ ہو فقط

پرکرتی سے او۔ پرکرتی کو اپنی قدرت سے الخ اَب فرمایئے کہ پرکرتی اور قدرت دونوں آگئی یا نہیں (جب پرکرتی کو) یعنی مادہ کو قدرت سے پیدا کیا۔ تو اَب قرآن پر اعتراض کیا رہا یہ ہی ہم کہتے ہیں کہ خدا نے مادہ وغیرہ کو قدرت سے پیدا کیا۔ بابو نہال سنگھ صاحب مترجم رگوید ادی بھاشیہ بھومکا کو سوامی دیانندجی کا سنسکرت والا ترجمہ پہلے منتر کا صفحہ ۱۱۹ سطر ۱۶ دیکھکر کھٹکا ہوا تھا کہ سوامی جی روح مادہ کو انادی ازلی ثابت کرتے کرتے یہ کیا لکھہ گئے انھوں نے انکی کمی کو ایک نوٹ کی شکل میں پورا کرنا چاہا مگر مطلب براری کچھہ نہ ہوئی آخر یہہ کہکر چپ ہو رہے کہ ابتدائی حالت مادہ کو اس منتر میں لفظ سا مرتھہ قدرت سے بیان کیا ہے کوئی بابو نہال سنگھ صاحب سے پوچھے کہ کیا صفت بھی اپنی موصوف سے علیحدہ ہوا کرتی ہے جو طاقت قدرت کو علیحدہ جانا۔ دوسری جگہ خود سوامی جی اردو بھومکا صفحہ ۸۷ سطر ۲ میں لکھتے ہیں کہ وہ بذات خود غیر مولود اور سب کا پیدا کرنے والا ہے وہ ہی اس کائنات کو اپنی قدرت سے بناتا ہے۔ اَب فرمایئے کہ لفظ سب میں روح مادہ آگیا یا اس سے خارج رہا اور یہ تماشہ قدرت کا دیکھئے کہ جس قدرت پر اعتراض آپ فرما رہے ہیں وہ ہی الفاظ آپکے بزرگوں کے قلم سے نکل رہے ہیں علاوہ ان منتروں مذکورہ بالا کے ایک منتر جو مصنف تمر بھاسکر نے مادہ پرکرتی کی عدم قدامت پر دوران بحث میں جو تیسرے نمبر پر درج کیا ہے وہ یہہ ہے یہ پرآتما ہے اکیلا یقیناً آگے تھا دوسرا کچھہ نہ تھا۔ یاد رہے کہ اس منتر کے لفظی معنوں میں پنڈت تلسی رام صاحب آریہ نے دوران بحث مباحثہ میں کوئی اُلٹ پھیر نہیں کی ہے گو من مانی تاویلیں دُور از کار بہت کی ہیں۔ یہاں صاف صاف لفظ اکیلا اس امر پر دلالت کر رہا ہی کہ خدا کے سوا کوئی شئے قدیم نہیں اور پھر لفظ یقیناً خدا کی تنہائی کا علیحدہ یقین دلا رہا ہی (اور دوسرا کچھہ نہ تھا) سے مزید تائید ہو رہی ہے۔ اَب فرمایئے کہ اسکے سوا اور کیا ثبوت دیا جاوے۔ اَب مہربانی کرکے چاروں ویدوں میں صرف اتنا جملہ دکھلا دیجئے کہ مادہ روح لافانی ہیں یعنی لفظ دنیتہ جسکے معنی لافانی ہیں پرکرتی اور پرمانو کے ساتھہ دکھا دیجئے

بابو "ہمارے ایمان کا دارمدار ویدوں پر ہے پھر ویدوں سے قرآنی مسئلہ مذکورہ کی تائید کیجئے"

مرزا "میں اپنے دعوے کے ثبوت میں وید کا لفظی ترجمہ پیش کرتا ہوں اور وہ بھی سوامی دیانندجی کی زبانی مع اُن کی تفسیر کے نہ کسی دوسرے کا قول ملاحظہ ہو رگوید ادی بھاشیہ بھومکا صفحہ ۱۱۵ جہاں لکھا ہے "تب نہ نیستی تھی نہ ہستی تھی نہ پرمانو تھا نہ وہ تھا جو یہہ بڑا اکاش ہے الخ اس کی تفسیر سوامی مہاراج یوں کرتے ہیں" اسوقت ست پرکرتی یعنے کائنات کے غیر محسوس علت جسکو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو تھے الخ آپ فرمایئے کہ آپ تو نیستی اور ہستی سے بحث کر رہے ہیں اور وید کہتا ہے کہ اُس وقت نیستی کی بھی نیستی تھی یعنے یہانتک تھا کہ سوائے خدا کے نیستی بھی نہ تھی اور پرمانو بھی نہ تھی حالانکہ پرمانو یعنی جزء لایتجزی کو آپ قدیم کہتے ہیں جب نہ تھے اور نیستی ایسی تھی کہ نیستی کی بھی نیستی تھی تو پھر پرمانو کہاں سے نکلے کیا کسی شئے کے قدیم ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ایک وقت میں نہ ہو پھر دوسرے وقت میں ہو جائے۔ اس ترجمہ میں دو تین لفظ خصوصیت کیسا تھ غور طلب ہیں (پرمانو) نہ تھی۔ لفظ (تب) یا لفظ (اُسوقت) جو صاف دلالت کر رہے ہیں کہ ازل میں کچھ نہ تھا۔ آپ فرمایئے کہ قرآن کی اس سے زیادہ کیا تصدیق ہوسکتی ہے۔ اس وید کے منتر سے دونوں باتیں ثابت ہوگئی ہیں۔ ایک نیستی سے ہستی کا ہونا جو آپکے نزدیک محال تھا۔ دوسرے پرمانو کا حادث ہونا جسکو قدیم کہا جاتا ہے"

بابو "پرکرتی یعنے مادہ کا حادث ہونا اور محض قدرت سے سب کچھ ہو جانا کہاں ثابت ہوا وہ تو کائنات کے غیر محسوس علت ست پرکرتی کا بیان ہے"

مرزا "جلدی نہ کیجے وہ بھی آتی ہے اور قدرت بھی دیکھو سلسلہ بیان پیدایش عالم میں سترھویں منتر کی تفسیر سوامی جی کی اور اردو بھومکا صفحہ ۱۸۳ اور بابو نہال سنگھ صاحب کا ترجمہ اگنی کی رس سے پانی کو پیدا کیا اور آگ کو ہوا سے اور ہوا کو اکاس سے اور اکاس کو

واجب غیر مخلوق نہیں مانتے اسلئے مسلمان ہی اول درجہ کے موحد ثابت ہوئے اور چونکہ موحد بقول آپ کے مشرک سے بہتر سے بہتر ہے اسلئے مسلمان آریوں سے بہتر اور اچھے ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ پرمیشور اپنے گیان سے روح مادہ پر قابو پا گیا ہے۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا خالق کا مخلوق پر قبضہ پانا تو قرین قیاس ہے مگر قدیم قدیم پر کیونکر حاوی اور حاکم ہو گیا اور اگر قدیم قدیم پر قابو پا سکتا ہے تو کیا عجب ہے کہ ایک دن روح اور مادہ بھی خدا پر قبضہ پالیں کیونکہ وہ دو ہیں اور خدا تنہا اور جب تنہا ہے اور بقول آریوں کے خدا قادر مطلق بھی نہیں جیسا کہ سوامی دیانند جی کا مقولہ ہے تو اس صورت میں پورا اندیشہ ہے۔ کیونکہ آپ کے نزدیک ایک قدیم کا دوسرے قدیم پر قبضہ پانا کچھ بات نہیں"

بابو "یہ کہنا آپ کا اسلئے دُرست نہیں ہے کہ قبضہ پانے کو گیان اور عقل کی شرط ہے اور اس سے مادہ روح بے نصیب ہیں"

مرزا "روح اور مادہ عقل اور گیان سے کیونکر بے نصیب رہ سکتے ہیں جبکہ یہ دونوں بھی واجب اور قدیم ہیں اگر خدا کو واجب الوجود ہونے سے گیانی اور عقلمند مانا جاوے تو روح اور مادہ کو غیر گیانی ماننے کی کوئی وجہ نہیں اسلئے کہ جب روح اور مادہ اپنے وجود میں خدا کے محتاج نہ ہوئے تو اُسکے گیان کی وجہ سے کیوں اُسکے محتاج ہوں گے اور جب ایک واجب نے اپنے کو ہر طرح گیانی اور مکمل بنالیا تو ساتھی اُسکے دونو واجب یعنے مادہ اور روح کیوں اپنے کو ناقص رکھنے لگے آخر وہ بھی واجب ہیں۔ ناقص ہونا تو مخلوق کی شان ہے کہ جیسا خالق نے ناقص کامل بنایا ویسی ہی بنگئی اور جب اپنا بنانا اپنے اختیاری بات ہو تو ناقص کیوں بنے۔ کہ کوئی اپنا نقصان نہیں چاہتا اور اگر واجب بھی ناقص ہو سکتا ہے تو آریوں کے خدا کی نسبت بھی بدگمانی کا موقع ہے۔ دوسرے مادہ کے قدیم ماننے میں کمہار اور خدا کی ایک ہی مثال ہوئی جاتی ہے مثلاً جیسے کمہار بغیر مٹی برتن نہیں بنا سکتا معذور ہے ایسے ہی خدا بھی بغیر مادہ اور روح کے کائنات کے بنانے میں معذور ثابت ہوتا ہے

بس ہمارا اطمینان ہو جاویگا۔ ورنہ خواہ مخواہ ویدوں کو حکمت کا جامہ نہ پہنائیے نہ قرآن پر دنہ آپئے
حیرت کی بات ہو کہ وید کہتا ہی کہ خدا اکیلا تھا دوسرا کچھ نہ تھا۔ آپ کہتے ہیں کہ رُوح مادہ بھی اسیلئے
ساتھ ساتھ ازلی تھی۔ وید کہتا ہے خدا نے پرا تو وغیرہ سب کچھ قدرت سے پیدا کئے اور عالم کو
نیستی سے ہستی میں لایا آپ وہ کہتے ہیں جو حکما اور پدارتھ ودیا نے کہا۔ اس کا علاج کیا کیا جاوے
کہ جب آپ اپنی کتاب الہامی پر بھی بھروسہ نہ کریں اور پدارتھ ودیا کے لکیر کے فقیر بنیں سوامی
جی کو چاہیے تھا کہ پدارتھ ودیا کے اصولوں کو وید سے مطابق کرتے نہ کہ وید کو پدارتھ ودیا سے مطابق کرنے کھڑے ہوئے

بابو۔" اچھا اگر علم سائنس والے مسلمانوں پر یہ ہی اعتراض کریں جو میں نے کیا تو کیا جواب ہوگا۔"

مرزا۔" اول آپ سے فرصت ہولے۔ پھر اُن کی حقیقت بھی کھول دیجاویگی۔ ابھی تو آپکے اعتراض
کے بعض جملے باقی رہے ہیں اُن کا جواب تو سُن لیجئے۔ ورنہ پھر غل مچاؤ گے کہ مسلمانوں سے
جواب نہ ہوسکا۔ اچھا آپکے بقیہ اعتراض کے الفاظ کا جواب میرے سوال کے ایک
جواب پر موقوف ہی وہ یہ کہ مواحد کس کو کہتے ہیں اور مشرک کی کیا تعریف ہی۔ تیسرے واجب الوجود
کی کیا تعریف ہے۔ چوتھے مواحد اچھا یا مشرک؟"

بابو۔" مشرک وہ ہے کہ جو پرمیشور کی ذات اور صفات میں غیر خدا کو شریک مانے مواحد وہ ہے
جو اُسے وحدہٗ لاشریک جانے۔ واجب کی یہ تعریف ہی کہ اُس کا وجود اُسکے لئے ضروری ہو اور وہ
قدیم ہو اور لامحدود غیر مخلوق ہو اور مواحد مشرک سے بہتر ہے بلکہ بہتر سے بہتر ہے۔"

مرزا۔" اچھا۔ آپ کی ان تعریفات سے ثابت ہوا کہ جو قدیم ہے وہ ہی واجب الوجود ہی اور وہ ہی
غیر مخلوق ہے چونکہ آپ سوائے خدا کے رُوح مادہ کو بھی قدیم غیر مخلوق کہتے ہو اسلئے روح مادہ بھی
قدیم غیر مخلوق واجب الوجود ہونے سے خدا کے شریک حال ہوئے اور رُوح مادہ کو یہ
خصوصیت آپنے عنایت کی یعنے خدا کا شریک آپنے مانا اور جو خدا کا شریک جانے وہ بقول
آپکے مُشرک تو بقول آپکے سب آریہ مُشرک ہوئے اور مواحد وہ ہی جو بقول آپ کے
خدا کو وحدہٗ لاشریک جانے اور مُسلمان سوائے خدائے پاک کے کسی غیر خدا کو قدیم اور

مگر وہ چیز وہ بھی نہیں بنا سکتے جس سے کلیں بنائی جاتی ہیں یعنے لوہا۔ لکڑی۔ تو اس صورت میں وہ گو ہندوستان والوں سے زیادہ قدرت رکھتے ہوں مگر اُن کو مہا شکتے مان نہیں کہہ سکتے۔ مہا شکتے مان وہ ہوگا جو کپڑا بھی بنا سکے اور کلیں بھی بنا سکے اور اُن کو بھی بنا سکے جو کلیں بناتے ہیں یعنے انسان اور وہ شے بھی بنا سکے جس سے کلیں بنائی جاتی ہیں یعنے لوہا لکڑی وغیرہ ورنہ پھر وہ مہا شکتے مان کیا ہوا۔ اسیطرح اگر تمام عالم کو خدا بناتا ہو اور وہ چیز نہیں بناتا جو ان کا مادہ ہو تو وہ خدا نہیں ہوسکتا وہ کچھ اور ہوگا۔ اسی لئے مسلمان جانتے ہیں کہ ہمارا معبود خداوند عالم جمیع نقصانات سے پاک ہے اور تمامی اوصاف حمیدہ سے موصوف اور متصف ہے نہ وہ زمانہ ہے نہ زمانی نہ مکان ہے نہ مکانی نہ جسم ہے نہ جسمانی وہ نہایت توانا قادر مطلق حی القیوم خالق رازق عالم ہے وہ سب کا حاکم ہے کسی کا محکوم نہیں سب اُسکے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں وہ کمال درجہ سمیع بصیر رحیم علیم ہے کسی شے کو اُسکے ساتھ مناسبت نہیں مادہ روح وغیرہ سب اُس کی مخلوق ہیں یَفۡعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَیَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ کا مصداق ہو اگر ایسا نہیں تو وہ خدا نہیں۔

خلاصہ یہ کہ مسلمان آریوں کی طرح خدا کے معذور ثابت کرنیکے درپے نہیں ہیں۔

بابو آریہ خدا کے معذور ثابت کرنیکے درپے کیوں ہونے لگے جوبات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی اُسکے سمجھنے والے ہیں۔ آپ یہ ہی ثابت کردیجئے کہ خدا قادر مُطلق ہے اگر قادر مُطلق ہے تو اپنے جیسا خدا بنا سکتا ہے یا اپنے کو اندھا بہرا کر سکتا ہے؟

مرزا یہ سوال سوامی دیانند سرستی مہاراج نے بھی ہم سے کیا تھا اور پہلے بھی کئی بار یہ ہی سوال دوسروں سے کر چکے تھے اور شاید کسی جگہ اُن کی کسی تالیف میں بھی یہ لکھا ہوا ہے جو جواب اُن کو دیا تھا وہ آپ بھی سُن لیجئے۔ ہم صرف اسیقدر کہتے ہیں کہ اگر خدا قادر مُطلق نہ ہوگا تو قادر مقید ہوگا۔ پھر یہ مقید کے لئے ایک مُطلق آپ کو ثابت کرنا ہوگا نہ ہم کو مثلاً ہم یہ ایک دائرہ بناتے ہیں ⊙ اور اُس کے اندر دوسرا چھوٹا دائرہ بناتے ہیں ہم قاعدہ یہی

یعنے اگر روح اور مادہ نہ ہوتا تو یہ دنیا ہی نہ ہوتی۔ پس جو معذور ہوگا وہ کیا خدا ہوگا۔ اس کو اور واضح طور سے سمجھو حکما کا قول ہے جس کی آپ بہت دلدادہ ہیں کہ صورت کا فیضان مادہ کی قابلیت پر موقوف ہوتا ہے پس اگر مادہ کو قدیم مانو اور مخلوق خدا نہ مانو تو یہ بھی تسلیم کرو کہ خداوند تعالیٰ نے مادہ کو جیسا قابل پایا اسکی قابلیت کے لائق ہی عالم کو اس سے بنایا جیسے کہ کمہار جس مٹی کو جس قابل دیکھتا ہے اُسی قابلیت کے موافق مٹی سے برتن بنانے کا ارادہ کرتا ہے یعنے اپنے ارادہ کو مٹی کی قابلیت پر موقوف رکھتا ہے کیونکہ کوئی کمہار ریتہ بھری مٹی سے مٹکا بنانا نہیں چاہتا۔ خلاصہ یہ کہ ارادہ کمہار کا موقوف اور مٹی موقوف علیہ ہے۔ اسی طرح ارادہ خداوندی آفرینش عالم کا اوپر قابلیت مادہ کے موقوف ہوا اور کسی ارادہ کا کسی چیز پر موقوف ہونا نشان عجز ہے ارادہ کرنے والا کا اس صورت میں خدا کا عجز لازم آیا۔ یا یہ کہو کہ اتفاق سے مادہ ہر طرح قابل خدا کے ہاتھ آگیا یعنے جیسا اُس کا ارادہ تھا اُسکے موافق قابل مادہ بھی مل گیا جیسے کسی ضرورت مند کو کوئی ایسا مال ہاتھ آجائے جو اُسکی تمام ضرورتوں کو پورا کرے۔ پھر اگر یہ ہے تو یہ امر بھی اتفاقی ہوا نہ ارادی اور اختیاری اور جو امر واجب کا ارادی اختیاری نہ ہوگا وہ واجب کو معذور ثابت کریگا اور واجب پھر واجب نہ رہے گا۔

ایک اور بات قابل غور ہے کہ تمام ہندو اور آریہ پرمیشور کو مہا سکتے مان کہتے ہیں جسکے یہ معنی ہیں کہ وہ سب سے زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ مثلاً کمہار مٹی سے برتن بناتا ہے تو اسکو صرف برتن بنانے کی قدرت ہے۔ مگر وہ چیز نہیں بنا سکتا جس سے برتن بنتے ہیں یعنے مٹی مگر خداوند تعالیٰ مٹی بھی بنا سکتا ہے اگر نہیں بنا سکتا تو مہا سکتے مان کیا ہوا پھر تو وہ اور کمہار برابر ہوئے۔ عالم موجودات میں جب ایک سے دوسرا زیادہ قوی اور صاحب قدرت دیکھا جاتا ہے تو اُن کو دیکھکر یہ خیال ہوتا ہے کہ ان سب سے زیادہ قوی قدرت والا پرمیشور ہے مثلاً ہندوستان والے کلوں سے کپڑا بناتے ہیں مگر وہ کلیں نہیں بنا سکتے اور یوروپ والے کپڑا بھی بناتے ہیں اور کلیں بھی بنا لیتے ہیں جن سے کپڑا بنایا جاتا ہے

خدا کا اور ارادہ ہمارا۔ دیکھو مکھی اپنے ارادہ سے اُڑتی ہے اور ہم ارادہ کئے سے بھی نہیں اڑ سکتے
اسلئے ارادہ کرنا بیکار ہے کہ اُڑنا کام ہمارا نہیں۔ اس مذکورہ قصہ سے ہمارے بیان کی مزید
تائید ہوتی ہے کہ آپ لوگ خدا کے معذور ثابت کرنے کے کسقدر درپے ہو گویا خدا آپکی ہی
کہ خدا کو عیوب سے پاک نہ مانیں گے نہ دوسرے کو ماننے دینگے اسی طرح روح مادہ کی وکالت
خواہ مخواہ کئے جاتے ہیں اور اُسکو خدا کے ساتھ ملائے جاتے ہیں بارہا جواب بھی دئے
گئے سمجھایا بھی گیا کہ آپ صاحبوں کی غلطی ہے خدا کی شان کے لائق نہیں کہ اُسکو عاجز
محتاج ثابت کیا جائے مگر ہرگز نہیں سمجھتے۔ اب کچھ لڑائی تو ہے نہیں یہ ہی کہا جاتا ہے کہ
آپ جانو آپ کا کام ہاں آپکے حق میں دُعا کیجاتی ہے کہ جس طرح خدا تعالیٰ نے ۳۳ کروڑ دیوتاؤں
اور بے تعداد معبودوں کی پرستش سے آپ کو بیزار کیا وہ خدا ہدایت فرمائے کہ آپ خالص
توحید کو بھی جانو اور جس طرح اُسکی ذات میں شریک مانتے تھے اور اب اُن شرکا کو خیرباد کہا
اسی طرح اُسکے اوصاف ذاتی کے فرضی شرکا کو بھی دُور سے سلام کرو گے

بابو ۔ سب کچھ کہا مگر کچھ اس کا بھی جواب ہے کہ روحیں اور مادہ جب نہ تھا تو کہاں سے آیا
کیونکہ جو چیز جہاں ہوتی ہے وہ ہی وہاں سے نکلتی ہے جو جہاں نہیں ہوتی وہ وہاں سے
برآمد ہی نہیں ہوتی جیسا کہ پنڈت لیکھرام صاحب نے کتاب تکذیب میں چند علوم متعارفہ لکھکر
قدم روح اور مادہ کو ثابت کیا ہے۔ مثلاً اسی طرح استدلال کیا ہے کہ اگر روحیں نہ تھیں تو وہ
ضرور کہیں بھی نہ ہوں گی اور بموجب علوم متعارفہ دو کے وہ اس عدم خانہ سے برآمد ہی
نہیں ہو سکتی ہیں کیونکہ جو چیز جہاں ہوتی ہے وہ ہی وہاں سے برآمد ہوتی ہے چونکہ اہل اسلام
روحوں کا موجود ہونا بیان کرتے ہیں تو اون کا پہلے ہی موجود ہونا ثابت ہوتا ہے ورنہ اب
بھی نہ ہوتیں یہاں وید کے اُس منتر سے بحث نہ کیجئے جو اوپر تردید میں نقل کیا ہے صرف
اسی کا جواب دیجئے ؟

مرزا ۔ یہ ضرور نہیں کہ علوم متعارفہ جو مخلوق سے متعلق ہوں اور عقل محدود انسانی کا نتیجہ ہوں

کے موافق اوپر والے دائرہ کو محیط اور اندر کے چھوٹے دائرے کو محاط کہتے ہیں۔ اب فرض کرو کہ
آپ اوپر والے محیط دائرہ کو بھی کہتے ہو کہ یہ محیط نہیں ہے بلکہ محاط ہے تو ہم آپ کے کہنے سے
مان لیتے ہیں کہ اچھا یہ بڑا بھی محاط ہے مگر ہم کو یہ حق ہے یا نہیں کہ آپ سے کہیں کہ دونوں پر
محیط دائرہ آپ ثابت کریں کیونکہ ہمارے کہے ہوئے محیط کو تو آپ محاط کہتے ہیں تو اس صورت
میں ضرور ہوا کہ اس محاط پر محیط آپ ثابت کریں اور ثابت نکر سکیں تو جس کو ہم محیط بیان
کرتے ہیں اُسی کو لابد محیط مانو اسی طرح جسکو قادر مطلق ہم کہتے ہیں اگر وہ قادر مطلق نہیں تو دوسرا
قادر مطلق آپ ثابت کرو۔ عام فہم مثال اسکی یہ ہے کہ زید خالد کو بکر کا چھوٹا بیٹا بیان کرتا ہے تو
ضرور ہے کہ وہ بڑا بیٹا بھی دکھلائے ورنہ خالد کو چھوٹا نہ کہے خالد کو چھوٹا کہنا ہی اس امر کو
مستلزم ہے کہ بڑا ثابت کرے۔

بابو:۔ "عجب استدلال ہے"

مرزا:۔ اگر اس استدلال کی غلطی حال استقبال میں آپ ثابت کر دیں گے تو ہم اپنی غلطی
قبول کریں گے اسوقت تو آپ سے کچھ جواب نہ ہو سکا اور آپ سے کیا خود سوامی جی مہاراج بھی سُنکر
چپ ہو رہے تھے۔ وہ بھی اسی قسم کے اعتراض کیا کرتے تھے جس سے عوام کو غلط فہمی ہو۔
ایکبار فرمایا کہ مسلمان جو کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے ارادہ اور مرضی سے دُنیا بنائی کیا تم بھی
مکھی کی ٹانگ اپنے ارادہ سے بنا سکتے ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ مکھی کی ٹانگ بنانے کی فرمایش ہمسے
کرنا بے معنے بات ہے یوں کہنا چاہیئے تھا کہ خدا اپنے ارادہ سے سب کچھ بنا سکتا ہے کیا تم بھی
اپنے ارادہ سے کچھ بنا سکتے ہو مگر مکھی کی ٹانگ بنانا چہ معنی دارد۔ مکھی اور مکھی کی ٹانگ بنانا خدا کا
کام ہے وہ اسکو اپنے ارادہ سے بنا سکتا ہے اور جو ہمارا کام ہے وہ ہم اپنے ارادہ سے کر سکتے
ہیں مثلاً کہو کہ مادر زاد اندھے کو تم آنکھیں دے سکتے ہو تو ہم کہیں گے کہ نہیں کیونکہ وہ ہمارا
کام نہیں۔ خدا کا کام ہے۔ اور اگر کہو کہ ہم کو اندھا کر سکتے ہو تو ہم کہیں گے کہ ہاں ابھی
اسی وقت غرض کہ جسکا جو کام ہے اس کے لئے .... اُسی کا ارادہ شرط ہے نہ یہ کہ کام

نہیں ہوتا غلطی نہیں تو اور کیا ہے"

بابو: اچھا حکماء بھی حدوث مادہ کے قائل نہیں ہوئے ہیں۔

مرزا: حکماء تو آریہ مذہب کے ہی قائل نہیں ہوتے ہیں پھر کیوں مانتے ہو حکماء کی پیروی کہاں تک کرو گے۔ اور اس امر کا کیا اطمینان ہے کہ حکما آیندہ بھی روح مادہ کو قدیم اور اُسکے امکان کو محال مانیں گے۔ حکماء نے اول خلا کو محال مانا تھا اب متاخرین حکمائے نے خلا کو ممکن مانا ہے پہلے حکماء نے چار عنصر خاک باد۔ آب آتش مجرد اور بسیط مانا تھا۔ اب حکماء ۶۴ بلکہ اس سے زیادہ عنصر مان رہے ہیں اور اربعہ عناصر کو بجائے بسیط کے مرکب کہتے ہیں اسلیئے مذہب میں حکماء کا قول کیونکر حجت ہو سکتا ہے"

بابو: کوئی اس سے واضح تر مثال دیجئے جس سے سمجھ میں آسکے کہ اس قسم کے قیاسات غلطی پر مبنی ہوتے ہیں"

مرزا: آپ اسی کو غور کیجئے کہ ایجاد عالم کے بعد جو سلسلہ قانون قدرت کا جاری ہے اسکے مطابق کوئی اصول اپنے ذہن سے قرار دیکر اُسکو ابتدائے آفرینش کے ساتھ متعلق کرنا غلطی ہے یا نہیں مثلاً اب قانون قدرت کے مطابق مرغ انڈے سے اور انڈا مُرغ سے پیدا ہوتا ہے اور تخم درخت سے اور درخت تخم سے پیدا ہوتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ ابتدا میں انڈا تھا یا مُرغ تخم تھا یا درخت جو ختیار کرو گے دور پیدا ہوگا اور دور عقلا کے نزدیک باطل ہے"

بابو: اب لُطف یہ ہے کہ کوئی دلیل صریح البطلان مادہ روح کی قدامت پر بھی پیش کیجئے وہ دلیل ایسی ہو جس سے یہ لازم آئے کہ سوائے خدا کے دوسری شے قدیم ہو ہی نہیں سکتی اُسکا انادی ہونا محال ہو جائے"

مرزا: دیکھو قدیم یا واجب الوجود میں تعدد ہو نہیں سکتا یعنے دو تین فرد واجب الوجود کے ہو نہیں سکتے کیونکہ اگر دو فرد بھی حقیقی واجب الوجود کے ہونگے تو ان دونوں میں اتحاد حقیقت

وہ خالق سے بھی متعلق ہوں اور اُسکی ذات اور صفات کے سمجھنے کا ذریعہ ہوں اور اگر آپکے نزدیک کل دعاوی علوم متعارفہ سے ثابت ہو سکتے ہیں تو ہم بھی آپ سے چند علوم متعارفہ بیان کرکے جواب لیتے ہیں۔ مثلاً پنڈت لیکھرام صاحب نے اپنی کتاب تکذیب کے صفحہ ۱۵ پر رگوید کا یہہ منتر نقل کیا ہے اُسکے پاؤں نہیں مگر بہت تیزی سے چلتا ہے اُسکے ہاتھ نہیں مگر کل عالم کو اُٹھائے ہوئے ہے اور بغیر آنکھوں کے اور بغیر کانوں کے سب کچھہ دیکھتا اور سنتا ہے اور کسی سمجھانے والے کا محتاج نہیں۔ پیدا کرنے والا بچانے والا اور کل اشیا کی صورت پلٹنے والا وہی ہے۔ اب سمجھائیے کہ بغیر آنکھ کیونکر دیکھتا ہوگا اور بغیر کان کیونکر سُنتا ہوگا اور بغیر ہاتھ عالم کو کیونکر اُٹھائے ہوئے ہوگا سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر یہی کہنا ہوگا کہ خدا کی ذات اور صفات سمجھنے کے لئے یہ ضرور نہیں ہے کہ انسان اُسے اپنے پر قیاس کرے اگر ہم انہیں باتوں کو علوم متعارفہ کی شکل میں بیان کرکے جواب لیں تو آپ کو کیسی مشکل پیش آئے۔ مثلاً جو آنکھ نہیں رکھتا وہ نہیں دیکھ سکتا۔ اور چونکہ آریہ کہتے ہیں کہ خدا کی آنکھ نہیں تو لامحالہ وہ دیکھتا بھی نہ ہوگا۔ موافق آپ کی علوم متعارفہ کے قس علیٰ ہذا اسی طرح سننے اور عالم کو اُٹھانے وغیرہ سے انکار کرنا ہوگا جبکہ کان اور ہاتھ خدا کے نہ بیان کئے جاویں گے۔ غور کیجئے کہ انسان ایک محدود جنۃ اور محدود عقل اور خیال کا۔ اُس ذات پاک کو جو لامحدود اور محیط کل ہے۔ ان قواعد سے جو اپنے واسطے بندہ ہیں کیونکر سمجھ سکے گا جب ایک انسان کو دوسرے انسان پر صحیح طور سے قیاس کرنا غلطی ہے اور ایک جانور کو دوسرے جنس کے جانور پر قیاس کرنا غلطی ہے تو کیسی بھول ہے کہ خدائے برتر اور پاک کو اور اُسکی صفات کو اپنے اوپر قیاس کرکے سمجھنا چاہتے ہو"

بابو۔ اسکا کیا مطلب ہے کہ انسان کو دوسرے انسان پر قیاس کرنا غلطی ہے الخ

مرزا۔ مثلاً کسی کمزور بیمار آدمی کو یہ دیکھکر کہ وہ پندرہ سیر وزن کی چیز نہیں اُٹھا سکتا۔ یہہ خیال کر لینا کہ دُنیا میں کوئی انسان بھی پندرہ سیر وزن نہیں اُٹھا سکتا غلطی ہے یا نہیں۔ یا خچر نر مادہ کو دیکھکر یہ حکم لگانا کہ کوئی نر مادہ جانور باہم جمع نہیں ہو سکتے اور اُن سے سلسلہ توالد تناسل

جملہ افراد غیر متناہیہ ممکن ہونگے دوم جملہ افراد غیر متناہیہ واجب ہوں گے سوئم بعض افراد غیر متناہیہ واجب اور بعض ممکن۔ اگر چوتھی صورت کوئی اور خیال میں آپکے آئی ہو تو وہ آپ بیان کردیں"

بابو:۔ "بس یہ ہی تینوں صورتیں خیال میں آتی ہیں"

مرزا:۔ اگر پہلی صورت ہی یعنے جملہ افراد غیر متناہیہ ممکن ہیں تو وہ مجموعہ بھی بہ حیثیت مجموعی ممکن ہوگا کیونکہ مجموعہ اور افراد میں ایسی مغائرت تامہ نہیں ہوسکتی کہ افراد کی حقیقت اور ہو اور مجموعہ کی اور ہو۔ پس جملہ افراد غیر متناہیہ کا سلسلہ ممکن ہوا تو بموجب تعریف ممکن ضرور ہی کہ اس کا وجود بواسطہ غیر ہو اب اگر وہ غیر واجب ہے تو فہو المراد اب اگر وہ غیر ممکن ہے تو یہ خلاف مفروض ہے کیونکہ مجموعہ مذکورہ بالا میں جملہ افراد غیر متناہیہ داخل کرلئے گئے تھے کوئی اور فرد خارج نہ رہا تھا دوسری صورت میں جملہ افراد غیر متناہیہ کا واجب ہونا محال ہے کیونکہ یہ سلسلہ علت و معلول کا فرض کیا گیا ہے اور واجب معلول ہو نہیں سکتا۔ تیسری صورت میں بھی مدعا حاصل ہی کیونکہ جب اس سلسلہ میں واجب نکلا تو سلسلہ اُسپر ختم ہو جاویگا اور غیر متناہی نہ رہیگا۔ خلاصہ یہ کہ عدم متناہی سلسلہ علت و معلول سے ثبوت واجب الوجود میں کچھ مشکل پیش نہیں آتی۔

بابو:۔ مسلمان کہتے ہیں کہ خدا نے اپنے میں سے اس عالم کو بنایا۔ چنانچہ مولوی محمد قاسم صاحب نے ایک موقع پر کہا کہ مادہ صفت وجود خداوندی ہی اور مخلوقات کی ہستی اور اُسکے وجود کی اصل خدا ہی کا وجود ہی۔ اسپر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ جس طرح سونے سے جو زیور بنائے جاتے ہیں وہ سونے کے ہوتے ہیں۔ اسیطرح جو چیز خدا سے بنی ہوگی وہ بھی خدا ہوگی۔ دوسری مخلوق بُری بھلی سب طرح کی ہی اگر مخلوقات کے وجود کی اصل خدا کو مانا جائے تو یہ بھی ماننا جاویگا کہ خدا میں بھی بُرائی ہے۔ ورنہ وہ بُرائی پھر کہاں سے آئی کیونکہ جب خدا مصدر ہوا اور مخلوق مشتق۔ تو جو مشتق میں ہوگا وہ مصدر میں بھی ہوگا۔

مرزا:۔ علمائے اہل اسلام جو اسباب میں کہتے ہیں اُسکے سمجھنے کو بہت بڑی سمجھ درکار ہے ہر شخص کا کام نہیں کہ اُسکو سمجھ لے"

واجب ہونا ضرور ہے ورنہ وہ واجب کے فرو نہ ہونگے۔ اِس امر کو تسلیم کرتے ہو یا نہیں"

بابو" ہاں یہہ ضرور قابل تسلیم امر ہے"

مرزا" اچھا دوسری بات یہہ ہے کہ جہاں دو چیزیں کسی امر میں متحد ہوتی ہیں تو اُن میں کوئی امر مابہ الغیر بھی ہوتا ہے جو مقتضئے تعدد اور دوئی ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر دو چیزوں میں جمیع الوجوہ اتحاد ہو تو تعدد اور دوئی نہ ہو پس اِس صورت میں واجب الوجود کے افراد مفروضہ میں کوئی امر مابہ الغیر بھی ہوگا جس سے ایک کو دوسرے سے علیحدہ تمیز کیا جا سکے۔ فرماؤ اس کو بھی مانا یا اِس سے انکار ہے"؟

بابو" اِس سے کیونکر انکار ہوسکتا ہے"

مرزا" اچھا اِس امر پر غور کرو کہ اگر وہ باعث غیریت کوئی امر عارضی ہے جسکو واجب کے ذات میں کچھ دخل نہیں تو حقیقت واجب کا ایک امر خارجی اور عارضی پر موقوف ہونا لازم آئیگا تو اس صورت میں واجب واجب نہ رہیگا اِسلیئے کہ بیرونی بات کو ذات واجب میں کیا دخل ہے۔ اور اگر وہ باعث غیریت کوئی امر ذاتی ہوگا تو وہ ضرور ایک امر ممیز ہوگا جو ایک کو دوسرے سے جُدا اور ممتاز کردے تو لامحالہ ہر واجب مرکب ہوگا ایک امر مشترک مابہ الاتحاد۔ اور ایک امر ممیز مابہ الافتراق سے۔ اسلیئے ہر واجب محتاج ہوگا اپنے وجود میں دونوں اپنے جزو کا یعنے امر مشترک و امر ممیز کا پھر واجب واجب کیونکر ہوگا کیونکہ ترکیب لوازم امکان سے ہے آپ بھی مانتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہر واجب کی حقیقت متباین ہوگی اور فرض یہہ کیا گیا تھا کہ دونوں ایک حقیقت کے فرد ہیں"

بابو" مگر دہریوں کا کیا جواب ہے کہ وہ ایک شے کی علت دوسری شے کو جانتے ہیں اور بعض دور تسلسل کے قائل ہیں"؟

مرزا" سلسلہ علت و معلول کا غیر منتہا ہے نہیں ہوسکتا یہ ایک دعویٰ ہے دلیل یہ ہے کہ کہ سلسلہ غیر متناہی کے کل افراد بحیثیت مجموعی تین صورتوں سے خالی نہیں ہوسکتے اوّل؟

ثابت کیا ہے کہ سوامی جی کی تاویل کی اسمیں گنجایش نہیں ہے وہ اسکو انوکھی تاویل ثابت کرتا ہو
دیکھو تحفہ آریہ سماج صفحہ ۲۵

غور کرو کہ کسقدر صاف اور واضح طور سے اس منتر مذکورہ بالا میں اور مکڑی کی مثال سے مولوی محمد قاسم صاحب کے قول کی تائید ہے۔ دوسرے یہ کہنا ہے کہ مخلوق کی بُرائی سے خدا میں بُرائی آتی ہے درست نہیں۔ مولوی صاحب مرحوم کا یہ قول ہے کہ مخلوقات کو خداوند تعالیٰ کے وجود کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسے دہوپوں کی تقطیعات (مختلفہ کو جو روشندانوں کی شکلوں اور صحن خانوں کے پیمانوں کے مطابق ہوا کرتے ہیں) آفتاب اور اُس کی شعاعوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی مثلث شکل کی دہوپ ہوگی تو بیشک اُسکے تینوں زاوئے ملکر دو قائموں کے برابر ہوں گے اور اُس کے دو ضلع ملکر تیسرے ضلع سے بڑے ہونگے مگر دراصل ان باتوں کو ذات آفتاب اور اُسکے اصل نور تک رسائی نہیں ہے۔ کیونکہ آفتاب اور اُسکے نور میں نہ زاویہ نہ ضلع جو یہ احکام انہیں جاری ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس مخلوقات کی تقطیعات کی احکام خداتعالیٰ اور اُسکی وجود تک نہیں پہنچ سکتے نہ کسی کی بُرائی سے خدا میں بُرائی لازم آتی ہے یعنی فاعل کے احکامات تو مفعول تک جاسکتے ہیں مگر مفعول کے احکام فاعل کی طرف نہیں آتے۔ یہی وجہ ہے کہ نور آفتاب سے پیخانہ پیشاب روشن ہوجاتے ہیں مگر پیخانہ پیشاب نور آفتاب کو ناپاک بدبودار نہیں کرسکتے۔ غرضکہ ارادہ ایجاد خداوندی سے مخلوقات موجود ہوجاتی ہیں اُسکے ارادہ فنا سے مخلوقات فنا اور معدوم ہوجاتی ہیں جیسے دہوپوں کا مادہ وہ نور آفتاب ہے جو اُس سے لیکر دُور تک پھیلا ہوا ہے اور تمام زمین و آسمان کو اپنی آغوش میں لئے ہوتے ہے۔ ایسے ہی تمام مخلوقات کی ہستی کا باعث خدا کا وہ وجود ہے جو تمام کائنات کو محیط ہے اور سب کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے جیسے دھوپوں کی روشنی کی اصل آفتاب کا نور مذکور ہے اور دھوپوں کی اشکال مختلفہ مربع مثلث منحرف دائرہ وغیرہ

بابو ۔ جب بہت بڑی سمجھ ان مسائل کے سمجھنے کو درکار ہے اور اکثر مسلمان علم و عقل نہیں رکھتے تو لازم آیا کہ وہ ایمان بھی نہیں رکھتے ہوں گے"؟

مرزا ۔ اِس مسئلہ کا اور اس قسم کے دوسرے مسائل حکمیہ کا سمجھنا سمجھانا مذہب اِسلام میں شرط ایمان نہیں ہے نہ مسلمانوں کا ایمان اسپر موقوف ہے کہ جب مادہ کی حقیقت سمجھ لیں تب مسلمان ہوں جو قوم بڑے فخر سے ان مسائل کا سمجھنا داخل ایمان یا جزو ایمان جانتے ہے اور رات دن اسی بحث میں سرگردان ہے اُس کی مشکل ہے کہ وہ اِن مسائل کے سمجھنے میں پریشان ہے اور ہرگز مطمئن نہیں ہے اور یہ آپ بھی تسلیم کرتے ہو کہ ہر فرد بشر کو برابر کا علم و عقل نہیں ہوا کرتا جو ان مسائل کی حقیقت کو سمجھ سکے اور جب اطمینان کے واسطے سمجھنا شرط ہوا اور مذہب کے لئے اطمینان تو اسی صورت میں جہاں یہ دونوں شرطیں مفقود ہوں اُس قوم کی ہر فرد بشر کے ایمان کا خدا ہے حافظ ہے خواہ وہ قوم آپ کی ہو یا کوئی اور مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم کے قول کو پورا سمجھ لوگے تو یہ اعتراض نہ کروگے ۔ اَب سونے چاندی کے برتن تو بعد میں بنانا پہلے صفحہ ۲۷۹ سطر ۵ سے تا رتھ پرکاش سوامی دیانند صاحب کے سوال و جواب دیکھ لیجئے جہاں لکھا ہے کہ ویدانتی لوگ صرف پرمیشور ہی کو دُنیا کی مشترک علت فاعلی اور مادی مانتے ہیں۔

اونشد کا قول ہے جس طرح مکڑی باہر سے کوئی شئے نہیں لیتی اپنے ہی اندر سے ریشہ نکالکر جالا بنا کے خود اُس میں کھیلتی ہے اسی طرح برہم بھی اپنے اندر سے دُنیا کو بنا کر اور خود دُنیا کی صورت اختیار کر کے اپنے آپ کھیل رہا ہے اُس برہم نے خواہش کی آرزو کی کہ میں عالم کثرت میں آؤں یعنے بہ شکل × عالم بن جاؤں ارادہ کرتے ہی وہ دُنیا کی صورت بن گیا الخ۔

اِس بحث کے سلسلہ میں جو سوامی جی مہاراج نے تاویل یا حجت کی ہے اُس کا جواب بھی بابو جگدمبا پرشاد ورما نے خوب دیا ہے اور پورا منتر نقل کر کے اور اگلے پچھلے مضامین کو دکھلا کر

یہ بھی کہ ان پیدا شدہ شکلوں کو خدا کی ذات میں دخل نہیں ہے یہ عجیب بات ہے۔
(مرزا) یہ کلیہ ہے کہ پیدا شدہ چیزوں کا پیدا کرنے والے کی ذات میں عدم ہوتا ہے اگر اس مسئلہ کو نہیں مانتے تو اس کے خلاف ثابت کرو۔ ہم تو آفتاب کے مثال میں بیان کر چکے کہ جو شکلیں آفتاب کی وجہ پیدا ہو جاتی ہیں انکا وجود آفتاب میں نہیں پایا جاتا ہے آپ اسکو ثابت کردو کہ ذات آفتاب میں اشکال مربع مستطیل وغیرہ جو آفتاب کی وجہ زمین پر پیدا ہو جاتے ہیں وہ آفتاب میں ہوتی ہیں تو ہم اور ہماری مثال غلط ہو گی۔
(بابو) مسلمان مانتے ہیں کہ دنیا اور مادہ سب حادث ہیں اور ہم عالم کو اور اسکے مادہ کو انادی مانتے ہیں اگر بقول مسلمانوں کے خدا نے دنیا کو کسی زمانہ مابعد میں پیدا کیا تو ضرور ہے کہ عبث تو نہ پیدا کیا ہوگا کسی ضرورت سے اور غرض سے پیدا کیا ہوگا اور وہ غرض اور ضرورت احتیاج کو ثابت کرے گی۔ یعنی خدا میں کچھ کمی یا نقصان تھا جسکے پورا کرنے کو دنیا پیدا کی +
(مرزا) مادہ کو آپ قدیم مانتے ہو مگر ترکیب عالم کو تو آپ بھی انادی قدیم نہیں مانتے بلکہ حادث مانتے ہو +
(بابو) ہاں ترکیب عالم کی حادث ہے اور انادی نہیں ہے۔
(مرزا) پھر فرماؤ کہ اس ترکیب عالم سے خدا کی کیا غرض تھی روح مادہ کو جو قدیم انادی تھی ان کو اونکی جگہ کیوں نہ پڑا رہنے دیا اس ترکیب عالم سے جو حادث ہے خدا نے اپنی کس کمی کو اور نقصان کو پورا کیا۔ مثلاً کمہار کی مٹی پہلے سے ہے بلکہ کمہار سے بھی پہلے۔ وہ ترکیب دیکر برتن بناتا ہے اور اپنی ضرورت اور غرض پوری کرتا ہے اسی طرح اس ترکیب سے خدا کی کوئی غرض اور ضرورت پوری ہونی چاہیئے ورنہ فعل عبث ہے۔
(بابو) اچھا جب مخلوق نہ تھی تو خدا اسکا خالق تھا۔
(مرزا) یہ ایک وسوسہ ہے جو آریہ صاحبوں کے ذہن نشین ہے در اصل غور کرو گے

موافق تقطیعات صحن و روشندان وغیرہ باہم عارض ہو جاتے ہیں ایسے ہی مخلوقات کی ہستی اور وجود کی اصل تو خدا کا وجود مذکور ہے پر اشکال مختلفہ مخلوقات جنکے وسیلہ سے ایک کو دوسرے سے تمیز کر سکتے ہیں موافق علم خداوندی اوسپر عارض ہو جاتی ہیں غرض جیسے کشتی اور کشتی میں بیٹھنے والوں کی حرکت تو ایک ہوتی ہے پر کشتی اور کشتی میں بیٹھنے والے باہم مغائر ہوتے ہیں کشتی اور ہے اور کشتی نشین اور پھر میں اور ہوں اور تم اور ایسے ہی خداوند عالم اور عالم کا وجود تو واحد ہے پر خدا اور ہے اور عالم اور ہے میں اور ہوں اور تم اور ہو۔ خلاصہ یہ کہ جیسے نور مذکور اور حرکت مذکور دونوں طرف منسوب ہے آفتاب اور کشتی کی طرف انتساب اولی اور ذاتی اور حقیقی ہے اور زمین اور کشتی نشین کی طرف انتساب وقوع اور انتساب ثانوی اور عرضی اور مجازی بس مولوی محمد قاسم صاحب کی یہ تحریر دیکھتے ہوئے وہ شبہات باقی نہیں رہتے کہ سونے سے جو برتن بنائے جاتے ہیں وہ سونے کے ہوتے ہیں نہ یہ کہ مخلوق کی برائی سے خالق میں برائی کا ہونا لازم آتا ہے کیونکہ زمین پر جو اشکال مربع مدور موافق کمی بیشی روشندانوں وغیرہ کی آفتاب کیوجہ سے پیدا ہوتی ہیں انکی نسبت یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ شکلیں آفتاب سے نکلی ہیں اور صادر ہوتی ہیں بلکہ یوں کہتے ہیں کہ آفتاب کے سبب پیدا ہو گئی ہیں آفتاب طلوع نہ ہوتا تو یہ شکلیں پیدا نہ ہوتیں ایسے ہی حقایق مخلوقات یعنے اون کے اشکال ممیزہ خواہ ظاہر ہوں جیسے حقایق اجسام یا باطنہ جیسے حقایق ارواح خدا کی ذات سے صادر ہو کر اور اس سے نکلکر نہیں آئیں جو اون کو مشتق کہا جائے اور خدا کو مصدر بلکہ خداوند عالم کی ذات کے بدولت یہ تمام حقایق پیدا ہو گئے ہیں اگر وہ ارادہ ایجاد نکرتا تو یہ کارخانہ پردۂ عدم سے جلوہ گاہ وجود میں نہ آتا اور اس صورت میں حقایق کی بھلائی برائی بھی خالق کی بھلائی برائی کا باعث نہ ہوگی وہ اشکال ہی بھلی بُری کہلائیں گی +

(ربالو) خداوند عالم کی ذات کی بدولت یہ تمام موجودات پیدا ہونا بھی آپ بیان کرتے ہیں اور

بابت سوال کریں تو کہو مجمل جواب کہ خدا کا حکم یا حکمت اس سے بھی ثابت ہے کہ روح امادی ہے مگر سمجھنا آسان نہیں تھا اسواسطے خلقت کو حیرانی میں ڈالا صریحًا ثابت ہے کہ جب سے حاکم ہے تب سے حکم ہے۔

(مرزا) ذرا سمجھ کر گفتگو کرو خود ہی کہتے ہو کہ مجمل جواب ہوا پھر خود ہی کہتے ہو کہ اس جواب سے صریحًا ثابت ہے جس کا مطلب صریحًا ثابت + ہو پھر کیا وہ بات بھی مجمل ہو سکتی ہے اور جب بقول آپ کے صراحت کے ساتھ ثابت ہے تو خلقت کی نافہمی ہے کہ جو حیرانی میں پڑی ہے اور یہاں خدا نے لفظ امر فرمایا ہے (حکم) کا لفظ نہیں فرمایا۔ اور امر سے مراد وہ ہے عالم امر ہے انصاف سے دیکھو کہ قرآن مجید کا یہ جواب کہ روح امر رب ہے کیسا جامع اور حاوی جواب ہے جس سے کسیکو انکار نہیں ہو سکتا قبل ظہور اسلام صدہا برس سے حکما متقدمین اور متسلین مذہب اس میں بحث کر رہے تھے اور روح کی حقیقت دریافت کرنے میں پریشان اور سرگردان تھے قرآن نے ایک ایسا لفظ فرما کر سب کو مطمئن کر دیا کہ پھر سوال کرنے والوں نے نہ کوئی حجت کی اور نہ اب کسی موافق مخالف کو جائے دم زدنی ہے چنانچہ اسی جواب سے بالتصریح آپ نے بھی روح کے متعلق اپنا مطلب سمجھ لیا۔ گو سمجھنے میں کچھ جزوی غلطی رہ گئی۔ اب اگر کوئی کہے کہ یہہ جواب جو قرآن نے دیا کافی نہیں ہے تو وا اپنی دینی الہامی کتاب سے روح کی حقیقت اور ماہیت اور کیفیت بیان کرے اور سمجھا دے دیکھیں وہ کیا سمجھاتا ہے۔ اور آپ بھی وید کی عبارت بیان کیجئے جو روح کی بابت ہو +۔

(بابو) گیتا میں بیاس جی نے روح کی تعریف اس طرح کی ہے کہ اسلحہ اوسکو کاٹ نہیں سکتا۔ آگ اوسکو جلا نہیں سکتی۔ پانی اوسکو بھگو نہیں سکتا۔ اور ہوا اُسکو خشک نہیں کر سکتی کیونکہ وہ مفرد لطیف اور زندہ ہے جیسے باصطلاح حکما بسیط کہتے ہیں

تو معلوم ہوگا کہ صفت اور شے ہے اور صفت کا ظہور اور تعلق اور شے ہے ۔ مثلاً ایک شخص شہ زور ہے اوس کی طاقت اوسکی صفت ہے جو اوس میں موجود ہے جب اسکی وہ طاقت ظاہر ہوگی تو اس صفت کا ظہور بالفعل ہوگا مگر طاقت ظاہر ہونے سے اول یہ طاقت اس میں بالقوی موجود تھی اس سے انکار نہیں ہو سکتا اور کسی طرح بھی یہ لازم نہیں آتا کہ طاقت کا عدم اسکی ذات میں ہو اسی طرح خداوند عالم میں خالق ہونے کی قابلیت اور صلاحیت انادی ہے جب مخلوق پیدا کی تو اس صفت کا ظہور ہوا مگر صفت خلاقی کا مخلوق سے پہلے اوسکی ذات میں عدم نہ تھا یعنی جب مخلوق نہ تھی تو وہ بالقوی خالق تھا اور مخلوق ہونی بعد بالفعل خالق مانا گیا اس میں خرابی کیا ہے +

(بابو) خرابی یہ ہے کہ خلاقی کی صفت اس صورت میں حادث ہوگی ۔

(مرزا) یہ دوسرا وسوسہ ہے ۔ صفت کیونکر حادث ہوگی ہاں صفت کا تعلق جو بالفعل مخلوق سے ہوا وہ البتہ حادث ہوگا اور صفت قدیم کی قدیم رہے گی جس طرح چاہو سمجھ لو دوسرے ہمارا یہ خیال ہے کہ خالق مخلوق میں حاکم محکوم میں نسبت فاعل و مفعول کی ہے نہ علت و معلول کی ۔ علت و معلول کی نسبت اضطراری ہے اور فاعل و مفعول کی اختیاری فاعل وہ ہے جس سے فعل معہ ارادہ علی سبیل الاختیار صادر ہو اور علت و معلول کا اس طرح ہے کہ معلول ہو تو علت بھی ہو اور علت ہو تو معلول بھی ضرور ہو ۔

(بابو) میرا خیال ہے کہ قدم مادہ پر اور اس کے متعلقات پر ایک اچھی پوری بحث ہو چکی ہے اب اسکو چھوڑکر چند سوال روح کے متعلق کرنا چاہتا ہوں ۔

(مرزا) بہتر ہے ۔ جو میری سمجھ ناقص میں جواب آئے گا وہ پیش کروں گا یہ تو میں اور آپ سمجھے ہوئے ہیں کہ نہ ان سوالوں پر سوال تمام ہوں گے نہ ان جوابوں پر جواب کا خاتمہ ہوگا ۔

(بابو) سورہ بنی اسرائیل میں ہے یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ یعنی اے محمد اگر تجھسے روح کی

خاطر حزیں کی تسکین ہو جاتی تو آپ ہی اُس وقت میرے سوال کا جواب پُورا نہ دیتے مجھے یوگ شاستر منگانے کی کیوں صلاح دیتے اور جب یوگ شاستر کی عبارت آپ خود ہی پڑھ کر بھول گئے کہ جو اس وقت یاد نہیں آئی تو وہ عبارت مجھے کیوں یاد رہنے لگی۔ اور کیا اب۔کل۔ دعاوی یوگ شاستر سے ثابت کئے جاویں گے اور وید سے قطع نظر کیجئے گا۔ یہ بھی خبر ہے کہ وکیل کے دولتمند ہونے سے موکل کے دعوے کی ڈگری نہیں ہوا کرتی اسی بھروسے وید کا مقابلہ قرآن مجید سے کرنے بیٹھے تھے کہ لگے اب شاستر تلاش کرنے۔ میری رائے میں تو جب سوائے وید کے دوسری کتاب سے اسکے اثبات کی ضرورت ہے تو کسی یونانی حکیم کی تقریر سے ثبوت دیجئے اُس میں بحث کی زیادہ گنجایش ہوگی۔

جب میکدہ چھٹا تو رہی + کیا جگہ کی قید
مسجد ہو مدرسہ ہو + کوئی خانقاہ ہو

ورنہ پھر شاستروں کی تعریف کے موافق اعتراض میں پڑجاؤگے“

بابو ”ذرا انصاف کیجئے کہ قرآن نے روح کے متعلق مفصل طور سے کچھ نہیں سمجھایا ایک معمولی سی بات کہدی اور آگے چلکر یہ کہدیا کہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا یعنے نہیں دیا گیا تم کو علم مگر تھوڑا۔ اس کی تفسیر میں مفسر تفسیر حسینی نے لکھا ہے کہ علم روح مخصوص ہست بہ علم خدائے تعالیٰ و غیر حق تعالیٰ کسی بدو دانا نیست ہم پوچھتے ہیں کہ جب خدا کے سوا روح کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا تھا تو اتنا بھی کہنا کیا ضرور تھا کہ روح حکم ہے یا حکمت اسیقدر جواب کافی تھا کہ تم روح کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے اسلیئے ہم جواب نہیں دیتے“[1]

مرزا ”میں تو انصاف کر رہا ہوں خدا کرے کہ آپ بھی دل میں انصاف کرو اور ناحق کے اعتراض سے زبان بند کرو۔ یہ کہنا کہ معمولی سا جواب قرآن نے دیا

[1] یہ عبارت لیکھرام صاحب کی ہے۔

(مرزا) اس تعریف سے معلوم ہوا۔ کہ باد آب آتش سے روح اثر پذیر نہیں مگر خاک شاید روح کو کہا سکتی ہے کیونکہ خاک کا ذکر نہیں کیا۔ اور گو اسلحہ روح کو نہ کاٹ سکیں مگر پتھر سے روح کچلی جا سکتی ہے اور پھانسی دینے سے اُسکا ناش ہو سکتا ہے"

بابو:- یہ کہاں سے ثابت ہوا؟"

مرزا:- اس بیاس جی کی تعریف سے بلکہ کوئی ظریف طبع ہو تو وہ اس تعریف کو سُنکر یہ ہی کہہ سکتا ہے کہ روح کو چوہا اور گلہری بھی کتر سکتی ہے اور بیاس جی مہاراج کیا کریں جبکہ وید میں اس مشکل مسئلہ کی نسبت کچھ نہ کہا گیا ہو"

بابو:- یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ وید نے روح کے متعلق کچھ نہیں کہا۔

مرزا:- اس لئے کہ قرآن کے مقابلہ میں وید کی عبارت باوصفِ طلب آپ پیش نہ کر سکے اور پیش کیا تو بیاس جی کو اور وید میں کچھ ہوتا تو بیاس جی کو بھلا اس تعریف کی کیا ضرورت ہوتی۔ باقی روح کو مجرد اور بسیط کہنا یہ آپ کا حاشیہ ہے یہ وہی مثال ہے کہ مُدعی سُست اور گواہ چست"

بابو:- [1] اس ایک آیت وہمی کے سوا قرآن میں بھی روح کے متعلق کوئی اور آیت نہیں ہے"

مرزا:- جب قرآن کی اس ایک آیت سے صریحًا مطلب ثابت ہو گیا تو دوسری آیت کی کیا ضرورت رہی۔ اور جس الہامی کتاب میں ایک آیت کی مقدار بھی کچھ نہ ہو سکا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ اور اس آیت کو وہمی کہنا اُس وہمی[2] کا کام ہے جو اول اُسی آیت سے صریحًا مطلب ثابت ہونا تسلیم کر چکا ہے۔ کیونکہ صریحی اور بدیہی ہم معنے لفظ ہیں اور جو بدیہی ہو وہی تصدیقی اور تصدیقی کا اذعان محتاج غور و تامل نہیں ہوتا کسی پڑھے لکھے سے دریافت کر لو"

بابو:- زیادہ[3] اطمینان اور تنقیح کی ضرورت ہے تو یوگ شاستر منگا سیئے اور خاطر حزیں کی تسکین فرمائیے"

مرزا:- آپ نے یوگ شاستر منگا کر دیکھا تو کیا فائدہ اُٹھایا اگر یوگ شاستر سے آپکی

---

[1] یہ عبارت لیکھرام صاحب کی ہے دیکھو تکذیب [2] جواب میں سخت بات کو صرف دوہرا دیا گیا ہے اور معترض کے صریحی کہنے کو [illegible]

پھر رگ وید میں یہ کیوں کہا گیا ہے کہ پرماتما کمال صدق وعین مسرت ہے وہ واحد حقیقی ہی نہ زبان کو اُس کے بیان کی طاقت ہے اور نہ عقل کو اُس کی ادراک کی قدرت الخ (دیکھو تکذیب صفحہ ۱۵)

بابو: "مسلمان نجات ابدی کے قائل ہیں یا نہیں؟"

مرزا: ہاں قائل ہیں۔

بابو: چونکہ نجات کا خاص تعلق روح سے ہے اِسلیئے رُوح بھی ابدی ہوئی اور آپ رُوح کو ممکن ثابت کرتے ہیں اور ممکن وہ ہے جسکے اوّل میں عدم ہو اور بعد میں بھی عدم ہو جیسا کہ سوامی درشانند جی نے لکھا ہے کہ ابدی شے ممکن نہیں ہو سکتی کیونکہ ممکن کے دونوں جانب عدم ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے رُوح کو ابدی مانا جاوے تو ازلی بھی ماننا جاویگا کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شے ابدی ہو اور ازلی نہو اس لیئے کہ ایک حد والی شے کوئی دیکھی نہیں گئی اور ایک کنارہ والا دریا بھی نظر نہیں آتا۔

مرزا: آپنے اور سوامی درشانند جی نے کس سے معلوم کیا کہ ممکن کے دونوں جانب عدم ہوتا ہے آپ اوپر تو یہی رُوح مادہ کی بحث میں پارلند ودیا والوں کے قول کے موافق اور پنڈت لیکھرام صاحب کے مجوزہ علوم متعارفہ کی بنا پر یہ کہہ آئے ہیں کہ کوئی شے عدم خانہ سے برآمد ہوتی ہی نہیں اور عدم سے عدم ہی نکل سکتی ہی دیکھو اوپر کی بحث اور آپ کا شروع سوال۔ اور اب یہاں سوامی درشانند جی کی تحریر کے موافق اِس امر کے قائل ہو کہ ممکن وہ ہے کہ جسکے اوّل آخر عدم ہو یعنی جو شے عدم سے وجود میں آئے وہ ممکن ہے۔ واہ واہ کیوں نہو آخر حکمت و فلسفہ تو آپکے بائیں ہاتھ کا داؤں ہے جو چاہا کہا اور جس طرح چاہا استدلال کیا۔ ہمارا تو اس سے بھی نقصان نہیں ہی کہ جو تعریف آپ نے کی ہے بلکہ ہمارا عین مُدعا یہ ہی ہے کہ سوائے ذات باری سب مخلوق اور ممکن ہیں۔ مگر اب بات بحث میں آپڑی ہے اور آپ کو

روح کے متعلق کچھ تفصیلی جواب نہ دیا عجب بات ہی۔ اگر غیر معمولی جواب قرآن دیتا تو آپ کے سوا
اوروں کو بھی اعتراض ہوتا ابھی تو صرف آپ کو ہی اعتراض ہے اور تفصیلی جواب قرآن کیوں
دیتا جب اسی جواب سے صریح مطلب سمجھ لیا گیا۔ +

اور یہ کہنا کہ اتنا بھی خدا نے کیوں جواب دیا یہ اسلئے دیا کہ سوال کیا گیا تھا جواب
دینا ضرور تھا۔ مثلاً تمھارا خدمتگار تم سے دریافت کرے کہ زاویہ کیا چیز ہے اور تم اُس کو
جواب دو کہ زاویہ کونہ کو کہتے ہیں اور کوئی کہے کہ یہ جواب کافی نہ تھا۔ زاویہ کے متعلق جو کچھ
علم ریاضی میں بیان کیا گیا ہے وہ سب کیوں نہ بیان کیا تو اُسوقت تم کو یہی کہنا پڑے گا
کہ دریافت کرنے والے کی سمجھ کے لائق جواب دیدیا گیا اور حقیقت میں اسیقدر جواب
دینا ایس تھا مگر نہ یہ کہ اتنا بھی جواب نہ دیا جاتا۔ اور اگر خداوند تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ تم کو علم تھوڑا دیا
تو یہ مطابق واقع کے ہے حقیقت میں کسی انسان کو خدا کے برابر علم نہیں ہے نہ کوئی انسان
یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ ہم کو بہت علم دیا گیا ہے اگر کوئی آریہ صاحب یہ دعویٰ کریں کہ ہم کو بہت
علم دیا گیا ہے تو ہم اُن کے بہت علم کی حقیقت بیان کردیں گے۔ اور مفسر تفسیر حسینی کا یہہ
لکہنا کہ روح کا علم سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسیکو نہیں ہی۔ کیا جھوٹ ہے اسلئے کہ
جس کسی نے روح کی حقیقت۔ ماہیت۔ کیفیت وغیرہ بیان کرنا چاہی اُس سے کچھ بھی بیان
نہ ہوسکی آپ کی بیان کی ہوئی تعریف کی حقیقت تو اوپر ظاہر ہوگئی حکماء نے جو کچھ لکھا اُس کا
بھی کچھ نتیجہ نہ نکلا وہ مختلف مباحثات موجود ہیں اور محض غیر منتج +

بابو۔ مگر خدا نے تھوڑا علم کیوں دیا اتنا علم کیوں نہ دیا کہ مشکل مسائل کو ہم سمجھ سکتے آخر
اُس کو اسکی قدرت تھی کہ وہ ہر ایک فرد بشر کو مشکل مسائل کے سمجھنے کی لیاقت اور سمجھنے
کے لائق علم دیسکتا تھا نہ یہ کہ وہ یہ کہتا کہ تم کو تھوڑا علم دیا گیا ہے چُپ ہو رہو۔

مرزا۔ اگر مشکل مسائل کے سمجھنے کے لائق علم و عقل خدا دے سکتا تھا تو اوّل اپنی ذات
پاک کے سمجھنے کے لائق ہی علم امداد لگ دیا ہوتا کہ یہ سب سے زیادہ ضروری بات تھی۔ پھر

سلہ ہی لفظ کی بیر مکرر ہے۔

وہ ابدالاباد کا سکون ہے بشرطیکہ کوئی قوت اسکے سکون ابدی زمانی کے مانع نہ ہو۔ کیونکہ علم طبیعات والوں کا یہ مذہب ہے کہ جو اجسام متحرک ہیں وہ ہمیشہ متحرک رہیں گے اور جو ساکن ہیں وہ ہمیشہ ساکن رہیں گے۔ اور جس طرح حکما افلاک کو بہ لحاظ اُن کے امکان ذاتی کے قابل فنا جانتے ہیں وہاں انکی ابدیت زمانی کے بھی قائل ہیں اُن کے نزدیک گو امکان کا تقاضا فنا ہے مگر علت کے سبب سے سدا رہنے کے بھی قائل ہیں۔ پس مسلمان بھی رُوح کو ابدی زمانی کہیں تو کیا اعتراض ہے۔ یعنی روح جہاں ممکن اور حادث ہے وہاں ابدی زمانی بھی ہے اسلئے علت مستقلہ اس کو بھی فنا نہ کرے گی۔

بابو۔ ایک مولوی صاحب نے روح کو جسم لطیف اور جوہر اور ممکن مانا ہے۔ اگر روح جسم ہے تو روحانی نجات کا اسلام میں پتہ نہ چلے گا۔

مرزا۔ اسلام میں دو نو قسم کی نجات ہے۔ جسم لطیف کے اعتبار سے راحت اور آسایش جنت اور روحانی بہ اعتبار تقرب الٰہی۔

بابو۔ آریوں نے نجات کو کیا صاف واضح طور سے روحانی نجات مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ جس طرح پانی پانی میں مل جاتا ہے نیک لوگوں کی روحیں بھی اسیطرح پرماتما پرمیشور میں ملجاتی ہیں۔

مرزا۔ یہ طریقہ نجات قابل اعتراض ہے۔ روحیں خدا میں ملنے سے ذات خدا میں زیادتی لازم آتی ہے۔ کیونکہ پانی پانی ملتا ہے تو اُس کی مقدار بڑھ جاتی ہے دوسرے خدا میں رُوحیں ملنے سے خدا ہو جاتی ہوں گی۔ ایسی نجات اسلام میں نہیں مانی گئی کہ خلاف قیاس اور شرک ہے۔

بحث اثبات رسالت پر

بابو۔ ہم لوگ محمد صاحب کو رسول خدا نہیں مانتے اور آپ رسول خدا جانتے ہیں اور

بڑا دعویٰ فلسفہ دانی کا ہے اِس لئے عرض کرتے ہیں کہ ہر ممکن پر یہ تعریف صادق نہیں آتی۔ حکمار فلاسفہ نے افلاک اور عقول کو ممکن بالذات اور واجب بالغیر مانا ہے۔ اور وہ باوجودیکہ افلاک اور عقول کے امکان ذاتی کے قائل ہیں تو بھی اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ ان کے اول آخر عدم ہے کسی پڑھے ہوئے سے دریافت کر لیجئے کہ یہ ہمارا بیان صحیح ہے یا غلط اسی بنار پر کہا جاتا ہے کہ آپ مُسلمانوں کو فلسفہ کے نام سے نہ ڈرایا کیجئے۔ فلسفہ تو ان کے گھر کا غلام ہے دنیا سے مرے بعد اس نے بقاعدہ تناسخ انہیں کے گھر میں جنم لیا تھا اور انہیں کی پرورش سے یہ اتنا بڑا ہوا۔ ورنہ نظر بھی آتا۔ مُسلمانوں نے اِس غلام سے جسقدر مذہبی خدمت لی ہے یہ بھی کسی کو نصیب نہیں ہوئی آگے اس کے یہ کہکر پھر آپ ڈراتے ہیں (کہ ایک حد والی شی نہیں دیکھی گئی) اور اس کی مثال نہ دینے پر سوامی درشانندجی صاحب مولوی ثناءاللہ صاحب پر مونہ آئے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ آپنے اور درشانندجی نے ایک حد والی شی نہ دیکھی ہوگی مگر ہم نے دیکھی ہے اور ایک چھوڑ کئی دکھا سکتے ہیں دیکھئے۔ ہم جہاں ہیں اس جگہ سے ایک خط الی لا نہایت کھینچتے ہیں کون مانع ہوسکتا ہے اور اس کے ایک جانب کو لامتناہی ہونے سے کون روک سکتا ہے۔

اِس صورت میں ہم کہیں گے کہ دیکھو ایک سرا اس خط کا معلوم ہے دوسرا نامعلوم۔ پہلا محدود۔ دوسرا لامحدود۔ ایک طرف متناہی دوسری جانب لامتناہی اور لیجئے۔ کرہ کی سطح کی ایک ہی حد مانی گئی ہے اور دایرہ کو ایک ہی خط سے محدود مانا گیا ہے۔ دریافت کیجئے ریاضی والوں سے۔

اور لیجئے اگر ہم ایک پتھر کو حرکت دئے بعد زمین پر رکھدیں تو وہ ہمیشہ ابدالآباد ساکن رہے گا بشرطیکہ کوئی اُس کو حرکت نہ دے۔ اِس صورت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ابتدا میں جو اِس پتھر کو حرکت تھی وہ فنا ہوئی اور اَب جو سکون اس کو حاصل ہے

اُن میں سے جو کوئی بہ اعتبار اپنے اوصاف ذاتی کے اچھا ثابت ہو تو وہ اچھا ہے جو بُرا ثابت ہو وہ بُرا ہے اور چونکہ یہہ بھلائی بُرائی بھی بہ تفاوت مراتب اونہیں اوصاف حمیدہ یا اوصاف رذیلہ کے ساتھ ساتھ کم وبیش ہوگی اِسلیئے کوئی سب سے اچھا اور کوئی سب سے بُرا بھی ثابت ہوگا۔ مثلاً ایک شخص میں پانچ خوبیاں ہیں تو وہ گو دو خوبیوں والے سے ضرور اچھا ہے مگر اُس سے اچھا نہیں ہے جس میں دس خوبیاں ہیں علےٰ ہذا القیاس ہر ایک بُرائی بھلائی کے کمی وبیشی کی نسبت سے کسی کو بہت بُرا یا بہت بھلا کہا جا سکتا ہے۔ انسان کے اعمال اقوال عادات معتقدات یعنے کل حالات زندگی ہی کسوٹی ہیں اور انسان کی جانچ پرتال کا یہ ہی ایک طریقہ ہے کہ جسپر عملدرآمد ہو رہا ہے اور یہ ہی طریقہ ہم اپنے پچھلوں کے واسطے چھوڑ جاوینگے جس سے وہ ہمارے حالات زندگی کی جانچ کرکے حکم لگائیں گے اور جب ہر کسی کے جانچ کا یہ ہی ذریعہ ہے تو رسول کی رسالت ثابت کرنے کے لئے بھی اسی طریقہ کو مدرجہ اولیٰ مدنظر رکھنا ہوگا۔

۲ دوسرے اسکے ساتھ اسباب کو دیکھنا ضرور ہوگا کہ جسکے حالات زندگی سے بحث ہے اُسکے وہ حالات کیونکر کس اسناد کے ساتھ ہم تک پہونچے ہیں یعنے وہ حالات بطور قصہ کہانی کے محض سُنے سُنائی روایات حکایات کا مجموعہ ہے یا ایسے مستند تاریخی واقعات ہیں جنمیں شک وشبہ کی گنجایش نہیں۔

۳ تیسرے یہ بھی دیکھنا ضرور ہے کہ جو کوئی شخص رسالت کا مدعی ہوا ہے اُس کی عملی زندگی کی مثال کس طرح قائم ہوئی۔ یعنے اُس نے نیکی اور بھلائی اور اصلاح حالت میں بذریعہ تعلیم زبانی جمع خرچ کیا یا اپنے کو اُن تمام اعمال حسنہ اور اوصاف فاضلہ کا کامل نمونہ بنا کر دکھایا کیونکہ کہنے سے کسی کام کا کرنا زیادہ مشکل ہے۔

۴ چوتھے اُس کی استقامت اور اطمینان قلبی کا بھی پتہ لگانا ہوگا کہ خوف و ہراس کے موقع پر یا سخت سے سخت امتحان میں وہ کس درجہ ثابت قدم رہا

آپ کا دعویٰ ہے کہ وہ سرور انبیا اور خاتم الانبیاء تھے چونکہ ہر دعویٰ دلیل کا محتاج ہوتا ہے اور کوئی دعویٰ بلا دلیل پایہ ثبوت کو نہیں پہونچا کرتا اس لئے آپ رسالت پر کوئی ایسی روشن دلیل پیش کیجئے کہ ہمارا اطمینان ہو۔"

مرزا:۔ "ہم مسلمانوں کا بیشک اسپر ایمان ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رسول خدا اور سرور انبیا ختم الانبیاء تھے اور اُن کی اس رسالت پر ایک چھوڑ ہزاروں دلیلیں بھی پیش کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم بھی جانتے ہیں کہ کوئی دعوے بلا دلیل پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچتا۔ مگر آپکے اطمینان کا ٹھیکہ نہیں لیا جا سکتا۔ نہ کسی دعوے کے اثبات میں کسی کا اطمینان شرط ہے۔"

بابو:۔ "میری غرض اطمینان سے یہ ہے کہ کوئی ایسی صاف سیدھی سادی دلیل ہو کہ آسانی سے سمجھ میں آجاوے۔ کہ محمد صاحب رسول خدا تھے۔"

مرزا:۔ "شاید یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ ہم پہلے آپ سے کسی ایسے امر کا ثبوت طلب کریں اور وہ امر آپکے مسلمات میں سے ہو اُس کو آپ جس سیدھے سادے طریقہ سے ثابت کر دیں گے پھر وہ ہی طریقہ استدلال ہم ثبوت رسالت میں اختیار کریں گے مثلاً آپ کا دعویٰ ہے کہ چار وید ابتداء آفرینش میں چار رشیوں پر نازل ہوئے اور ہمارا یہ خیال ہے کہ نہ چوتھی رشی کا پتہ چلتا ہے نہ چوتھے وید کا۔"

بابو:۔ "یہ تو جھگڑے کی بات ہے۔ آپ ہی رسالت پر حجت قائم کیجئے مگر رسالت کے ثبوت میں مہربانی کر کے معجزات اور خدائی نشانات نہ بیان کیجئے گا نہ ثبوت میں اُنسے کام لیجئے گا ہاں ضمناً کوئی ایسی بات معرض بیان میں آجائے تو مضائقہ نہیں۔"

مرزا:۔ "اچھا سُنئے اس سے آپ کو بھی انکار نہیں ہوسکتا اور کسی دوسرے عقلمند کو بھی انکار نہ ہوگا کہ دنیا میں ہماری معلومات کے اندر جتنے آدمی ہوگزرے ہیں یا اب موجود ہیں اُن کا اچھا بُرا ہونا اس بات پر موقوف ہے کہ اوّل اُن کے حالات زندگی معلوم ہوں

آٹھویں۔ یہہ اور بھی قابل غور ہوگا کہ اگر اُس نے رسالت کا دعوے کیا تو اُس دعوے سے اُس کی کوئی ذاتی غرض جلب منفعت یا جاہ طلبی اپنی یا اپنی اولاد کے لئے تو نہ تھی۔

نویں یہہ کہ جو پیشینگوئیاں اُس نے باشارہ خداوندی بہت بڑی سے بڑی یا بہت چھوٹی سے چھوٹی مختلف مواقع پر کثرت سے بیان کیں اُن میں کوئی جھوٹی بھی ثابت ہوئی یا نہیں۔

دسویں۔ یہہ بھی خیال کرنا ہوگا کہ وہ جو اپنے کو رسول خدا بیان کرتا ہے اور خدا کے نام سے بہت سے احکام پیش کرتا ہے ان احکام میں اُسکی ذاتی معلومات اور قابلیت کو بھی کچھ دخل ہے یا نہیں یعنے وہ احکام معنوی خوبیوں اور انسانی ضرورتوں کے لحاظ اور مناسبت سے جب ایک عمدہ سے عمدہ اور بہتر سے بہتر قانون ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں تو اُن میں خود حکم پہونچانے والے کی بیرونی تعلیم و تربیت اور تجربہ کو بھی کچھ دخل ہے یا نہیں اسلئے کہ ممکن ہے کہ وہ خود کسی دارالعلم کا تعلیم یافتہ ہو یا چند سوسائٹیوں کا شریک اور ممبر ہونے سے بہت بڑا تجربہ کار عمر رسیدہ زمانہ گرم و سرد چشیدہ ہو اُس نے خود ہی اپنی قابلیت علمی اور غیر معمولی ذہن کی رسائی سے کچھ احکام گھڑ لئے ہوں یا کہیں سے نقل کر لایا ہو اور اُن کو خدا کی طرف منسوب کرتا ہو۔

غرض کہ یہہ متذکرہ بالا اُمور اثبات رسالت میں قابل لحاظ ہیں اور یہہ ہمارا فرض ہے کہ ہم ان تمام باتوں کا سرچشمہ ذات احمدی کو ثابت کریں ورنہ ہمارا دعوے غلط ہوگا۔

بابو کسی کے ایسے جزوی کلی حالات صحیح صحیح معلوم ہونے مشکل ہیں جیسے کہ آپنے بیان کیا ہے

مرزا اگر محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام جزوی کلی حالات زندگی

یہ اسلیئے کہ جو منجانب اللہ رسول ہوگا اُس کا قلب بھی بہت مطمئن ہوگا اور اُس کو خدا پر پورا بھروسہ ہوگا ورنہ جس خدا کے ساتھ وہ بندوں کا رشتہ جوڑنے آیا ہے اُس خدا پر جب خود اُس کو بھروسہ اور یقین نہ ہو تو وہ دوسروں کو کیا خاک یقین دلائے گا۔

پانچویں۔ اس کا بھی صحیح اندازہ کرنا ہوگا کہ اُس نے اپنے اوقات اور حالات زندگی کا لوگوں سے پردہ رکھا یا اس امر کا اہتمام کیا کہ جزوی کُلی تمام حالات اور اوقات سے دوسرے خبردار ہوں اور ۲۴ گھنٹے کے تمام حرکات سکنات کے قلمبند کرنے یاد رکھنے کا اونھیں موقع ملے۔

چھٹے۔ یہ کہ اُس کی ذات اگر جمیع اوصاف حمیدہ اور اعمال اور اخلاق پسندیدہ کا سرچشمہ مانی گئی ہے اور تمام خصائل رذیلہ سے وہ منتفر مانا گیا ہے تو کیا اُسکی ایک ایک صفت اور خلق کی علیحدہ علیحدہ آزمایش ہو چکی ہے یا صرف چند سطحی باتیں دیکھنے پر لوگوں کو حُسن ظن ہے۔ اور یہہ اسلیئے کہ عرف میں جسکو اچھا کہا جاتا ہے اُس کی ہر ایک صفت کی جانچ نہیں ہوا کرتی یا قدرتی طور سے اُسے ایسا موقع نہیں ہاتھ آتا کہ اُس کا اُن اوصاف میں امتحان ہوسکے۔

ساتویں۔ یہہ ہے دیکھنا ہوگا کہ اُس کا طریقہ ہدایت کیسا ہے جن اوامر اور نواہی کا وہ انسان کو پابند کرتا ہے وہ کل احکام انسان کی فطرت کے مقتضے کے موافق قابل العمل بھی ہیں یا نہیں۔ اگر مقتضائے فطرت انسانی کے خلاف ہیں تو وہ احکام انسانوں کے واسطے نہیں ہیں۔ انسان کے لئے تو وہی قانون الٰہی اور قانون شاہی موزوں ہوگا جو انسان کی قوت اور عادت کے موافق قابل العمل ہوگا۔ اور اُسی قانون پر عمل کرنے سے دین و دُنیا کا فائدہ بھی ہوگا۔

ایجاد کیا جس میں ایک ایک راوی کا ضعف اور کذب و صدق بیان کر دیا۔ اور اپنے پیغمبر کا
تو کوئی فعل قول لکھنے سے باقی نہیں چھوڑا اور پھر یہ ہی نہیں کہ مسلسل حال لکھدیا ہو
بلکہ ایک ایک راوی سے روایت کو پورا پورا علیحدہ علیحدہ نقل کیا ہے اور سلسلہ روایات
سے علیحدہ بحث کی ہے۔ آج دُنیا کے پردہ پر وہ کون قوم ہے جو فن تاریخ میں مسلمانوں
کا مقابلہ کرسکے خاصکر سیر اور احادیث میں اور علم رجال میں۔ ادھر یہ کمال اودھر
آپکے ہاں وہ زوال کہ تاریخ معتبر کا ایک صفحہ بھی ایسا نہیں کہ مسلمانوں کے مقابلہ کو
لایا جاوے وہ ہے لہتبرج صاحب لکھتے ہیں کہ جو کچھ حالات ہندوں کے لکھے
گئے ہیں اُن کا ماخذ تاریخ نہیں ہے بلکہ شاعرانہ کتابیں ہیں کیونکہ قدیم زمانہ میں کسی کو
اس کا خیال نہیں آیا کہ واقعات کو قلمبند کرے اسلئے مسلمانوں کی عملداری سے پہلے جسکو
نو سو برس ابھی پورے نہیں ہوئے ہند میں کوئی معتبر تاریخ نہیں لکھی گئی دیکھو تاریخ
مذکور کے (صفحہ ۱۸) اور پہلے زمانہ کے ہندوں پر کیوں اعتراض ہو حال میں بھی تاریخ
نویسی سوانح نویسی کا کیا خاک اہتمام ہے دُور کیوں جاؤ۔ خود سوامی دیانند جی مہاراج کے
جو چند اوراق کی سوانح عمری لکھی گئی ہے اُسی کی صحت اور سچائی کو دیکھ لو۔ اُنکو رحلت
فرمائے کچھ زیادہ عرصہ بھی نہیں ہوا۔ ہزاروں اُن کے دیکھنے والے اسوقت موجود
ہیں ہندوں سے قدیم عادت کے موافق اسکی تدوین نہ ہوسکی۔ اور جو کچھ لکھی ہے
اُسکی صحت اور صداقت کا ہم کو تو اطمینان ہوگیا جب ہم نے اپنا قصہ اُس میں کچھ کا کچھ
لکھا ہوا دیکھا۔

بابو: وہ کیا ہے ہم بھی تو سنیں۔

مرزا: جس زمانہ میں سوامی جی اودے پور راجپوتانہ میں تھے۔ میں ریاست ٹونک
کی طرف سے وہاں وکیل رزیڈنسی میواڑ تھا اکثر میں بھی اُن کے وعظ میں جایا کرتا تھا
اور گفتگو کیا کرتا تھا۔ ایک روز شہر میں چرچا ہوا کہ سوامی جی نے ایک مسلمان مولوی کی

نہایت مستند متصل اسناد سے ہم نہ ثابت کریں تو آپ سمجھ لیں کہ ہم اپنے دعوے
میں جھوٹے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ دوسرا دیان والے اس میدان میں
ہمارے مقابلہ میں آتے ہوئے کانپتے ہیں سبب اس کا یہ ہے کہ وہ اپنے
نبی کے حالات زندگی تو کیا اپنی الہامی کتاب کے تمام مضامین کو سند متصل سے
نہیں بیان کر سکتے یہ صرف دُنیا بھر میں اسلام کی ہی خصوصیت ہو کہ اہل
اسلام نے اپنے تمام علماء کی حالت زندگی تک کو اس صحت کے ساتھ قلمبند
کیا ہے کہ کوئی دوسرا مذہب والا اپنے ہادی اور پیشوا کی حالت زندگی کو
اس طرح نہیں دکھا سکتا۔ لینتھبرج صاحب اپنی تاریخ ہند میں مسلمانوں کی
فتوحات ہند کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس زمانہ سے تاریخ ہند برابر
مفصل اور واضح پائی جاتی ہے کیونکہ مسلمانوں کو علم سیر اور تاریخ کا ہمیشہ سے
شوق رہا ہے کوئی نہ کوئی ہر عہد میں اُن میں ایسا نکلا جس نے اپنے زمانہ کے
واقعات کو قلمبند کر کے سلسلہ تاریخ کو قائم رکھا۔ دیکھو تاریخ مذکور صفحہ ۴۵
واکٹر اسپنسر صاحب لکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے علم ادب پر جسقدر فخر کریں وہ
بجا ہے اس لئے کہ نہ ایسی قوم ہوئی ہے نہ اَب ہے کہ جس نے اپنے
علماء کی حالت زندگی کو اور سوانح عمری کو اس صحت کے ساتھ قلمبند کیا ہو مسلمانوں
نے بارہ سو برس کے حالات کو اس طرح لکھا ہے کہ کوئی قرن وہ سالہ مسلمانوں
کی تاریخ کا ایسا نہیں کہ اس میں اُن کے نام آوروں کا تذکرہ نہ ملے اور ہم کسی
دوسری شہادت کو تو اُس حالت میں پیش کریں کہ اصلی ذخیرہ تاریخ سیر اور
احادیث کا موجود نہ ہو جب اصل تاریخی دفتر کے دفتر بسند متصل موجود ہیں
تو شہادت کی کیا ضرورت ہے جس کا دل چاہے دیکھ لے مسلمانوں نے
صرف حالات جمع نہیں کئے بلکہ ایک خاص فن علم اسانید اور رجال کے نام سے

دیانت دار راستی شعار نے ایک نامعلوم وکیل کے تذکرے کے ساتھ یہ پچھلا فقرہ
کہ ہم رنڈی بھڑووں کی باتیں نہیں جانتے یا بہ تبدیل الفاظ اسی کے قریب کچھ لکھا ہے
باقی قصہ ندارد - پندرہ برس ہوئے کہ میں نے یہ سوانح ایک نظر دیکھا تھا اب اگر ستیارتھ
پرکاش ۱۸۷۵؁ کی طرح بقول پنڈت دھرم پال صاحب اس سوانح کے بھی ترمیم ہو گئی
ہو تو خبر نہیں - مدعا یہ ہے کہ ہندوں میں یوں سوانح عمریاں اس روشن زمانہ میں
لکھی جاتی ہیں اور یہاں اہتمام واقعات کے صداقت کا ہے اسپر پھر اسلام سے مقابلہ -
میرے خیال میں ہندو تو تاریخ سیر میں مسلمانوں کے سامنے زبان بھی نہیں ہلا سکتے
ہاں یونانی اور قدیم ملک روما کی تاریخیں بھی لاشی ہیں - وہ دکھلا سکتے ہیں تو ہم کو کوئی
مسلسل تاریخی واقعہ دکھلا سکتے ہیں مگر یہ اہتمام صحت روایت وہ بھی نہیں دکھا سکتے اگر ان سے
پوچھا جائے کہ فلاں واقعہ روز وقوعہ سے مورخ تک کن کن راویوں کے ذریعہ سے
بہ سند متصل پہونچا تو جواب نفی میں ہوگا اور اُس کا تو تذکرہ ہی بیکار ہے کہ راویوں کے
صدق و کذب اور حالات زندگی سے ہم بحث کریں - بُرا نہ مانیئے سب بزرگوں
کے حالات زندگی تو آپ کیا بتا سکتے ہیں اگر چاروں وید کے رشیوں کے حالات
زندگی آپ لوگ اُس طرح بیان کردیں جس طرح مسلمانوں نے ایک حدیث کے
راویوں کے حالات زندگی محفوظ اور مستند طریقہ سے بیان کئے ہیں تو بس ہم
ہارے - صلاء عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لئے -

بابو:- "اچھا اسکی ضرورت کیا ہے کہ ہادی جو زبانی ہدایت کرے اسپر خود عمل کر کے بھی دکھلائے"
مرزا:- اگر کوئی ہادی ہم کو نصیحت کرتا ہے یا کوئی اچھا راستہ دکھاتا ہے تو ضرور ہے
کہ اُس نصیحت کا خود کو بھی عامل ہو کر دکھلائے اور اچھے راستہ کو خود بھی چلکر دکھلائے
اگر ہم ایک نادان بچہ کو کسی معلم کے سپرد کرتے ہیں تو اول دیکھتے ہیں کہ وہ معلم خود
چال چلن کا کیسا ہے اگر وہ بڑا عالم ہو اور عامل نہ ہو تو اُس کی تعلیم کیا مفید ہو سکتی ہے

خبر لے ڈالی۔ یہ خبر سنکر دوسرے روز میں بھی سوامی جی کی خدمت میں گیا بعض دوستوں کی تحریک سے میرے روبرو بھی وہ ہی گفتگو شروع ہوئی جو پہلے روز کسی مسلمان سے ہو چکی تھی۔ **خلاصہ** اُس کا یہ ہے کہ سوامی جی نے فرمایا کہ محمد صاحب کے بالکل بدیہی غلطی اُنکی سکھلائی ہوئی باتیں ایسی ہیں کہ کسیطرح شدہ نہیں ہوتیں۔ اُمت کو سکھلایا ہے کہ جانور کو ذبح کرو تو اُس پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا کر وہ حلال ہوجاویگا ہم پوچھتے ہیں کہ اگر بسم اللہ کی یہ تاثیر ہے کہ جس جانور پر وقت ذبح پڑھی جاوے اُسے حلال کر دے تو سور کُتّے۔ بلّی پر بھی پڑھو وہ بھی حلال ہوجاویں گے۔ اور اگر سور۔ کُتّے۔ بلّی بسم اللہ پڑھنے سے نہیں حلال ہوتے تو گائے بیل۔ بکری۔ مُرغ بھی حلال نہ ہوتے ہونگے۔ درصل محمد صاحب کو یوں کہنا تھا کہ فلاں فلاں جانور حلال اور فلاں فلاں حرام ہیں۔ اور حلال جانور اپنی موت سے مرتا تو بھی کھانا تھا کہ وہ حلال تھا۔ الخ

مَیں نے اس کا یہ جواب دیا کہ آریہ مت والوں میں یہ دستور ہے اُن کو اُنکے خدا نے یہ سکھلایا ہے کہ جب غیر عورت مرد کو باہم جورو خاوند بناؤ یعنے بیاہ کرو تو اون دونو عورت و مرد کو پھیرے پھراؤ اور دونوں کے درمیان اشلوک یعنے وید کے منتر پڑھو۔ اِس سے یہ ہوگا کہ وہ عورت مرد باہم جورو خاوند ہوجاویں گے ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اون پھیروں کی اور اشلوگوں کی یہ تاثیر ہے کہ جن دو عورت مرد میں پڑھے جاویں وہ میاں بی بی ہوجاویں۔ تو بھائی بہن اور ماں بیٹے کے ساتھ بھی پڑھکر اور یہ ہی عمل کرکے دیکھو وہ بھی ان کی تاثیر سے جورو خاوند ہوجاویں گے۔ اگر نہ ہوں تو حرام اور حلال میں کوئی عقلی فرق اور تمیز بتانا چاہیئے جس سے معلوم ہوسکے کہ گھر کی بیاہتا بی بی اور رنڈی میں یہ فرق ہے۔

یہ جواب سُنکر سوامی جی مہاراج خفا ہوگئے اور سناتنی ہندو اُنپر ہنسنے لگے۔ تو غصہ میں آکر فرمانے لگے کہ ہم یہہ رنڈی بھڑووں کی باتیں نہیں جانتے۔ سوانح نگا

دُنیا دار ہیں وہ سنیاسی نہ تھے پھر ہم یہہ کہیں کہ اگر سنیاس خدا کے نزدیک سب سے بہتر طریقہ زندگی ہے تو آپ اُس طریقہ سے کیوں متنفر ہوا اور اگر وہ بُرا طریقہ تھا تو سوامی جی نے اُس طریقہ زندگی کو کیوں اختیار کیا تو کیا آپ کی طرف سے اس کا کوئی معقول جواب ہو سکتا ہے یا یوں سمجھو کہ سنیاس کا سبق اگر سوامی جی کی عملی زندگی سے سیکھا جائے تو گھر گرستی ہو کر کس سے عملی مثال حاصل کریں اگر کہو کہ تعلیم سے سب کام کرنے آجاتے ہیں۔ ہادی کا اتباع ضرور نہیں تو ہم کہتے ہیں تعلیم کی بھی ضرورت نہیں آریہ صاحبوں کا کام سوائے وید کے پندنامہ عطار بوستان۔ گلستان۔ بھگوت کبیر صاحب کے شبدوں سے بھی چل سکتا ہے اور یہ ہی حالت دوسرے مذہب والوں کی ہے۔ مثلاً ہم اُن واقعات کی جانچ پڑتال کرتے ہیں کہ جن سے ہم یہہ اخذ کر سکیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور سری رام چندر جی مہاراج اور جناب سری گوتم بھگت صاحب کس طرح اور کن حالتوں میں نمونہ تھے یا آج ہمارے لئے وہ بہ لحاظ عملی زندگی کے نمونہ ہو سکتے ہیں تو حضرت مسیح کا سرمن اف دی مونٹ کا خطبہ یا بعض ملفوظات یسوع مندرجہ اناجیل اربعہ ہم کو سُنائے جاتے ہیں اور ہم واقعات دیکھنا چاہتے ہیں کہ جن کے تحت میں آپ نے اپنی تعلیم کو اپنے وجود سے عملی لباس پہنایا ہو مثلاً کب اور کس موقع پر مجازاً آپ کے گال پر کسی نے طمانچہ مارا اور آپ نے خوشی سے دوسرا رخسارہ اُس کے آگے کیا۔ گو حضرت مسیح صبر وحلم۔ استقامت کا عمدہ سبق دُنیا کو دے گئے لیکن کامل نمونے آپ کی زندگی مندرجہ بائیبل میں تلاش کرنا بے سود امر ہے اور اصل بات یہ بھی ہے کہ تمام ہادیوں کو سوائے ہمارے ہادی کے ایسے مختلف مواقع امتحان قدرتاً ہاتھ بھی نہ آئے کہ وہ اپنے ایک ایک خلق کو بدرجہ کمال دکھا سکتے۔ چونکہ محمدؐ رسول اللہ کو ختم الانبیاء بنانا تھا اس لئے اُن کو موقع بھی

دوسرے رسول اگر نجات اور مغفرت کا ہم کو کوئی راستہ دکھاتا ہے تو وہ خود بھی تو چلکر دکھائے کیونکہ ہماری طرح وہ خود بھی نجات کا حاجت مند ہے کسی عالم کی عظمت اُسوقت تک ہمارے دل پر نہیں ہوتی جب تک کہ اُسکو عمل کرتا نہ دیکھیں۔ اور جو اثر ہدایت کا کام دیکھکر دلوں پر ہوتا ہے وہ سُنکر نہیں ہوا کرتا۔ یہ بھی شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جس کام کے کرنے کی ہمیں ہدایت کی اگر وہ اچھا کام تھا تو خود کیوں نہ کیا اور اگر وہ کام بُرا تھا تو ہم کو کیوں بتایا گیا۔ ضرور بضرور ہم کو عملی زندگی کی مثال چاہیئے ہے۔

سوامی دیانند جی مہاراج کو تھوڑا عرصہ ہوا کہ وہ ریفارمر کے رنگ میں آئے اور وید مت کا پرچار کیا اور ہندوں میں ایسی رُوح پھونک دی کہ وہ ہر رنگ میں ویدک زندگی اختیار کریں۔ لیکن ابھی سے زمانہ نے اُن کے صحیح حالات زندگی کو محو کر دیا اگر ہم سوامی جی کی عملی زندگی کی مثال تلاش کریں اور یہہ دیکھنا چاہیں کہ سوشیل یا ڈومیسٹک یا پولیٹیکل امور میں وید نے اُن کے ذریعہ ہم کو کیا تعلیم دی تو ہمیں ملہمان وید کی طرح اس نئی مثال میں بھی مایوسی حاصل ہوتی ہے یہ ضرور نظر آتا ہے کہ ایک شخص سنیاس کا رنگ اختیار کئے ہوئے ہے لیکن کل دُنیا سنیاس کے لئے نہیں بنی نہ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ گروکل والے بھگوی کپڑے پہنا کر ہم کو سکھلانا کیا چاہتے ہیں۔ کیا ہم موجودہ طریق معاشرت کو چھوڑ کر آج سے کئی ہزار برس پہلے کے لنگوٹ بند زندگی اختیار کریں۔ نہ سوامی جی کی شادی ہوئی نہ اولاد ہوئی نہ اُنھوں نے کوئی گھر بنایا نہ کنبہ جوڑا۔ پھر کیا ہم سب کے سب ایسے ہی ہو جاویں یا ہم آپ لوگوں سے یہہ دریافت نہ کریں سوامی جی کو ہادی کہتے ہو تو اوس ہادی کی پُوری پیروی کیوں نہیں کرتے۔ جورو بچّوں کو چھوڑ گھر بار کو خیرباد کہا کر بھگوی کپڑے پہن دوسروں پر توکل کرکے زندگی کیوں نہیں بسر کرتے تو اُس کا کیا آپ یہہ ہی جواب نہ دیں گے کہ ہم سوامی جی کے پیروی نہیں کرسکتے ہم

ہم ایک دوسرے کی راحت اور آسایش اٹھا سکیں۔ دُنیا میں رہکر دُنیا کے کام بھی کرتے رہیں اور خدا کی عبادت بھی کریں۔ دُنیا دار کو بحیثیت ایک نیک بخت دُنیا دار ہونے کے تمام ضروریات زندگی کو بہم پہونچانا پڑتا ہے۔ اہل دُنیا دنیا میں رہنے کو پیدا ہوئے ہیں اس لئے دُنیا کے ہر کام جائز کا اُن کو سبق لینا ہے اسی جگہ رہکر ان کو منازل کمالات طے کرنے ہیں۔ پھر کوئی گوشہ نشین تارک الدنیا ہادی ہمارا ہادی کیونکر ہو سکتا ہے۔ ایک صحرا نشین شہر والوں کو کیا سکھلا سکتا ہے اور ہادی کے واسطے تو یہہ خدا کا منشا بھی نہ ہونا چاہیئے کہ وہ دنیا داروں کو اور دُنیا کے کاموں کو چھوڑ کر گوشہ میں جا بیٹھے اور اپنی ضروریات زندگی کا بوجھ دُنیا داروں پر ڈالے اور دُنیا داروں کو کیا پڑی کہ اُس کے لئے چکی چولہے کی مصیبت اپنے سر لیں اور ہادی صاحب گوشہ نشین رہیں۔ ہمارے ہادی برحق نے دُنیا میں آکر اس پردہ غفلت کو اُٹھا دیا اور ان تمام توہمات کو لوگوں کے دل سے بھلا دیا کہ عبادت الٰہی گوشہ نشینی اور ہاتھ پاؤں بیکار کر لینے کا نام ہے اس غلط فہمی کو یہہ کہکر رفع کیا کہ جو دُنیا کے کام خدا کی مرضی کے موافق ہیں وہ سب عبادت ہیں۔ جائز طریقہ سے محنت مزدوری عبادت الٰہی ہے۔ بی بی بچّوں کی پرورشس عبادت الٰہی ہے۔ ماں باپ کی خدمت گذاری عبادت الٰہی ہے ملک کی قوم کی خدمت عبادت الٰہی ہے۔ حکیم طبیب کی یہہ عبادت ہے کہ وہ بیماروں کا علاج کرے۔ بادشاہ کی یہہ عبادت ہے کہ وہ رعیت کی جان و مال کی حفاظت کرے۔ مالداروں کی یہہ عبادت ہے کہ پیسہ اس نیت سے جمع کریں کہ ہم اپنے ابنا جنس مفلس و محتاج کی مدد کریں گے۔ یہاں تک کہ اپنی جان اور ہاتھ پاؤں کی حفاظت اور اُن کو ہلاکت سے بچانا عبادت ہے اور ضائع کرنا گناہ قرار دیا۔ اور صرف زبانی جمع خرچ وعظ و نصیحت سے ایسا نہیں سمجھایا بلکہ خود

دیا گیا کہ مجموعہ اخلاق کا اُن کی ذات مظہر ہو۔

اِس معاملہ میں جناب رسالتماب صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دُنیا کے لئے ایک کامل اسوہ حسنہ ہیں آپ قضا و قدر کے ہاتوں یتیمی زندگی سے بادشاہت کی زندگی تک پہونچائے گئے اور ان دونوں متضاد زندگیوں کے درمیان آپ پردہ تمام کے تمام حالات گذر گئے جو مختلف الحال لوگوں پر گذرا کرتے ہیں اور ان حالات مختلفہ کے ماتحت آپ سے اُن تمام اخلاق کا ظہور ہوا جن کا جمع ہونا ایک ہی زندگی والے انسان میں محال تھا اور آنحضرت ان تمام امتحانات میں باوجود موانعات چند در چند کامیاب ہوئے اگر غور کیا جاوے تو کسی اخلاق فاضلہ کا قابل نمونہ ظاہر بھی اُسوقت ہوتا ہے کہ جب انسان کے حالات ناموافق ہوں اور اخلاق اوصاف کے ظہور کے موانعات کثرت سے پیدا ہوں ایک شخص دعوے کرسکتا ہے کہ اُس نے جھوٹ نہیں بولا اور ممکن ہے کہ ایسا ہو لیکن وہ راست گوئی جیسے خلق فاضلہ کا کبھی مدعی نہیں ہوسکتا جب تک کسی خاص امتحان میں نہ ڈالا جاوے اور یہ ثابت نہ ہوجاوے کہ جان کے خطرہ کیوقت بھی سچ بولنا نہ چھوڑا حضور سرور کائنات عارف گوتم صاحب اور سری مہاراج رام چندرجی کی طرح ایک بادشاہی گھر میں اسلیئے پیدا نہ کئے گئے کہ آپ کو غربت اور مسکینی میں رہ کر سخت سے سخت احتیاج میں بھی کامل سیر چشمی کا ثبوت دینا تھا۔ ہمارے ہادی نے عارف باللہ بدھ کی طرح سلطنت چھوڑ اور تمدنی زندگی کو تیاگ دے کر بادیہ نشینی نہ کی بلکہ آپنے دُنیا میں رہ کر دُنیا سے قطع تعلق کیا جو سخت سے سخت امتحان نفس کشی ہے آپنے دُنیا میں منہمک ہونے سے پرہیز کیا مگر دنیا کو اپنے قوی سے مستفید ہونے سے محروم نہ رکھا کیونکہ اس کی خلاف کرنے میں قوی انسانی کا خون ہوتا تھا ہم سب مدنی بالطبع ہیں ہم کو قدرت نے مختلف قوی اسلیئے بخشے ہیں کہ اُن کے استعمال سے

کہو کہ بھائی تم یہ کیا کر رہے ہو تمھارے ہادیوں نے تو بس ایک تہمت لنگوٹی پر زندگی
جنگل میں گذار دی تم اُن کے خلاف یہ کیا امیری کر رہے ہو تو وہ میرے خیال میں یہی
کہیں گے کہ وہ پیروی ہم سے نہیں ہوسکتی۔ اسلئے ضرور ہوا کہ اسوۂ حسنہ سب سے
آخر دنیا کی رہبری کے لئے آئے اور فطرت انسانی کے لحاظ سے دنیا و دین کے کام
کرکے بتائے کہ کس طرح ایک انسان ابنا ر دُنیا کی خدمت کے لئے دُنیا میں رہ کر
دُنیا سے انقطاع کر سکتا ہے۔ اُسکو ضرور ہے کہ دُنیا کی نیک بختوں کے لئے اور
ہدایت کے متلاشیوں کے واسطے علی مثال فاقہ کشی۔ نفس کشی۔ شب بیداری۔ روزہ
نماز حج۔ زکوٰۃ غرض جملہ مراتب عبادت آلہی کو انسان کی وسعت کے موافق اعتدال
کے ساتھ سکھلا جائے اور خود کرکے دکھلا جائے تاکہ ہم کو کسی کام کے کرنے میں یہ اندیشہ
نہ ہو کہ یہہ کام کہاں تک خدا کی مرضی کے موافق ہے اور کہاں تک اسکی مرضی کے خلاف
ہے اور اور دُنیا کے کاموں کی کوئی حد نہیں ہے کبھی گھر گرستی ہونا پڑتا ہے کبھی تارک دُنیا
کبھی مفلس سے مفلس بنکر زندگی پوری کرنی ہوتی ہے کبھی مالدار بنکر قرض دینا قرض لینا۔ تجارت
زراعت ملازمت کا کرنا بھی پڑتا ہے۔ کبھی حاکم بنکر جینا ہے کبھی محکوم بنکر مرنا ہے۔ دوستوں
سے دوستی کرنی ہے عزیز داروں سے صلہ رحمی کرنی ہے اولاد کی پرورش کرنی ہے
باہم دنیا داروں سے مختلف طرح کی رشتہ داری اور تعلقات پیدا کرنے ہیں دشمنوں
سے جنگ کرنا ہے صلح کرنا ہے معاہدہ کرنا ہے۔ رعایا بنکر حاکموں کے احکام
جائز کی تعمیل کرنا ہے۔ حاکم بنکر۔ بادشاہ بنکر مختلف الاقوام۔ مختلف المذاہب مختلف
الخیال لوگوں سے معاملہ کرنا ہے یعنی خود فصل خصومات کو انجام دینا ہے کبھی خود دوسری
عدالتوں میں جانا ہے کبھی شہادت دینی ہے کبھی گواہی لینی ہے۔ کبھی جزا سزا کا دینا
کبھی صلہ انعام کا لینا غرضکہ کوئی ایک کام نہیں ہے جسکو بیان کیا جائے۔ ان
سب کاموں میں دنیا کو ایک ہادی کامل کی ضرورت تھی کہ وہ انسان کی فطرت اور

دُنیا میں رہ کر دُنیا کے کُل کاموں کو خود کر کے اور ہر کام کی عملی مثال قائم کئے بعد ہم سے رخصت ہوئے۔ اور پہلے ہادیوں کی زندگی کی مثال عملی نہ ہونے سے جو انسانوں کو یہہ وہم ہو گیا تھا کہ عبادت الٰہی تو دُنیا کے کاموں سے علیحدہ ہو جانے اور ہاتھ پاؤں بیکار کر لینے کا نام ہے کوئی غار اختیار کرتا تھا کوئی جنگل پہاڑ سنبھالتا تھا۔ کھانا پینا تن ڈھاکنا عیب جانتا تھا۔ اُن تمام غلط فہمیوں کا خاتمہ ہوا اور اس ختم الانبیاء نے اُن غلط خیالیوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا اور سچ پوچھو تو ہر انسان نے خواہ آریہ ہو خواہ عیسائی ہو۔ یہودی ہو یا جینی ہو سب نے اسی ہادی کی تقلید اختیار کر رکھی ہے اور اسی کو اچھا جانا ہے۔

بابو: جو کام آپ نے اوپر گنوائے یہہ ہر مذہب میں موجب ثواب اور باعث نجات سمجھائے گئے ہیں۔ اسلام کے ہادی کی پیروی کیوں ہونے لگی؟

مرزا: اگر ہر مذہب میں یہہ کام موجب ثواب اور باعثِ نجات سمجھے گئے ہوتے تو اُن کاموں کے ثواب سمجھانے والے خود ان کاموں کو کیوں نہ اختیار کرتے سنیاس کیوں اختیار کرتے تجرید کیوں اختیار کرتے رہبانیت کو کیوں اچھا جانتے۔ یہ ہی تو ہمارا کہنا ہے کہ اگر یہ کام اچھے تھے تو ہادیوں نے خود کر کے کیوں نہ دکھلائے اور اگر سنیاس اور تجرید حقیقت میں اچھے کام ہیں تو آپ سب کے سب اُسے کیوں نہیں اختیار کرتے۔ یہہ عجیب بات ہے کہ عمل کرو احکام اسلام پر اور نام رکھو دوسرا۔ کہاں تک اسی کو بار بار ہم بیان کریں کہ ہادی جو کام خود کر کے دکھا چکے ہیں اُن کے پیرو وہ کام نہیں کرتے بلکہ صرف کرتے نہیں۔ کر ہی نہیں سکتے اس لئے کہ انسان کی طرز و رتوار انسانی فطرت کے وہ کام خلاف ہیں۔ آج آریہ مت والے اور جین مت والے صدہا کروڑپتی ہیں کہ جو رات دن جائز طریقہ سے روپیہ پیدا کر رہے ہیں اگر اُن سے

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر ایسا بڑا اہتمام نہ کیا گیا ہو تو کوئی روز مرہ کا حال ہی
صحیح نہ ہو تواتر سے دوسرے ہادیوں کے بھی دوسروں کے ہاں اچھے حالات
معلوم ہوتے ہیں اگر کوئی ذریعہ معلومات کا نہ ہوتا تو ہزاروں برس کے حالات
آریہ بزرگوں کے ہم تک کیونکر پہونچتے "

مرزا:- مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ کوئی حال بھی متواتر مسلسل آپ کے
بزرگوں کا اب تک نہیں پہونچا بحث اس میں نہیں ہے بحث اس میں ہے کہ جب تک
روزمرہ کے جزوی کلی حالات ہادیانِ مذہب کے نہ معلوم ہوں اُن پر مضبوط اور صحیح
حکم نہیں لگایا جاتا اور جب تک ایک ایک خلق کے متعلق کم سے کم ایک ایک واقعہ
زندگی صحیح طور سے نہ معلوم ہو تب تک یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اون
اوصاف کا حقیقی طور سے موصوف ہے مثلاً سچ بولنا اور جھوٹ کبھی نہ بولنا ایک ایسا
خلق اور ایک ایسی صفت محمودہ ہے جو انسان کو بلند مرتبہ بنا دیتی ہے اور ہادی کے
واسطے اس خلق اور صفت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے پھر کسی واقعہ زندگی سے
ہادی کے اتنا تو معلوم ہو کہ ہادی کی تمام عمر میں کم سے کم ایکبار اس سچ بولنے کی ایسی
آزمائش ہو چکی ہے کہ اُس سے انکار کرنا اب داخل جہل ہو ورنہ کسی شخص کو دوسرے
اوصاف حمیدہ کے ساتھ جب اچھا مانا گیا تو ممکن ہے کہ اُس کو صادق القول بھی مانا
گیا ہو کیونکہ حسن ظن اسی کو کہتے ہیں کہ جب ایک شخص چند خوبیوں کی وجہ سے اچھا کہلایا
گیا تو خیال ہوتا ہے کہ سچ بھی بولتا ہوگا۔ اور اچھا آدمی جھوٹ کیوں بولتا ہوگا"

بابو:- اچھا آپ کوئی مثال سچ بولنے کی محمد صاحب کی ایسی دیجئے کہ اُسکے خلاف
اُن کو جھوٹا سمجھنا عقلاً نامناسب ہو"

مرزا:- جب آنحضرتؐ کے وعظ و تلقین سے مکہ والوں کی دشمنی بہت زیادہ
ہو گئی تھی اور آپ کی جان کے درپے تھے اُسی زمانہ میں آپ ایک روز تمام مکہ والوں کو

وسعت کے لایق قانون بھی لائے اور خود بھی کل کام کر کے دکھلائے اس لیئے آنحضرت پیدا ہوئے اور اپنا کام پورا کر کے واپس تشریف لے گئے۔ اب آپ متذکرۂ بالا اخلاق اوصاف میں جس کسی خاص خلق کے آنحضرت کی ذات پاک میں جستجو کریں وہ ہم بدرجہ اتم ثابت کرنے کو معتبر اسناد سے موجود ہیں اور یہ ہی بے نظیر ثبوت آپ کی بے نظیر ذات کے سوا اور کسی میں نہیں پایا جاتا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم رسول خدا مانتے ہیں۔ اور چونکہ شروع دُنیا سے آنحضرت کے زمانہ تک کل ہادیانِ مذہب خاص خاص خلق اور وصف میں متصف اور مشہور ہوئے اور آنحضرت تمام کمالات ذاتی صفاتی میں اکمل ہوئے۔ اور اگلوں کی ادھوری تعلیموں کی تکمیل کی اور خود کامل نمونہ بنے اسلیئے ختم الانبیا اور سرور انبیا کہلائے

بابو:۔ آپ کے بیان مذکورۂ بالا کے موافق اگر ہم نے ایک ایک خلق محمدی کی تفصیل چاہی اور آپنے اُسے بیان کیا تو تقریر بہت طول ہو جاویگی یہ زیادہ بہتر ہے کہ آنحضرت کی زندگی پر ہم اعتراض کریں اور آپ جواب دیں اگر معقول جوابوں سے بے نقص زندگی ثابت ہوئی تو اثبات رسالت کی یہ ہی ایک وجہ معقول ہوگی۔"

مرزا:۔ اعتراض کرنا آپ کا کام ہے جواب دینا میرا کام ہے اور سوال و جواب کو معقول سمجھنا کسی تیسرے شخص کا کام ہے اس کا فیصلہ میں آپ نہیں کر سکتے بہتر ہے جو آپ کی مرضی۔ اعتراض کیجیئے۔ مگر اعتراض کرتے وقت یہ خیال بھی کر لیجئے گا کہ وہ ہی اعتراض آپ کی طرف لوٹا دیئے جاویں تو آپ بھی کچھ معقول جواب اپنے مذہب کے ہادیوں اور مذہب کی حمایت میں دے سکتے ہیں یا نہیں۔؟

بابو:۔ ایک حد تک مُسلمانوں کا یہ فخر کرنا دُرست ہے کہ اُن کے ہاں اپنی کتاب اپنی پیغمبر اور اپنے دوسرے بزرگوں کے حالات کو بہت صحیح طور سے قلمبند کیا گیا ہی اور اس کا بھی پتہ لگتا ہے کہ اپنے پیغمبر کے حالات زندگی کو بہت مفصل لکھکر جمع کیا ہے

بھی کھاتے رہے ہیں پھر روٹی کھانا بھی داخل عیب ہونا چاہیئے مگر میرے خیال میں تو آجتک کوئی منی رشی ایسا نہیں گذرا کہ اُس نے روٹی کھانے کو اسلیئے چھوڑ دیا ہو کہ عیش دوست کھایا کرتے ہیں"

بابو "یہ الزامی جواب ہے مگر عرف کا لحاظ کرنا چاہیئے ہے"

مرزا "جناب میری یہ عرض ہے کہ کسی کام کو عیب بلاوجہ کہدینا اور اس کی تمام متعلقہ خوبیوں کو خیال میں نہ لانا در اصل اپنے عیب طبیعت کو ثابت کرنا ہے اور محض عیب کہدینے سے کوئی کام عیب نہیں ہو جاتا پہلے عیب کی تعریف کیجیئے پھر زبان ہلائیے ورنہ بحث کا خاتمہ نہ ہوگا اور بحث کا مقصد یہ ہے کہ میری غلطی ہو یا آپ کی وہ ظاہر ہو جاوے"

بابو "کسی کام کا عیب ہونا اور بُرا ہونا وتین باتوں پر موقوف ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ کام خلاف رسم خلاف ملک خلاف قوم ہو ایک وہ جو خدا کی مرضی کے خلاف ہونے سے سمجھا جاتا ہے اور اس کو خلاف مذہب ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔ تیسرے وہ جسکو عقل عیب تجویز کرے"

مرزا "اسی تعریف پر فیصلہ ہے غور فرمایئے کہ آنحضرت کی ملک اور قوم والوں کے نزدیک کیا متعدد بی بیاں کرنا عیب تھا جسکو خلاف رسم کہا جا سکے یا خلاف عقل تھا کہ اسے عیب تجویز کیا جاوے یا خدا نے اُسے عیب کہا یا بُرا کہا آخر معلوم تو ہو کہ کیونکر عیب ہوا"

بابو "بعض کام ایسے ہیں اور ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کا کرنا زید بکر خالد کے لئے داخل عیب نہیں مگر کسی ولی نبی رشی کے لئے وہ داخل عیب ہے۔ مثلاً بیبہ جمع کرنا ایک دُنیا دار کے لئے عیب نہیں مگر ایک دین دار کے لئے عیب ہے"

مرزا "آج اِس بحث میں اسی امر کی قلعی کھولنی ہے ورنہ جواب تو اول ہی عرض کر دیتا۔

ہمراہ لیکر کوہ صفا کی طرف تشریف لے گئے اور پہاڑ پر چڑھ کر سب مکہ والوں سے
فرمایا کہ پہلے یہ کہو کہ تم مجھے سچا جانتے ہو یا جھوٹا۔ یہ سُنکر مکہ والے قریش ایک دوسرے کا
موہنہ تکنے لگے گو دشمنی اجازت نہ دیتی تھی کہ سچا کہا جائے مگر خودداری اور آپس کی شرم
اور دلی تقاضہ نے آخر اس کہنے پر مجبور کیا کہ سب کے سب متفق اللفظ ہوکر کہیں کہ
آپ بے شک سچے ہیں چنانچہ سب نے کہا کہ آپ نہایت سچ بولنے والے ہیں ہم نے
کبھی سچ کے سوا جھوٹ بولتے نہیں سُنا اور آپ بچپن سے ہی سچ بولنے میں
مشہور ہیں۔ اب غور کیجئے کہ ہزاروں سخت دشمنوں میں کھڑے ہوکر جن کے
سامنے خود چھوٹے سے بڑے ہوئے ہیں اُن سے سوال کرتے ہیں کہ تم مجھے
جھوٹا سمجھتے ہو یا سچا یعنے اپنے سچ بولنے پر اور سچا ہونے پر اسقدر بھروسہ اور یقین
ہے کہ اپنے دشمنوں سے بھی توقع نہیں کہ واقعہ کے خلاف کہیں گے اور یہ بھروسہ
مطابق واقعہ کے بھی ہوا کہ ایک نے بھی یہ نہ کہا کہ ہم کو خبر نہیں یا ہم کو خبر ہے کہ
فلاں موقع پر فلاں زمانہ میں آپ جھوٹ بولے تھے۔ اب غور کا مقام ہے کہ
جسکے سچ بولنے کے گواہ ہزاروں ہوں اور وہ بھی دشمن نہ کہ دوست اُس کے سچے
ہونے میں وہم کرنا جہل ہے یا نہیں اسی بنا پر میں کہہ چکا ہوں کہ ایک ایک خلق کی
آزمایش کسی کی نہیں ہوئی مگر آنحضرت کے ہر خلق کی اسی طرح ہو چکی ہے اور پھر ہم تک
یہ شہادت جس معتبر سلسلہ روایت سے پہونچی ہے وہ علیحدہ کرامت ہے۔

بابو: محمد صاحب کے حالات زندگی میں کثیر الازدواجی بھی ہے جسپر تمام مذہب والے اعتراض
کرتے ہیں۔ متعدد بیاں کرنے سے یہ سمجھا گیا ہے کہ محمد صاحب عیش دوست تھے
کیونکہ یہ کام ہمیشہ عیش دوست لوگوں کی ثابت ہوئے ہیں کا

مرزا: کیا کثیر الازدواجی اس وجہ سے عیب یا داخل عیب ہے کہ دنیادار عیش دوست
اس کام کو کرتے رہے ہیں اگر یہی وجہ بُرائی ہے تو دنیادار عیش دوست ہمیشہ روٹی

خلاف ہیں وہ سب کے سب داخل معصیت اور موجب عذاب ہیں خواہ وہ کام روزہ نماز ہوں یا سندھی پوجا پاٹ۔ اسی فرق کے نہ سمجھنے سے تو سنیاس اور ہاتھ پاؤں بیکار کر دینے کو عبادت الٰہی جانا گیا اور یہ نہ جانا کہ سب کے سب سنیاس اختیار کرتے تو آج آریہ مت اور ویدوں کا کوئی نام لیوا بھی نہ ہوتا اور تمام سلسلہ توالد تناسل مٹ گیا ہوتا۔ اسی تعلیم نے ہندوؤں کی مردم شماری کو زیادہ نہ ہونے دیا جس کا رونا آج تعلیم یافتہ گروہ میں ہے چنانچہ لالہ لاجپت رائے صاحب نے بمقام دہلی ایک بڑے جلسہ میں ان غلطیوں کے نتائج کو اعداد سے ثابت کر کے مسلمانوں کی تقلید کی ایک مثال بیان کر کے تاکید کی تھی۔"

بابو:- اچھا آپ بتائیے کہ کثرت سے بی بیاں کرنے میں کونسا خدائی کام بنا۔"

مرزا:- میں کیوں بتاؤں پہلے آپ کے اعتراض کی مضبوطی کا تو اندازہ کرا دوں تاکہ معلوم ہو کہ بے سمجھے اعتراض کرنا کیسا ہوتا ہے۔"

بابو:- آپ برا نہ مانیں کثرت سے عورتیں جمع کرنا اس امر پر دال ہے کہ آنحضرتؐ عیش پسند تھے ورنہ رسول ہو کر خدا کے کاموں سے اتنی فرصت کہاں کہ ایک عورت سے بھی بات ہو سکے۔"

مرزا:- میں اعتراض سے برا نہیں مانتا۔ ناانصافی سے برا مانتا ہوں آپ انصاف سے کہو کہ عیش پسندی کا زور شور ابتدائی جوانی میں اور عین جوانی میں ہوا کرتا ہے یا آخر عمر میں۔"

بابو:- عین جوانی میں۔"

مرزا:- پھر خدا سے ڈرو اور معلوم تو کرو کہ اس ذات پاک نے جس کو محمد رسول اللہ کہا جاتا ہے کس زمانہ تک ایک بی بی پر قناعت کی اور وہ بھی بڑی عمر کی عورت پر اور کس عمر میں زیادہ بی بیاں جمع کیں۔"

دیکھنا اس امر کا ہے کہ جس امر کو عیب کہتے ہو اُسے عیب ثابت بھی کر سکتے ہو یا نہیں
آپ کا یہ کہنا کہ پیسہ جمع کرنا دُنیا دار کے لئے عیب نہیں مگر دیندار کے لئے عیب ہے
یہ آپ کا وہم اور آپ کی قدیم غلط فہمی کا بین ثبوت ہے اور ایسا خیال کسی طرح
صحیح نہیں۔ پیسہ جائز طریقہ سے جمع کرنا بُرا نہیں بلکہ ناجائز جمع کرنا بُرا ہے اگر دُنیا دار
ہو کر پیسہ کو جمع کرے اور نیک کاموں میں صرف کرے تو ثواب ہے اور اگر
نبی رشی منی ہو کر پیسہ کو ناجائز طور سے جمع کرے اور بے موقع صرف کرے تو وہ
بُرا ہے دینداروں اور دنیا داروں کے کام میں تھوڑا فرق ہے ورنہ دُنیا
عین دین ہے اگر دین دُنیا میں رہ کر نہ حاصل ہوگا تو دُنیا سے باہر رہکر کیونکر حاصل
ہوگا۔ دُنیا کو مزرعہ آخرت کہا گیا ہے کہ جو بوؤ گے وہ حاصل کروگے دانشمندوں
نے طے کر دیا ہے کہ دُنیا نام ہے خدا سے غافل ہونے کا۔

چیست دُنیا از خدا غافل بدن نے معاش و نقرہ و فرزند و زن

اسی واسطے میں نے اوپر کہا تھا کہ یہہ عام غلط فہمی پھیل گئی تھی کہ سنیاس لینا بناس پتی
کھانا اور ہاتھ پاؤں کو بیکار کر لینا یہ خدا کا کام یا خدا کی عبادت ہے جسکو آنحضرت نے
دُور کیا۔ خُلاصہ یہ ہے دُنیا دار جس مطلب سے عورتیں جمع کرتے ہیں اُس مقصد کو
آنحضرت کے حالات زندگی میں تلاش کرنا تھا نہ یہ کہ جو اُن کو کرتے دیکھا وہ
رسول کے لئے بھی تجویز کر لیا اور جو اُن کا مطلب ہے وہ رسول کا مطلب سمجھ لیا۔
اول آپ کو دین دنیا کے کاموں میں فرق کرنا تھا۔"

بابو :- فرق آپ ہی بتائیے ؟"

مرزا :- ہمارے ہادی برحق نے تو ہم کو یہہ سکھلایا ہے کہ جو کام خدا کی مرضی کے
موافق ہیں وہ سب کام دین کے ہیں اور داخل عبادت اور سبب نجات ہیں خواہ
وہ کام متعلق بی بی بچوں سے ہوں یا پیسہ روپیہ سے اور جو کام خدا کی مرضی کے

یہ امر علیحدہ غور طلب ہے کہ یہ امتحان آنحضرت کا کن حالتوں میں ہوا اور کہاں ہوا اور کن لوگوں میں ہوا اور کتنی مدت تک ہوا۔ یہ امتحان صرف زبانی وعظ و نصیحت پند و ہدایت تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ تمام معاملات دینی دنیوی میں ہوا یہاں تک کہ ادنے ادنے روزمرہ کے امور خانہ داری میں ہوا۔ اگر ایک طرف یہ امتحان عبادت قناعت ایالت عدالت میں ہوا تو دوسری طرف بمقابلہ دشمنوں کی عداوت کی استمالت استقامت کا بھی امتحان ہوا۔ ایک طرف علم کا عمل کا امتحان ہوا تو دوسری طرف رحم کا۔ کرم کا۔ صبر و شکر۔ خوف خدا کا بھی امتحان ہوا اور یہ امتحان ہوا وطن میں اور گھر میں اور گھر والوں میں دوستوں میں دشمنوں میں اور یہ امتحان دو چار دن کا امتحان نہ تھا بلکہ روز پیدائش سے روز وفات تک ہوتا رہا جس کی مدت ۶۳ برس کی ہے۔ ان تمام امتحانات میں آپ آٹھ پہر ۶۴ گھڑی مختلف قبائل کی مختلف الطبائع عورتوں و مردوں میں رہے۔ آنحضرت کے ادنے ادنے نقل و حرکت کے ایک چھوڑ صدہا عورت مرد گواہ ہوئے اور وہ کل حالات بروایت معتبر بطریقہ مخصوصہ ہم تک پہنچے جو اسوقت میں موجود ہیں۔ ہم اسی لئے تمام دنیا کے ہادیوں کا مقابلہ کل باتوں میں کیا چاہتے ہیں جس کی ہمت ہو میدان میں آئے جب کسی ہادی کی جزدی۔ کل مدت العمر کے حالات اسی تفصیل اور انہی اسناد کے ساتھ ہم کو دکھائے جاویں گے تو ہم سلام کریں گے۔ اِس وقت تک زیادہ تر حسن ظن پر ڈگریاں ہو رہی ہیں حالانکہ سوءظن ہو یا حسن ظن ظن تو ظن ہی۔ جب ہر دعوی کی ثبوت پر شہادت کو طلب کیا جاویگا اُسوقت معلوم ہوگا۔ جب اکثر ہادی صرف حسن ظن پر منجانب اللہ ہادی ہونے کی ڈگری پائیں گے تو کیا وجہ ہے کہ آنحضرت ہزاروں شہادتوں پر بھی باوصف افضل الناس اور خیر البشر ثابت ہونے کے رسالت حقہ کی ڈگری نہ حاصل کرینگے۔ ہم اصل مطلب سے کچھ دور ہو گئے۔ آنحضرت کی کثیر الازدواجی

بابو:- ہاں درست ہی پچاس برس تک آنحضرتؐ نے صرف ایک خدیجہ کے ساتھ زندگی بسر کی اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ پھر بعد اس کے زیادہ بی بیاں جمع کیں آخر اس کا سبب بتا دیجئے کہ کیوں اور کس لئے کیں؟"

مرزا:- اس کا ایک سبب ہو تو بیان کروں جس کام کے بہت سے سبب اور صدہا خوبیاں ہوں اس کو کیا بیان کروں ایک تو ضرورت یہ تھی کہ جس طرح رسول کو دین کے اشاعت میں متعدد مردوں کی ضرورت ہوتی ہے اسیطرح اُسے عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ تمام احکام اوامر نواہی جس طرح مردوں سے متعلق ہوتے ہیں اُسیطرح عورتوں سے بھی متعلق ہوتے ہیں جس طرح مردوں کو ضرورت ہی کہ رسول کے تمام افعال اقوال دیکھیں یاد کریں اور دوسرے مردوں پر نقل کریں اُسیطرح کی ضرورت عورتوں کو عورتوں کے لئے پیش آتی ہے۔ ایک عورت کس کس بات متعلقہ مستورات کو یاد کر سکتی ہے۔ دوسرے جب تک رسول کے تمام افعال اقوال کے مرد عورت کثرت سے دیکھنے والے اور شہادت دینے والے نہوں تو تمام جھگڑے طے کیونکر ہو سکتے ہیں اور پچھلوں کو اعتبار کیا ہو سکتا ہی۔ علاوہ اس کے خدا کو یہہ بھی منظور تھا کہ مختلف عمر مختلف سمجھہ مختلف قبائل کے جس طرح مرد آنحضرت کے جزوی کلی حالات کے گواہ ہوں عورات بھی مختلف مراتب کی گواہ ہوں کیونکہ رسول دونوں کا ہادی ہے نہ ایک جنس کا علاوہ اسکے خداوند عالم نے اندر باہر اتنے مرد عورت آنحضرت کے حالات کی نگرانی کرنے والے پیدا کر دئے تھے کہ اُن سے کوئی ادنیٰ حال بھی آنحضرتؐ کا مخفی نہ رہا اور مخفی نہ رہنے کی حالت میں ہی ہم کو آج اس فخر کے ساتھ دعوی کرنے کا موقع ملا کہ آپکے حالات زندگی جو متواتر ہیں وہ بڑا ثبوت اور بڑا معجزہ آپ کی رسالت اور منجانب اللہ نبی ہونے کا ہے۔ نہ اتنا بڑا سخت امتحان دنیا میں کسی کا ہوا ہوگا

خواہ وہ چھوڑے یا رکھے۔ ہندوستان کے ایک بہت بڑے بادشاہ نے حالتِ غیض میں اپنی چاہتی بی بی کو ایسی طلاق دی کہ بغیر حلالہ کے پھر نکاح میں نہ لا سکتا تھا مجبوراً ایک بزرگ ولی اللہ کے نکاح میں اُسے دیا اِس نیت سے کہ وہ طلاق دینگے تو میں پھر نکاح کر لوں گا۔ مگر اِس شہزادی نے اُس بزرگ کے نکاح میں جائے بعد بزرگ کو مجبور کیا کہ وہ طلاق نہ دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ غور کرو کہ بادشاہ زادی ایک فقیر کے گھر میں چند روز رہکر وہ قدرت کے تماشے دیکھے کہ اب بادشاہت اُس کی نظروں میں خاک ہو اور ایک دم دنیا سے مستغنی ہو جائے۔ یہ بزرگ ایک غلام ان غلام اُسی نورِ مجسم۔ ذاتِ مکرم کا تھا جس کی رسالت اِس وقت زیرِ بحث ہے اور اُس ذاتِ پاک محمدی کا تو کہنا ہی کیا ہے ؎

نہ دانم چگونہ سخن گویمش	که بالاتریں زانکہ من گویمش

کوئی عیش دوست کسی کی نظر سے ایسا بھی گزرا ہے کہ پچیس۲۵ برس کی عمر میں چالیس۴۰ سال سے متجاوز عورت سے شادی کرے اور عالمِ شباب میں اُسی پر قناعت کرے۔ پھر زیادہ تعداد کی بیبیاں کرے تو نہ رہنے کو عمدہ مکان بنائے نہ عورتوں کو عمدہ لباس اور زیور سے آراستہ کرے۔ نہ خود پیٹ بھر کے عمدہ لذیذ کھانے کھائے نہ مستورات کو کھلائے۔ راتوں کو اسقدر عبادتِ الٰہی کرے کہ پاؤں ورم کر جائیں۔ دن کو وہ کام کرے کہ جو کسی سے ہو نہ سکیں۔ ایسا کوئی عیش دوست ہم کو دکھا دوگے تو شرما جائینگے ورنہ ان اعتراضوں سے آپ کو شرمانا چاہیے۔ پنڈت لیکھرام صاحب نے آنحضرت صلعم سے سوامی دیانند جی مہاراج کا مقابلہ کر کے دکھلایا ہے۔ اِس سے ہم بُرا نہیں مانتے کیونکہ ہر شخص اپنے پیشوا کو سب سے اچھا جانتا ہے۔ اگر اچھا نہ جانے تو مانے کیوں۔ مگر جب کسی شخص کے حالات سے مقابلتاً بحث کی جاوے تو چند باتوں کی ضرورت

میں تصویر کا دوسرا رخ بھی دکھلانا چاہتے ہیں کہ آنحضرت کی کل بیبیاں مختلف العمر
مختلف قبیلوں کی تھیں اور وہ آنحضرت کے نکاح سے پہلے باعتبار راحت دنیوی
اچھی حالت میں تھیں ۔ یہاں آکر سوائے فاقہ کشی اور انتہا کی مصیبت کے دنیاوی ثروت
کچھ بھی نہ دیکھی ۔ جَو کی روٹی سے بھی پیٹ نہ بھرا ۔ کپڑا وہ کہ اگر پیوند ہے تو وہ بھی بجائے
کپڑے کے چمڑے کا ۔ تعلیم کی کیفیت کہ رات دن شکر و سپاس ۔ روزہ نماز ۔ پاکیزگی
اور عبادت الٰہی کی تاکید ۔ پھر عورت ذات جن کی طبیعت میں نمائش جن کی فطرت میں
کمزوریاں وہ عورتوں کا گروہ یا دوسرے لفظوں میں پیغمبر کی کل بیبیاں اُس مدعی رسالت
میں کچھ ایسی قدرت کی تماشے دیکھیں کہ باوجود ان تمام سختیوں کے اُس پیغمبر کو چھوڑنا
پسند نہ کریں اور مرتے دم تک اُس کی وفادار ۔ عقیدت کیش دل و جان سے اُسپر
قربان ہونے والی ہوں ۔ اُن سے کہا بھی گیا ہو کہ اگر ناراض ہو تو کچھ ضروری اسباب
لیکر علیحدہ ہو جاؤ مگر وہ اس علیحدگی کو موت سے بدتر جانیں آخر اسکی کوئی وجہ تو ہوگی ۔ ہاں
وہی وجہ ہے وہی صداقت کے کرشمے جنپر کروڑوں ایمان لائے اور وہی حالات
زندگی جنپر ایک عالم مست رہا ہے ۔ اب انصاف کرو کہ عیش دوست ایسے ہی ہوا کرتے
ہیں اور عیش کے یہ اسباب ہیں جو مذکور ہوئے ۔ اس میں بھی دانشمندوں کے لیے
ایک بھید ہے کہ آنحضرت نے تو اپنے عیش کے لیے عورتیں جمع کیں مگر عورتوں کو
کیا لالچ ایسا تھا کہ اُنھوں نے اس مصیبت کو اختیار کیا ۔ کسی معترض کو اس کا بھی تو جواب
دینا چاہیئے ۔ وہ لالچ سوا نہ ہو کہ یہی روحانی دولت ہوگی ۔ تاریخ پر نظر ڈالوگے تو معلوم
ہوگا کہ اس دولت لازوال کا لالچ آنحضرت تک محدود نہیں رہا ۔ بلکہ ہمیشہ رہا ۔
امام حسن نے جب بہت نکاح کیے اور طلاقیں دیں تو حضرت علیؑ نے لوگوں کو
کہلایا کہ وہ اپنی لڑکیاں حسنؑ کو نہ دیں کہ یہ ادنے بات پر چھوڑ دیتا ہے مگر لوگوں
نے سنا اور کہا تو یہ کہا کہ ہماری لڑکیوں کا حسن کے متاع میں آنا ہی فخر کا باعث ہے

بابو۔ یہ عجب بات ہے کہ جسے دوسرے عیب خیال کریں وہ بات آپ کے نزدیک دلیل رسالت حقہ ہو۔

مرزا۔ جب غور کرو گے تو پتہ لگے گا کہ میرا کہنا کہانتک صحیح ہے۔ اگر حقیقت میں آنحضرت رسول خدا نہ ہوتے اور نمایشی رسول بنکر اپنی بزرگی لوگوں سے منواتے تو عام مراسم قومی وملکی کی ضرور رعایت فرماتے کیونکہ جھوٹی بزرگی منوانے والے عام مراسم کی بہت رعایت کرتے ہیں اور مخالفت سے ڈرتے ہیں۔ اعلیٰ حکومت بھی ہر ایک رسم ملکی کے خلاف خواہ وہ کتنی بری ہو دفعتاً اپنی آواز بلند نہیں کیا کرتی کیونکہ اُسکو اول حکومت منوانی ہوتی ہے وہ ڈرتی ہے کہ مخالفت نہ ہو غدر نہ ہو بدرسموں کو آہستہ آہستہ مٹاتی ہے وہ نہیں جان سکتی کہ ہر حکم کا کیا نتیجہ ہوا اور اس طریق عمل کو مصلحت اور پالیسی کے نام سے نامزد کرتی ہے مگر پیغمبر برحق اِن مصلحتوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے نہ وہ کسی سے ڈرتا ہے نہ شرماتا ہے اُس کا بھروسہ خدا پر ہوتا ہے وہ نڈر ہو کر ایکدم خلاف مراسم ذمیمہ اپنی آواز بلند کرتا ہے اور جسقدر جلد ممکن ہوتا ہے اصلاحِ حال کرتا ہے۔ وہ کل کام اپنی زندگی میں پورا کرتا ہی کیونکہ وہ اسی واسطے مامور ہے اُس کو اس سے بحث نہیں ہوتی کہ مجھے کوئی عیب لگائیگا یا بُرا کہے گا یا مخالفت کریگا وہ فقط اپنے خدا کا منشا پورا کرتا ہے۔ پس آنحضرت نے بھی پرواہ نہ کی اور اس رسم کو مٹا دیا کہ اس سے بہت بڑی حق تلفی صلبی بچوں کی ہوتی تھی اور بعض دوسری خرابیاں تھیں جو بیان نہیں کر سکتے۔ اس رسم کے ساتھ رسم دختر کشی بھی دو سکی اور عرب کے لوگ جو اپنے باپ کی بیٹیوں سے نکاح کرتے تھے اُسکو بھی مٹایا۔

بابو۔ پیغمبر خود نکاح نہ کرتے اور حکم دے دیتے تو بھی اس رسم کے مٹنے میں کوئی امر مانع نہ ہوتا۔

ہو گئے ایک یہ کہ ہر ایک نیک و بدحال کی شہادت ہو دوسرے یہ کہ کوئی تیسرا حکم بنے سوامی جی پر خواہ مخواہ ہم کوئی عیب لگانا نہیں چاہتے کیونکہ اس سے زیادہ معصیت اسلام میں نہیں ہے کہ کسی پر جھوٹ باندھا جائے مگر مقابلہ کرو تو ہمارے روبرو کرو کہ ہم نے سوامی جی کو اچھی طرح دیکھا ہے کسی سے یہ تو دریافت کرو کہ سوامی جی دودھ کتنا نوش فرماتے تھے۔

ایکبار گوشت خوری کی بحث میں سوامی جی نے فرمایا کہ جانور اسلئے نہیں پیدا کئے گئے ہیں کہ اُن کا گوشت کھایا جائے کتنا بڑا پاپ ہے کہ زبان کے مزے کے واسطے ایسا کیا جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ دودھ گائے بھینس کو کیا اسلئے دیا گیا ہے کہ اُنکے شیر خوار بچوں سے چھین کر آپ نوش کریں یہ بھی پاپ ہے کہ دودھ پیدا کیا جائے بچھڑوں کے لیے اور استعمال کریں اُن سے چھین کر آپ جیسے مہاتما۔

یہ سنکر سوامی جی ہنسنے لگے اور فرمایا کہ دودھ پینا اتنا ظلم اور پاپ نہیں جتنا جان لینا پاپ ہے۔ میں نے کہا کہ شکر ہے کہ تھوڑے پاپ اور ظلم کے تو آپ بھی قائل ہیں باقی تھوڑا پاپ یا زیادہ یہ امر اضافی ہیں۔

بابو۔ محمد صاحب کے حالات زندگی میں ایک بدنما دھبہ یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے اپنے مُنہ بولے بیٹے زید کی بی بی سے نکاح کر لیا۔

مرزا۔ نکاح اِسلئے کر لیا کہ زید حقیقت میں بیٹا نہ تھا خدا کو منظور تھا کہ اِس رسم کو مسلمانوں سے اُٹھا دے۔ اور حقیقت میں مُنہ بولا بیٹا بیٹا نہیں ہوا کرتا نہ صرف کہنے سے کسی شئے کی حقیقت بدلتی ہے بقول سوامی دیانند جی مہاراج کے پانی کا تالاب کہنے سے گھی کا تالاب نہیں بن جاتا اِسی طرح کوئی مُنہ بولا صلبی بیٹا بھی نہیں بن جاتا ہے۔ اور سچ پوچھو تو اِس قسم کے مراسم ذمیمہ کے مٹانے میں آنحضرت کا کسی سے بشرمانا نہ ڈرنا اِس امر کی دلیل ہے کہ آپ خدا کے سچے رسول تھے۔

اِس شہر میں از روے مردم شماری ہزاروں آدمی ہیں اور ان میں صدہا مریض اور حکیم حاذق ایک ہے اور سب مختلف امراض میں اُس کے محتاج علاج ہیں پھر اس میں کیا مصلحت خداوندی ہے کہ ہزاروں باشندوں کو ایک طبیب کا محتاج کیا۔ سب کو حکیم حاذق کیوں نہ بنایا۔ کہ سب ایک کے محتاج نہ ہوتے یا ہم کو بیمار نہ کیا ہوتا کہ احتیاج لازم آتی۔

بابو اچھا ہدایت کی ضرورت ہی کیا تھی؟

مرزا۔ اگر بیمار ہو کر کہو کہ علاج کی ضرورت کیا ہے تو کہنا بھی درست ہے ورنہ جس طرح مریض کو دفعہ مرض لاحقہ اور حصول صحت جسمی کی ضرورت سے حکیم حاذق کی جانب رجوع کرنا پڑتا ہے اسی طرح ہر انسان کو جو روحانی مختلف مرضوں میں مبتلا ہے۔ ایک ہادی کامل کی ضرورت ہے۔

بابو۔ اچھا اگر محمد صاحب تمام عالم کی ہدایت کے واسطے پیدا ہوئے تھے تو سارے عالم کو ہدایت کیوں نہ ہوئی۔

مرزا۔ رسول کا کام ہدایت کرنا ہے۔ ہر ایک کا ہدایت پانا رسول کے اختیار میں نہیں ہے جیسے حکیم حاذق کا کام علاج کرنا ہے نہ بیمار کو اچھا کردینا یا تندرستی کا ٹھیکہ لینا۔

بابو۔ محمد صاحب میں کوئی ایسی خوبی یا کمال خدا نے کیوں نہ رکھا کہ جس کو دیکھکر ہر ایک انسان آسانی سے اُن کو رسول خدا تسلیم کرتا۔

مرزا۔ ہزاروں خوبیاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں خداوند تعالےٰ نے ایسی رکھی تھیں کہ اُن کو دیکھکر ہزاروں نے آسانی سے۔ اور کروڑوں نے جب سے اب تک اُن کو پیغمبر خدا تسلیم کیا اور آجتک وہ ہی سلسلہ جاری ہے۔ آپ کسی ایک سال کے نو مسلموں کا شمار کر دیکھو یا ایک صدی کے کل مسلمانوں کی تعداد معلوم کر دیکھو

مرزا۔ واہ واہ اگر ایسا کرتے تو دوسرے ہادیوں میں اور اِن میں فرق ہی کیا رہتا تعلیم کی تکمیل تو جب ہی ہوتی ہے کہ ہادی جو کہے وہ خود کر کے دکھائے اگر آنحضرت خود نکاح کر کے اِس رسم کی خرابی کو نہ دکھاتے تو لوگوں کے ذہن سے یہ رسم نہ نکلتی۔ بڑا اثر تو اسی حالت میں ہوا کہ پیغمبر نے عملی مثال قایم کی اور یہ ایک صریح غلطی تھی کہ صرف منہ سے بیٹا کسی کو کہے اور وہ بیٹا ہو جائے۔ یہ رسم باقی رہتی تو خدا جانے صرف کہنے سے کیا کیا رشتہ جات حقیقی معنوں میں ہو جاتے اور ہزاروں خرابیاں پیش آتیں۔

بابو۔ جہاں تک خیال کیا جاتا ہے عام ملکی قومی مراسم کی پابندی تو ضرور کیجاتی ہے۔

مرزا۔ بقول سوامی دیانندجی مہاراج کے ہندوؤں نے بت پرستی کی رسم جین والوں سے سیکھی ہے۔ پھر جب ہندوالوں کے قومی ملکی رسم بت پرستی ہے تو آپ اس رسم کے مٹانے کی کیوں درپے ہو۔ اِس کی پابندی کرو کہ ملک کی قوم کی رسم ہے۔

بابو۔ اچھا خدا کو اس کی ضرورت کیا تھی کہ تمام عالم کے واسطے صرف ایک ہادی پیدا کرے اور سب کی ہدایت کا اُسی کو ذریعہ گردانے اور تمام عالم کو ہدایت پانے میں ایک کا محتاج کرے۔

مرزا۔ آفتاب کو خداوندتعالےٰ نے مصدر حرارت اور منبع نور بنا کر سارے عالم کے جمادات نباتات حیوانات کو حرارت و نور میں اُس کا محتاج کیا ہے۔ پھر اِس کی کیا ضرورت تھی کہ ایک آفتاب کو ہی ذریعہ نور و حرارت گردانے اور سارے عالم کو اُس کو محتاج کرے۔ ہم سب کو مصدر حرارت اور منبع نور کیوں نہ بنا یا کہ ایک کے حاجتمند نہ ہوتے یا ہم کو احتیاج ہی نہ ہوتی۔ علاوہ اِس کے آپکے

سے اِسوقت تک برابر نہیں مانتے آئے۔ پس اُن کا نہ ماننا ہمارے نہ ماننے کو حجت ہے یا نہیں۔

مرزا۔ آپ سے پہلے ہزاروں نے ہر صدی ہر قرن میں خدا کو خدا نہیں مانا اور اب بھی ہزاروں خدا کو خدا نہیں مانتے پس اُن کا نہ ماننا تمہارے نہ ماننے کو حجت کافی ہے پھر خدا کو کیوں خدا مانتے ہو۔

بابو۔ یہ جواب الزامی ہوا۔

مرزا۔ اِس لئے کہ آپ باقاعدہ بحث کرنا نہیں چاہتے۔

بابو۔ بعض عقلمندوں کو آنحضرت کی نسبت بڑی بدگمانی اور بہت توہمات ہیں۔

مرزا۔ جس کو بہت توہمات اور بڑی بدگمانی ہو وہ عقلمند کیوں ہونے لگا۔ زیادہ بدظنی اور توہمات علامات جنون سے ہیں نہ عقلمندی۔

بابو۔ اچھا محمد صاحب سب سے آخر کیوں مبعوث ہوئے۔ جب سرور انبیا تھے تو سب سے اوّل پیدا کئے گئے ہوتے اور قرآن بھی سب سے اوّل کیوں نہ نازل ہوا۔ کہ جس کی وجہ سے لاکھوں آدمی جو محمد صاحب سے اوّل پیدا ہو کر گمراہ ہو گئے وہ ہدایت پاتے۔

مرزا۔ سب کے بعد آنحضرت کا پیدا ہونا اور مبعوث ہونا دلیل اس کی ہی کہ آپ سب سے زیادہ افضل اور اکمل اور تمام اوصاف میں منتہے تھے اور ابتدا پر انتہا مقدم نہیں ہوتی ہر شئے کی ابتدا انتہا میں بُعد لازمی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ کمال کا زمانہ بعد کا ہوتا ہے اور قرآن بھی آخر میں اِسی وجہ سے نازل ہوا کہ حکم آخر ہمیشہ فیصلہ قطعی ہوتا ہے۔ دیکھو عدالت اپیل مرافعہ کو سب سے اعلیٰ محکمہ اپیل مرافعہ کا حکم سب ابتدائی اور درمیانی عدالتی فیصلوں کے بعد

اور یہ کہنا کہ وہ ایسا کمال ہوتا کہ جس کو دیکھکر سب انسان آسانی سے ایمان لاتے ایک طرح کا وسوسہ ہے۔ خداوند تعالیٰ کی ذات جامع الکمالات سے زیادہ کسی میں کیا کمال ہو سکتا تھا مگر دیکھو باوجود اُن کمالات اور اُس کی قدرت کاملہ کے ہزاروں نادانوں نے اُسی کو خدا نہیں مانا۔ تا بہ دیگرے چہ رسد۔ اس سے سے معلوم ہوا کہ نہ ماننے والے کسی کمال کو نہیں مانتے اُن کی نظر میں ہر کمال لاشے ہے۔

٥ علیم بذات الصدور ولہ ما فی السماوات والارض

بابو۔ اچھا ہمنے محمد صاحب کو اور اُن کے خوبیوں کو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا۔ پھر سنی سنائی بات کو کیونکر یقین کریں۔

مرزا۔ کوئی شخص اپنے آپ کو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے نہیں دیکھتا اور آپنے بھی اپنے کو پیدا ہوتے نہیں دیکھا۔ نہ باپ کو باپ جاننے کی کوئی چشم دید وجہ رکھتا ہے نہ آپ رکھتے ہو پھر کس یقین پر باپ کو باپ کہا جاتا ہے اور کیوں سنی سنائی باتوں پر یقین کیا جاتا ہے اور یقین بھی اس مرتبہ کا کہ اُسکے خلاف یقین کرنا ناممکن ہے۔ اسی طرح لندن۔ فرانس وغیرہ ملکوں کو آپ نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا تو بھی اُن کے ہونے کا ایسا ہی یقین ہے کہ گویا خود اپنی آنکھ سے دیکھ چکے ہو۔

بابو۔ متصل اور متواتر صدہا ذریعے ایسے ہیں کہ اُن سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ ماں باپ ہیں اور ضرور کوئی لندن اور فرانس ملک بھی ہیں۔

مرزا۔ وہ ہی متصل اور متواتر لاکھوں ذریعے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری پر یقین دلاتے ہیں۔ چنانچہ اُسی یقین پر اس وقت تک اُن کو کروڑوں نے پیغمبر خدا تسلیم کیا اور تسلیم کرتے چلے آتے ہیں۔

بابو۔ ہزاروں نے اُس وقت محمد صاحب کو پیغمبر نہیں مانا اور ہزاروں اُس وقت

پادرے۔ نہ یہ کہ ہادی گھر گھر پھرتا پھرے۔ مریض شہر بشہر حکیم حاذق کی تلاش کرتا پھرتا ہے نہ یہ کہ حکیم۔ البتہ حاکم وقت حکیم کو حکماً وہاں بھیجتا ہے جہاں مرض عام وبائی ہو۔ اُس زمانہ میں چونکہ جزیرہ نما عرب میں وبائے عام یا مرض عام تھا۔ یعنی لاکھوں مرض معصیت میں مبتلا تھے اِس لئے حاکم حقیقی نے محمد صاحب جیسے حکیم روحانی کے بھیجنے کی وہاں ضرورت سمجھی باقی اُس کی حکمت اخلاقی سے تمام دنیا فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ دیکھو یونان میں تمام نامور حکیم پیدا ہوئے اور اکثر نامور ڈاکٹر یورپ میں پیدا ہوئے جنہوں نے علاج الامراض میں بہت کچھ کمال دکھلایا۔ اور اب سب اُن کے نسخہ جات استعمال کرتے ہیں۔ اب آپ کو چاہیئے کہ یونانی اور یورپین ڈاکٹروں کے مجوزہ علاج نہ کرو کہ ہند کے حکیموں میں سے نہ تھے۔ سِوِل سروس پاس کرنے سب ہندوستان بلکہ تمام ایشیا سے لندن جاتے ہیں مگر لندن یونیورسٹیاں گھر گھر نہیں پہنچتیں۔ بہت ادویہ ایک ہی جگہ سارے عالم میں پیدا ہوتی ہیں گھر گھر وہ ادویہ پیدا نہیں ہوتیں نہ اُن کی حاجتمند یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے گھر کی یہ دوا پیدا شدہ نہیں ہے اِس لئے اِس کو استعمال ہی نہیں کرتے البتہ یہ خداوند تعالےٰ کی رحمت ہے کہ انسان کی ضروری۔ اور کثیر الاستعمال چیزوں کی اطلاع اور علم کسی نہ کسی طرح سب کو ہو جاتا ہے پھر اُس کو استعمال میں لانا نہ لانا یہ انسان کی مرضی کی بات ہے پس محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبعوث اور ہادی ہونے کی اطلاع منجانب اللہ سب کو پہنچ چکی یہ ہی خدا کا کام تھا۔

بابو۔ اچھا اگر محمد صاحب کے مبعوث ہونے کی اطلاع کسی کو نہ ہوئی تو اُس سے مواخذہ تو نہ ہوگا۔؟

صادر ہوتا ہے۔ چونکہ آنحضرت خاتم الانبیا تھے اِس لئے سب کے بعد مبعوث
ہو کر سلسلہ نبوت کو ختم کیا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ وید ابتدائی کتاب اور دوسری
کتابیں درمیانی قابل ترمیم اور تنسیخ قرار پائیں اور قرآن کے بعد یہ سلسلہ ہی ختم
ہو گیا کہ فیصلہ ناطق تھا۔ اور نبی مبعوث نہ ہونے کی وجہ سے گمراہ مرنے کا عذر
جب ہو کہ کوئی قوم بغیر ہادی رہی ہو۔ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ
یعنی ہر قوم کی ہدایت کے واسطے ہدایت کرنے والا بھیجتے رہے ہیں۔ ہاں یہ
ضرور ہے کہ آنحضرت کی اُمت بہ نسبت دوسری امتوں کے آپ کے زمانہ
میں اور آپ کے بعد قیامت تک بہ برکت تربیت خاص آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے مکارم اخلاق اور فیوض لاانتہاہی میں دوسری امتوں سے سبقت
لیگئے ہے۔ سو یہ انعام خداوندی ہے۔ دیکھو آپ کے باپ دادا جو آپ سے
پہلے دنیا میں رہکر مر گئے اُن کو دنیاوی آرام آسایش اپنے زمانہ میں ایسی نہ
ملی ہونگی جیسی آپ کو میسر آئی ہیں نہ اِس درجہ تجارت صنعت کو ترقی تھی نہ ریل
تار دخانی جہاز وغیرہ تھے نہ اور ہزاروں اسباب آسایش کے اُن کو میسر
تھے پھر یہ کوئی اعتراض خدا پر ہو سکتا ہے کہ ریل تار وغیرہ ہزاروں چیزیں اول
ہی کیوں نہ ایجاد کرا دیں کہ سب اگلے بھی اِن سے آرام اور فائدہ اُٹھاتے۔ یہہ
انعامات خداوندی ہیں کسی پر زیادہ اور کسی پر کم۔

بابو۔ تمام مسلمان خیال کرتے ہیں کہ محمد صاحب تمام عالم کی ہدایت کیواسطے
پیدا ہوئے تھے حالانکہ تمام عمر ایک جزیرہ نما عرب میں اُن کی ہدایت جاری
رہی بلکہ خاص مکہ مدینہ میں اگر تمام عالم کی ہدایت کے واسطے مبعوث ہوتے
تو عالم میں ہندوستان والے بھی تھے یہاں بھی ہدایت کو آتے۔

مرزا۔ ہدایت پانے والے کا فرض ہے کہ جہاں ہادی ہو وہاں جا کر ہدایت

نہ رکھنے والے سے اسی بنا پر ضرور مواخذہ ہونا چاہئے۔

بابو۔ پھر خدا کی طرف سے کوئی اشتہار دیا گیا۔

مرزا۔ ہاں یہ قرآن بمنزلہ اشتہار الٰہی کے ہے اس سے بے خبر رہنا قابل مواخذہ ہے۔

بابو۔ جو حکم کسی حاکم کا بذریعہ اشتہار جاری ہوتا ہے تو اُس اشتہار پر ہر حاکم کی مہر و دستخط ہوتے ہیں یا کوئی دوسرا ایسا قرینہ ہوتا ہے جس کے دیکھنے سے یہ وہم باقی نہیں رہتا ہے کہ یہ حاکم وقت کا اشتہار نہیں ہے اس لئے اُس کی عدم تعمیل پر کوئی مواخذہ بھی نہیں ہوتا۔ پس قرآن میں کونسی ایسی مہر یا قرینہ ایسا صاف ہے کہ حکم خدا اور حکم انسان میں تمیز ہو سکے

مرزا۔ وہ قرینہ یا مُہر قرآن کی فصاحت و بلاغت ہے۔ دنیا کے حاکموں کے مہر و دستخط میں تو کوئی قرینہ ما بہ الامتیاز کیوں نہو جعل او صنعت کی گنجائش ہوتی ہے مگر قرآنی فصاحت و بلاغت کی نسبت خدا نے اطمینان دلا دیا ہے کہ آج سے قیامت تک ساری دنیا کی جن و انس اس میں جعل و صنعت کرنا چاہیں گے تو نہ کر سکیں گے دنیا میں مشکل سے مشکل کوئی نقش یا مہر یا دستخط ایسا نہیں کہ جس کے مثل تیار نہ ہو سکے دیکھو جہاں تک انگلستان کے دانشمندوں سے ہو سکا ہے اسٹامپ کے نقش کو کمال صنعت سے مشکل کر دیا ہے۔ مگر مثل اُس کے بنا نا محال نہیں ہے کہ جعل سازوں نے مثل اُس کے نقش بنا دئے ہیں۔ قِسْ عَلیٰ ہٰذَا۔ مگر قرآن کی مثل بنانا محال ہے چنانچہ ایک سورۃ بھی کسی سے نہ بن سکی۔ اِس سے زیادہ خدا اپنے قرآن میں جو بمنزلہ اشتہار ہے کیا قرینہ ما بہ الامتیاز رکھتا۔

بابو۔ اب تک کوئی سُورۃ قرآن کی مثل نہ بنا سکنا اس کی دلیل نہیں ہے

مرزا۔ باوجود تلاش اور تجسس اگر کسی کو اطلاع نہ ہوئی ہوگی تو وہ معذور سمجھا جاوے گا ورنہ اطلاع نہ رکھنے کا بھی مواخذہ ہو تو عجب نہیں۔

بابو۔ یہ تو خدا کی زبردستی ہوئی کہ خبر بھی نہ دے اور مواخذہ بھی کرے۔

مرزا۔ عام شہرت پیغمبر کے مبعوث ہونے کی قایم مقام اس امر کے ہے کہ گویا ہر فرد بشر کو فرداً فرداً مطلع کیا گیا ہی۔

بابو۔ یہ تو خلاف قیاس ہے۔

مرزا۔ فرض کرو کہ کوئی شخص دیہاتی ہو اور قانون اسلحہ کی منشا سے ناواقف ہونے کی حالت میں اُس انگریزی علاقہ میں ہتھیار لیجاوے کہ جہاں بلا حصول لائسنس ہتھیار لیجانے کی ممانعت ہے تو اُس سے پولس اُس علاقہ کا مواخذہ کریگا یا نہیں۔ یا ناواقف کا یہ کہنا کہ مجھے خبر نہیں کافی عذر سمجھا جائے گا۔ ایسطرح کوئی دوسرا جرم فوجداری ناواقفیت قانوں کی وجہ سے سرزد ہوگا تو وہ شخص قانونی مواخذہ سے بری ہوگا یا نہیں۔ وہ اگر بری نہ ہو تو بقول آپکے زبردستی اور ظلم گورنمنٹ کا ہے کہ بلا حصول دستخط اطلاعیابی ہر ایک شخص کے کسی ایک سے مواخذہ قانونی کرتی ہے۔

بابو۔ اُس سے مواخذہ اس سبب سے کیا جاتا ہے کہ ہر ایک قانون ملکی عام طور سے مشتہر ہو جاتا ہے۔ پس باوجود شہرت اسکی خبر نہ رکھنا قصور قابل مواخذہ ہے۔

مرزا۔ پس بقول آپ کے اگر عام شہرت کسی قانون کے کسی ملک میں ہر فرد بشر جاہل عالم نزدیک و دور کی اطلاعیابی کی قایم مقام سمجھی جا سکتی ہی اور اِس بنا پر ہر ناواقف قابل مواخذہ ہے تو میرا کہنا درست ہوا اور اِس صورت میں خدا پر اعتراض کرنا کمال درجہ کی دلیری ہے۔ معلوم ہوا کہ خبر

بابو۔ کل سے مراد اِسی ہفتہ سے نہیں ہے محاورہ کی بات ہے جس سے یہ مراد ہے کہ شاید آیندہ ایسا ہو سکے گا۔

مرزا۔ سبحان اللہ امکان پر جب کوئی قرینہ عقلاً قایم نہ کر سکے تو لفظ شاید لکھکر اطمینان دلا سکتے ہو۔ اِس صورت میں میرا یہ کہنا بھی درست ہوگا یا نہیں کہ میں شاید انسان کامثل بھی بنا سکوں۔

بابو۔ ہاں درست ہے۔

مرزا۔ تو اب ہمارا اور آپ کا اِس بات پر فیصلہ ہو گیا کہ اگر آیندہ انسان اپنی مثل انسان بنا سکے گا تو قرآن کی مثل کوئی سورۃ بھی بنا سکیگا۔ وھو محال۔

بابو۔ ایک آیت کی مقدار تو شیطان نے بھی عبارت قرآن کی مثل لکھدی ہے جیسا کہ پنڈت لیکھرام صاحب نے بحوالۂ کتب معتبرۂ اسلامیہ اپنی کتاب تکذیب کے صفحہ ۴ میں لکھا ہے کہ ایک روز محمد صاحب قریش کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۃ والنجم نازل ہوئی آنحضرت جب اِس آیت کو پڑھنے لگے اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى تو شیطان نے یہ عبارت آنحضرت کی زبان سے لوگوں کو سُنوادی تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى یعنی بت بڑے بزرگ ہیں اور تحقیق ان سے شفاعت کی امید رکھنی چاہئے۔ یہ سنکر قریش خوش ہو گئے۔

مرزا۔ جہاں سنے سنائے اعتراض عیسائیوں کے لیکھرام صاحب نے اکثر نقل کئے ہیں وہاں یہ بھی غلط قصہ نقل کر دیا ہے ورنہ جمہور اہل اسلام کا یہ مذہب ہے کہ یہ قصہ غلط ہے چنانچہ محققین نے اصول روایت اور درایت پر نظر کر کے اِس قصہ کو غلط ثابت کیا ہے۔ قاضی عیاض نے اِس قصہ کو مہمل کہا ہے اور ابوبکر بزاز نے فرمایا کہ ھذا الحدیث لا نعرفه یروی عن النبی باسنادٍ

کہ قیامت تک بھی کوئی آیت نہ بن سکے گی۔

مرزا۔ پس یہی دلیل ہے جواب تک محال ثابت ہوا وہ آیندہ بھی محال ثابت ہوگا۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ آپ اپنے جیسا انسان بنا سکتے ہیں یا نہیں یا آج تک کسی نے آپ جیسا انسان جاندار بنایا ہے یا نہیں اور آیندہ بھی کوئی بنا سکے گا یا نہیں۔ ؟

بابو۔ انسان نہ اپنے جیسا انسان بنا سکتا ہے نہ آج تک کسی نے بنایا نہ آیندہ بنا سکے گا۔

مرزا۔ یہ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ آیندہ بھی نہ بنا سکیگا۔ بقول آپ کے انسان کا انسان آج تک نہ بنا سکنا اِس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ آیندہ بھی کوئی نہ بنا سکیگا۔

بابو۔ کیا قرآن کی برابر آیت بنانا اور انسان کا بنانا برابر ہے۔ دنیا میں بہت سی ایجادیں ایسی ہوئی ہیں کہ ایک مدت دراز تک مثل اُن کے ایجاد کرنے کی کسی کو قدرت نہ تھی اور اُن کی نسبت ایک مدت دراز تک یہی خیال ہوتا تھا کہ اِن کی مثل اب آیندہ ہونا ناممکن ہے۔ مگر درحقیقت اُس کا مثل ممتنع نہ تھا آخر کچھ روز بعد مثل اُن کا ہو گیا۔

مرزا۔ اسے میں تسلیم کرتا ہوں کہ کسی ایجاد کا جواب دو چار سو برس تک نہ ہو سکا مگر آخر ایک زمانہ کے بعد بقول آپ کے اُن کا مثل ایجاد ہو گیا تو اس حساب سے قرآن کا مثل بھی ہو جانا چاہیئے تھا۔

بابو۔ ہر چیز کے واسطے خاص مدت اور وقت درکار ہے۔ کیا معلوم ہے کہ کل ہی کوئی سورۃ مثل قرآن کے بنا کر پیش کردے۔

مرزا۔ اچھا کل پرسوں تک اور انتظار کرنا چاہیئے اگر کل پرسوں تک کوئی سورۃ نہ پیش ہو تب تو امید ہے کہ آپ بھی قرآن کی مثل محال سمجھیں گے۔

ضرور آنحضرت سے کہتے کہ ہمارے معبودوں کی تعریف کر کے اب کیوں برا کہتا ہے اور ہمیشہ یہی طعنہ دئے جاتے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا۔ دوسرے اُس مجلس میں جہاں قریش تھے وہاں مسلمان بھی موجود تھے۔ پھر اِس واقعہ کو دیکھکر وہ خود معترض ہوتے اور اِس روایت کو تمام صحابہ جو اُس مجلس میں موجود تھے روایت کرتے نہ یہ کہ ابن عباس تنہا روایت کرتے جو اُس وقت عالم وجود میں بھی نہ آئے تھے اور یہ عجیب لطف ہے کہ اہل شیعہ تو سُنیوں کی نسبت اِس قصہ کی روایت کا الزام لگاتے ہیں اور اہلسنت اہل تشیعہ کی نسبت دیکھو مظہر العجائب صفحہ ۲۶ و ۲۷۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں مذہب والے اِس قصہ کو غلط جانتے ہیں۔

بابو۔ مگر غلط روایتوں کا کتب مذہب میں نقل ہو جانا اُس اعتبار کو کھوتا ہے جس پر مسلمانوں کو بڑا فخر ہے۔

مرزا۔ مسلمانوں نے کبھی یہ دعوےٰ نہیں کیا کہ شروع اسلام سے اِس وقت تک کسی نے ہمارے ساتھ فریب نہیں کیا۔ مغالطہ نہیں دیا یا غلط روایت کسی مخالف نے بھی نہیں بیان کی ہے۔ بلکہ اس بات پر فخر ہے کہ مسلمانوں نے وہ قواعد تحقیق اور تنقیح کے اور وہ اصول اور وہ حدود مقرر کئے ہیں کہ اُن کی وجہ سے دودھ کا دودھ پانی کا پانی ثابت ہو جاتا ہے۔ علم اسانید اور اسمار الرجال کے وہ قلعہ شکن توپیں حفاظت خزانۂ حدیث کے لئے لگا دی گئی ہیں کہ وہ کسی زبردست سے زبردست جعلی دھوکہ باز چور صنعتی کو اِس خزانہ محفوظ کے قریب نہیں پھٹکنے دیتی ہیں سب کے پر جلتے ہیں بہت چاہا اور بہت کوشش ہوئی کہ سلسلہ روایت میں نقصان پیدا کریں مگر مجال کیا ہے کہ اسلام کا بال بیکا ہو۔

بابو۔ مگر یہ تلک الغرانیق کی آیت قرآن میں سورہ نجم میں اس وقت موجود ہے دیکھو تکذیب صفحہ ۴۷

متصل وانما یعرف عن الکلبی عن ابی صالح والکلبی ممن لا یجوز الروایة عنه ولا ذکرہ لقوة ضعفه وشدة کذبه یعنی ہم نہیں جانتے کہ یہ حدیث پیغمبر خدا سے باسناد متصل روایت کی گئی۔ ہاں یہ مشہور ہے کہ اِس حدیث کو لوگوں نے کلبی سے روایت کی اور کلبی نے ابی صالح سے اور کلبی اُن بے اعتباروں میں داخل ہے کہ جن سے روایت کرنی جائز نہیں نہ اُس کا ذکر کرنا درست ہے کیونکہ اُس کا ضعف اور دروغ نہایت قوی اور شدید ہے۔ اور قاضی ابن خلکان کلبی کی نسبت لکھتے ہیں وکان من اصحاب ابن سبا الَّذِیْ کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ عَلِیًّا لَمْ یَمُتْ وَاِنَّهٗ یَرْجِعُ اِلَی الدُّنْیَا یعنی کلبی عبداللہ ابن سبا یہودی صنعانی کے یاروں میں سے تھا اور یہ ابن سبا یہودی وہ ہے کہ کہتا تھا کہ حضرت علی نے وفات نہیں پائی پھر دنیا میں تشریف لاویں گے انتہٰی۔ از نوید جاوید صفحہ ۴۴۳۔ اور مولوی مہدی علی خاں صاحب نے اِس بحث کو مفصل لکھا ہے اور بحوالہ محققین کہا ہے کہ جو ابن عباس سے روایت کی جاتی ہے یہ اُن پر تہمت ہے۔ یہ قصہ اُن کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب یہ قصہ غلط ہے تو اعتراض بھی غلط ہے اور خود پنڈت لیکھرام صاحب لکھتے ہیں۔ شعر

سُنکے حضرت ہوئے بسا محزوں　　تب تسلی کو پہنچی آیت یوں

یعنی جب حضرت صلے اللہ علیہ وسلم اِس واقعہ پر مطلع ہوئے تو سخت رنجیدہ ہوئے۔ پس جن قبائل قریش نے اوّل تعریف کرتے دیکھا ہوگا اُنہوں نے اُس تعریف پر آنحضرت کو یہ رنج اور افسوس کرتے بھی دیکھا سُنا ہوگا۔ یا نہیں۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ آنحضرت بپاس خاطر قریش اوّل اُن کے بتوں کی تعریف فرما کر پھر اُن کو بدستور بُرا کہتے اور لا الٰہ الا اللہ کی تعلیم دیتے تو قریش

اِس فن میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں از انجملہ ابو حاتم سہیل ابن محمد نے جو ۲۴۸ھ
میں فوت ہوا اعراب القرآن میں ایک کتاب لکھی اسی طرح ابو مروان عبدالملک
نے ایک کتاب لکھی ہے یہ شخص ۲۳۹ھ میں مرا ہے۔ علاوہ اس کے ابو عباس
نے اعراب القرآن میں کتاب لکھی جس نے ۲۸۶ھ میں وفات پائی اور ثعلب
نحوی نے کتاب لکھی اس نے ۲۹۱ھ میں وفات پائی۔ ابو جعفر احمد بن محمد نے
جو ۳۲۸ھ میں فوت ہوا اور حسین ابن محمد نحوی جس نے ۳۷۰ھ میں وفات پائی علیحدہ
کتابیں لکھی ہیں۔ علی ابن ابراہیم جو ۴۳۰ھ میں فوت ہوا دس جلدوں میں ایک کتاب
اس فن کی لکھی۔ مکی ابن ابی طالب قیسی نے جو ۴۳۷ھ میں مرا اسی فن میں علیحدہ کتاب
لکھی ہے۔ ابو طاہر اسمٰعیل ابن خلف نحوی جو ۴۵۵ھ میں فوت ہوا ۹ جلدوں میں کتاب
لکھی۔ ابو زکریا تبریزی نے ۵۰۲ھ میں وفات پائی اور ایک کتاب اس فن کی
لکھ گیا۔ ابو البقا عبداللہ ۶۱۶ھ میں مرا اور اس نے ایک کتاب اعراب القرآن
میں لکھی اسی طرح معانی القرآن میں الفاظ کے بعد قرآن کے محاسن معنوی کی
بحث ہے کہ قرآن مجید کن معانی پر مشتمل ہے وہ معانی کن طریق سے ادا ہوتے
ہیں۔ کن معانی کو کن مختلف صلات وحروف روابط سے ادا کیا گیا ہے اور یہ مختلف
صلات وحروف روابط معانی میں کیا اثر پیدا کرتے ہیں۔ الفاظ کی تقدیم وتاخیر
تعریف وتنکیر اطلاق وتقید وغیرہ سے معانی میں کیونکر اثر پیدا ہوتا ہے۔
غرضکہ علمائے اسلام نے اس فن میں بھی بہت کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ اس کے
بعد اعجاز القرآن ایک علیحدہ فن ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء پر خدا کی
طرف سے جو کتابیں نازل ہوئیں وہ اپنے معانی۔ مقاصد۔ ارشادات اور
ہدایات کی بنا پر ہر زمانہ میں معجزہ رہی ہیں۔ لیکن اس قرآن مجید کی ایک خصوصیت
ہے وہ یہ کہ اپنے معانی اور ارشادات کے ساتھ اپنے الفاظ اور ترکیب کلام

مرزا۔ سبحان اللہ آپ اور لیکھرام صاحب اور ایک ناواقف پادری صاحب جن کا ریویو تکذیب میں درج ہے آنکھ کھولکر قرآن میں تو نہ دیکھیں اور ہیں تکذیب میں اس آیت کو دیکھوں یہ بھی وہی مثل ہوئی کہ چہ خوش گفت سعدی در زلیخا الخ ابھی تک آپ اور آپ کے ساتھی یہ ہی سمجھے ہوئے ہیں کہ یہ آیت قرآن کی ہے اور قرآن میں ہے۔ آپ نے کیا قرآن مجید کو بھی اتھروید سمجھا ہے کہ جس میں اُپ نشد یعنی کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا اسی کے ہم معنی کسی نے کچھ ملا دیا ہے جس کی الحاقی ہونے پر کئی سو برس بعد اب شامی دیانندجی صاحب کو اطلاع ہوئی اور مسلمانوں سے بحث مباحثہ فرضی شروع ہوا دیکھو ستیارتھ پرکاش مصنفہ سوامی دیانندجی باب ۱۴ صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۲۔

قرآن کیا ایسی چیز ہے کہ کسی انسان یا کسی شیطان کا کلام اُس میں مل جائے اور خبر نہ ہو۔ حضرت من اُس میں بڑھائے جانے اور بدل دئے جانے کی تو کسی کو قدرت ہی نہیں دی گئی رہا گھٹانا وہ بھی کسی کی بس کی بات نہیں اُس کا ایک ایک حرف ایک ایک لفظ ایک ایک آیت تک شمار کرلی گئی ہے حتیٰ کہ کل حرکتیں۔ زیر۔ زبر۔ پیش تک لکھے ہوئے ہیں۔ قرآن کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہی اُس کو کہاں تک کوئی بیان کرسکتا ہے۔ غور کیجئے کہ تمام سابق زبانوں میں صرف بابلی اور عربی دو زبانوں میں جن میں اجزائے کلام کے باہمی ارتباط اور تعلق کے اظہار کے لئے اعراب یعنی آخر حروف میں زیر زبر پیش کا استعمال ہوتا ہے انہی اعراب کے ذریعہ سے عربی زبان میں فاعل مفعول مضاف مضاف الیہ حال تمیز وغیرہ کا امتیاز ہوتا ہے اِس لئے فہم معنی کے لئے اعراب سے واقف ہونا کسقدر ضرور تھا علمائے اسلام نے اِس ضرورت کو کس خوبی اور جامعیت سے پورا کیا تاکہ حال و استقبال میں قرآن کے معنی کے متعلق کبھی غلط فہمی واقع نہو چنانچہ

اسلام میں جو اہتمام احادیث کی حفاظت کا کیا گیا ہے اتنا ہی کوئی اہتمام حفاظت اپنی الہامی کتاب کا ثابت کردے۔ تو بس ہم ہارے۔ مصرع

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

بابو۔ اچھا یہ تسلیم کیا کہ تلک الغرانیق کے متعلق جو قصہ مشہور ہے یہ غلط ہے مگر یہ تو غلط نہیں ہے کہ یہ عبارت تلك الغرانيق العلیٰ وان شفاعتهن لترتجی مثل عبارت قرآن کے ہے اور جب مثل عبارت قرآن کے ہے تو وہ دعوے کہ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ یعنی ایک سورۃ اسی طرح کی لے آؤ۔ کہاں باقی رہا۔ اور یہ کہنا غلط ثابت ہوا کہ قرآن کا مثل ممتنع ہے۔

مرزا۔ پھر کیا یہ عبارت تِلْكَ الْغَرَانِيق قرآن کی سورۃ کی برابر ہے؟

بابو۔ سورۃ کی برابر تو نہیں ہے مگر ایک آیت کی برابر تو ضرور ہے۔

مرزا۔ پھر جب بقول آپ کے آیت کی برابر ہے اور سورۃ کی برابر نہیں ہے تو فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ کا دعوے کیونکر ٹوٹ گیا ذرا درستی حواس کے ساتھ گفتگو کرو تا کہ جو سُنے وہ نہ ہنسے اور یہ عبارت تو پوری ایک آیت کی برابر بھی نہیں ہے اس لئے کہ اگر اِس کو قرآن کی عبارت سے متعلق نہ کرو تو اِس کے صحیح معنی بھی سمجھ میں نہیں آسکتے علاوہ اِس کے یہ عبارت فصیح بلیغ مثل قرآن کے کہاں ہے پہلے اِس کو ثابت کرو کہ آپ اِس کے مدعی ہو پھر ہم ثابت کرینگے کہ یہ عبارت بلیغ نہیں اور مثل قرآن کے ہونا تو شئے دیگر ہے۔

بابو۔ پنڈت لیکھرام صاحب نے بڑی سورۃ کی مقدار بھی ایک عربی عبارت اپنی کتاب تکذیب کے صفحہ ۲۰۲ میں نقل کی ہے جس کی نسبت اہل شیعہ خیال کرتے ہیں کہ وہ قرآن کی سورۃ ہے اور کلام الٰہی ہے چونکہ علیؓ اور اہل بیتؑ کی تعریف میں وہ سورۃ تھی اِسلئے علیؑ کے دشمنوں نے اُس کو

اور ادا ئے مقصود اور تعبیر مفہوم میں بھی اعجاز رکھتا ہے یہ ہی سبب ہے کہ صحف
قدیمہ گو اپنے معانی کے لحاظ سے اب تک باقی ہوں لیکن وہ اپنے الفاظ و
ترکیب الہامی کے لحاظ سے مدت ہوئی کہ دنیا سے مفقود ہو چکے ہیں۔ مگر
قرآن مجید جس طرح اپنے معانی تعلیمات اور ہدایات کے لحاظ سے غیر فانی ہے
اُسی طرح اپنے الفاظ و عبارت الہامیہ کے لحاظ سے بھی غیر فانی ہے۔ پس امر
مذکورہ پر جن کتابوں کے ذریعہ سے علماء نے روشنی ڈالی ہے وہ ایک نہیں
بہت سی کتابیں ہیں اُن کے دیکھنے اور سمجھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کیا شئی
ہے کہیں حقیقت اعجاز بیان ہے کہیں اسباب اعجاز کی تشریح انواع اعجاز
کی تقسیم و تحلیل۔ محاسن عبارات قرآن کی تفصیل ہے کہیں نکات و وجوہ بلاغت
و فصاحت قرآن کی توضیح ہے۔ اِس کے بعد مجاز القرآن۔ تشبیہ القرآن امثال القرآن
میں کتابیں لکھی گئیں ہیں یہ جو کچھ ہوا سب منجانب اللہ ہے تاکہ قیامت تک ہر
اعتراض سے کلام پاک پاک رہے۔ اور قرآن کا ہر ایک لفظ متواتر ہے ہزاروں
ہزار حافظ اُس کا ہر صدی ہر قرن میں ہر شہر و دیار میں موجود رہا اور موجود ہے کسی
چھوٹی سی بستی میں دیکھ لیجیے کہ فی صدی کتنے حافظ مسلمانوں میں قرآن شریف
کے موجود ہیں بخلاف وید کے کہ اُس کا حافظ تمام دنیا میں نہیں سنا اور حال
میں موجود ہونا تو کیسا اور قرآن کے لاکھوں آدمی بچے سے بڈھے تک روز اُسکی
تلاوت کرتے ہیں۔ غرضکہ کیا مجال ہے کسی کی کہ اُس میں تحریف لفظی یا معنوی کر سکے
ایک قرآن ہی دنیا بھر کی کتابوں میں باعتبار اپنے طریقہ حفظ و امان کے اُسی طرح
بے نظیر ہے جیسے کہ اپنی فصاحت و بلاغت میں بے نظیر ہے۔ چنانچہ سر
ولیم میور صاحب بہادر نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ اگر ہمارا یہ کہنا غلط ہو تو اسکے
خلاف ثابت کیجیے یا کسی کتاب کی مثال دیجیے۔ خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی

نے نقل کی ہے وہ گو کلام الٰہی نہ ہو مگر نزدیک اہل شیعہ کے وہ مثل عبارتِ قرآن ہے۔ اِس کا جواب یہ ہے کہ اِس تمام عبارت میں اسقدر غلطیاں ہیں کہ اگر بیان کی جاویں تو ایک کتاب ہو اور معتبر اہل شیعہ ہی کسی عبارت عربی کو فصاحت بلاغت میں قرآن مجید کا ہم مرتبہ اور ہم پایہ نہیں سمجھتے خواہ وہ حضرت علیؑ کی تعریف ہو یا کسی اور کی جیسا کہ ثابت ہوا اور قرآن مجید کی اصلی عبارت کو تمام علمائے اہل شیعہ سہل ممتنع اور معجزہ جانتے ہیں کیونکہ وہ بھی زبان عربی میں کمال رکھتے ہیں وہ ایسے جاہل نہیں ہیں کہ کسی مہمل عبارت کو مثل قرآن کے سمجھ لیں دیکھو تنقیح البیان مولفہٗ فاضل بےنظیر مولوی سید محمد صاحب شیعہ بجواب تحریف القرآن جس میں اُنہوں نے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن بوجہ اپنی کمال فصاحت بلاغت کے سہل ممتنع ہے ورا گر سہل ممتنع نہیں ہے تو اب کیا گیا ہے کچھ آپ ہمت کیجئے۔

بابو۔ اچھا اگر قرآن سہل ممتنع ہے تو آریہ کہتے ہیں کہ ہمارا وید کا مثل بھی ممتنع ہے اور غالب نے لکھا ہے کہ سعدی کا کلام بھی فارسی میں سہل ممتنع ہے تمام عیسائی اور آریہ کہتے ہیں کہ فیضی کا کلام یعنی قرآن کی تفسیر صنعت مہملہ والی سہل ممتنع ہے پھر قرآن سہل ممتنع ہوا تو کیا بڑی بات ہے۔

مرزا۔ نہ آریوں کے کہنے سے وید کا مثل ممتنع ہو سکتا ہے نہ غالب کے کہنے سے سعدی کا کلام سہل ممتنع ہو سکتا ہے نہ آریوں کے کہنے سے کلامِ فیضی کیونکہ نہ یہ دعوے فیضی کے کلام میں پایا جاتا ہے نہ سعدی کے کلام میں نہ ویدوں میں جب خود مصنف کتاب دعوے نہ کرے تو دوسروں کو ایسا دعوے نہیں پہنچتا فیضی اور سعدی کے کلام کو سہل ممتنع کہنا داخل تعریفِ فیضی اور سعدی ہے نہ دعوے۔ اِسی طرح آریوں کا یہ دعویٰ اُنکی حسن عقیدت

قرآن سے نکال ڈالا وہ عبارت فصاحت میں مثل قرآن ہے۔

مرزا۔ اگر شیعہ بقول تمہارے اُس عبارت کو کلام الٰہی سمجھتے اور حضرت علیؑ کے دشمنوں کی قرآن سے نکال ڈالی ہوئی سورۃ جانتے تو ضرور تھا کہ کُل اپنے قرآنوں میں اُس نکلی ہوئی عبارت کو داخل کر لیتے اور ناقص قرآن کی تلاوت نہ کرتے مگر کسی شیعہ کے قرآن میں وہ عبارت جو صفحہ (۲۰۲) میں لیکھرام صاحب نے درج کی ہے شامل نہیں ہے حالانکہ اُس عبارت کو قرآن میں شامل کرنے کا کوئی امر مانع نہیں اگر کوئی مانع امر ہے تو اُس کا مہمل ہونا ہی مانع ہے دوسرے معتبر علمائے اہل شیعہ اِس کے قائل نہیں ہیں کہ قرآن سے کوئی عبارت نکال لی گئی ہے اور جاہل اور عوام اہل شیعہ کے اقوال حجت نہیں چنانچہ مجتہد العصر لکھنؤ اِس سوال کے جواب میں (کہ نزد آنجناب بیروں کردن بعضے از خلفاء ثلاثہ بعض آیہ یا بعض سورہ را از قرآن ثابت است یا نہ) لکھتے ہیں (کہ اخراج بعض سورۃ و بعض آیات از قرآن ثابت نیست) دیکھو جامع المسائل مجتہد صاحب لکھنؤ جلد ۲ صفحہ ۳۹ مشمولہ اخبار الاخبار غلام حسنین نمبر ۲۱۳۔ اور کتاب حدیقہ سلطانی میں جو معتبر کتاب شیعہ ہے نقلاً عن مجمع البیان فی تفسیر (اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ) میں یہ مرقوم ہے والزیادۃ فی القرآن باطل بالاجماع واما النقصان فروا قوم من اصحابنا وبعض الحشویہ من العامۃ والاصح خلافہ کما نص بہ سید المرتضیٰ دیکھو دونوں باتوں سے اہل شیعہ کو انکار ہے نہ اُن کے نزدیک موجودہ قرآن میں کچھ زیادتی نہ اِس میں کچھ نقصان آیا۔ اور جو نقصان بیان کرتے ہیں وہ عوام ہیں نہ خواص اہل شیعہ اور مذہب میں عوام کا قول حجت نہیں ہوتا اب رہی یہ بات کہ جو عبارت ایک سورۃ کی مقدار صفحہ ۲۰۲ میں لیکھرام صاحب

تو تم بھی مثل اس کے ایک سورۃ لکھ لاؤ۔ دوسرا دعوے اُن کو غیرت دلانے
اور ہمت بڑھانے اور زیادہ آمادہ کرنے کو یہ کیا گیا کہ عرب والے تو
بجائے خود اگر ساری دنیا کے جن و انس ملکر کوشش کریں کہ مثل قرآن کے
بنا سکیں تو ہرگز نہ بنا سکیں گے نہ اب نہ آیندہ۔ آپ ہی غور کیجئے کہ جو آپ
کی طرح بلکہ آپ سے ہزار گونہ زیادہ دشمن اسلام تھے اور زبان عرب میں بڑا
کمال فصاحت بلاغت کا رکھتے تھے اُن کو یہ دعوے کسقدر گراں گزرا ہو گا
چنانچہ صدہا نے کوشش کی اور کمیٹیاں قایم کیں کہ باہم ملکر مثل قرآن کے عبارت
بناویں مگر نہ بنا سکے۔ لبید بن ربیعہ جو تھے معلقہ کا مصنف جو سب شاعروں اور
کاملوں کا سرتاج تھا یہ شاعر بقول ڈاکٹر جان دیون پورٹ صاحب کے چند
آیات قرآنی کو کعبہ پر آویزاں دیکھکر اور شرما کر اپنے قصیدہ کو اُتار لے گیا۔ اور
مسلمان ہوگیا۔ اسی طرح کعب بن مالک شاعر بے بدل مسلمان ہوگیا اور پھر
کفار کی نظم کے جواب رسول اللہ کی طرف سے دیا کرتا تھا۔ اِسی طرح حسّان
بن ثابت شاعر جو طوطی عرب اور فصاحت میں اول درجہ کا تھا مسلمان ہوگیا
ان کے علاوہ عبداللہ بن قیس ابو بصیر بن قیس وغیرہ کئی سو شاعر ایمان لائے
از آنجملہ نابغہ جعدی جو فصاحت و بلاغت میں اور شعر گوئی میں اپنا نظیر آپ ہی
تھا اور مطابق ایک روایت کے ۱۲۰ برس زندہ رہا صرف قرآن کی فصاحت
پر ایمان لایا تھا اور کہتا تھا کہ قرآن بیشک خدا کا کلام ہے۔

پادری۔ لیکن ولید بن مغیرہ شاعر فصاحت قرآن کو دیکھکر ایمان نہیں لایا وہ ہمیشہ
ابو جہل کی تحریک سے محمدؐ صاحب کی ہجو لکھا کرتا تھا۔

مرزا۔ یہ شخص گو ایمان نہیں لایا مگر قرآن کی عبارت کو دیکھکر اُسکو سحر کہتا تھا
اِس شخص سے ابو جہل نے جو سخت دشمن اسلام تھا بہت کہا اور صلہ دینے میں اُسکو

یا ضد پر دال ہے نہ حقیقی دعوے کے مرتبہ پر دعوئے وہ ہے کہ خود مصنف کرے اور اس کمال مبالغہ سے کرے جیسے قرآن میں دعوے کیا گیا ہے۔

بابو۔ وید کے مقابلہ میں تو کوئی عبارت کسی نے آج تک بنا کر پیش ہی نہیں کی اور قرآن کے مثل تو اکثر اہل شیعہ اور شروع اسلام میں مسیلمہ وغیرہ نے عبارتیں بنا کر پیش بھی کی ہیں دیکھو تکذیب صفحہ ۲۰۲۔

مرزا۔ خوب ہوا یہ آپ نے ہی بیان کر دیا ورنہ میں بھی یہی کہتا۔ میرا یہی مدعا ہے کہ دعوے ایسی چیز ہے کہ مدعی کے مقابلہ میں جرأت کر کے ہر ایک اُسکے دعوے کو توڑنے کی فکر کرتا ہے اور دوسرے سے کوئی بحث نہیں کرتا اور یہی اس امر کا ثبوت ہے کہ وید کے مقابلہ میں کسی نے جرأت نہیں کی اسلئے کہ اُس میں دعوے نہ تھا اور قرآن کے مقابلہ میں اِس لئے لوگوں نے جرأت کی کہ اُس میں دعوے تھا۔ دور کیوں جاؤ اِس امر کو کل امتحان کر کے دیکھ لو مدرسہ میں جا کر یہ دعوے کرو کہ ریاضی اور علم مثلث کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ میں نہ سمجھا سکوں پھر دیکھو کہ کس مخالفت سے آپ کا مقابلہ کیا جاتا ہے اور ہر شخص کو یہی فکر ہوگی کہ آپ کا دعوے توڑ دیا جاوے اور بغیر دعوئے کئے کوئی آپ سے خبر بھی نہیں ہوتا۔ **بابو**۔ پھر قرآن کا دعوئے اُس زمانہ میں ضرور توڑا گیا ہوگا۔

مرزا۔ آپ کو اس کی خبر نہیں کہ جب قرآن نے یہ دعوے کیا تھا اُس وقت بڑے بڑے فاضل اور فصیح اور بلیغ ناثر اور ناظم غیر اہل اسلام بلکہ دشمن جانی مسلمانوں کے عرب میں موجود تھے اور اُنہوں نے اُس دعوئے قرآنی کے توڑنے میں بہت زحمت اُٹھائی اور بہت کچھ صرف کیا کہ کسی طرح ایک سورۃ بھی مثل قرآن کے کوئی لکھدے مگر ایسا نہیں ہوا۔ ایک دعوے یہ تھا کہ اگر تم کو شک ہے کہ یہ قرآن جو محمدؐ صاحب پر نازل ہوتا ہے خدا کا کلام نہیں بندہ کا کلام ہی

متقدمین کے کلام سے وجوہ فصاحت بلاغت میں گھٹا ہوا ہے ۔ چنانچہ سعدی کا شعر ہے ۔

اگر دشنام فرمائی وگر نفرین دعا گویم ۔۔۔ لب لعل شکر خارا جواب تلخ می زیبد

اِسی مضمون کو حافظ نے اِس طرح اِس شعر میں لکھا ہے ۔

بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی ۔۔۔ جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

اِس موقع پر دونوں شعروں کو مقابلہ سے اگر نہ دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ سعدی کا شعر نہایت فصیح اور بلیغ ہے مگر حافظ کے شعر سے مقابلہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ فصاحت و بلاغت میں حافظ بڑھا ہوا ہے ۔ یہاں مقتضائے حال یہ ہے کہ محبوب کے کلام رنجش التیام اور دشنام دہی کے مقابلہ میں اپنی خوشنودی کا اظہار اِس مرتبہ کیا جاوے کہ اُس کو یقین ہو جاوے کہ عاشق کو بُرا کہنے سے کچھ ملال نہیں بلکہ خوشی ہوئی ۔ پس سعدی نے دو لفظ دشنام دہی اور نفرین کہکر رنجش اور غصہ کے کلام میں بیفائدہ تطویل کی ۔ اور اپنی خوشنودی کے اظہار اور استرضائے محبوب میں جو مقتضائے حال تھا ایک لفظ دعا گویم پر اکتفا کی جو محض عدم ملال پر دلالت کرتا ہے نہ خوشنودی پر اور اظہارِ خوشنودی کی صراحت بھی نہ کی صرف دعا گویم کی توجیہ مصرعہ ثانی میں کردی اور حافظ نے رنجش اور غصہ کے کلام کے اعادہ میں اور یاد دہانی میں دانستہ ایجاز اور استرضائے محبوب میں اطناب کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حافظ کو مقدم اور عین استرضائے محبوب ہے ۔ اُسی میں منہمک اور مستغرق ہے گویا حالت جذب میں ہے کہ معذرت کرتے کرتے اور محبوب کی طبیعت سے خیالِ رنج کا دفعیہ کرتے کرتے طبیعت سیر نہیں ہوتی ۔

اِس کے علاوہ اور وجوہ بلاغت ہیں ۔ اب آپ کو معلوم ہو گیا کہ سعدی

مال مویشی دینے کا وعدہ کیا اور غیرت دلائی اور تحریک کی کہ مثل قرآن کے ایک آیت کی مقدار کچھ لکھدے مگر اُس سے نہ ہو سکا وہ عاجز ہو کر قرآن کو سحر کہنے لگا۔ چونکہ عرب والے جادو اور سحر کی قوت کو انسانی قدرت سے بڑھا ہوا سمجھا کرتے تھے اِس لئے ولید کے سحر کہنے سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے بس کی بات ایسا کلام کرنا نہ جانتا تھا۔ گویا اِس کو سحر کہنا اُس کی باضابطہ شہادت اِس امر کی ہے کہ یہ کلام انسان نہیں خدا کا کلام ہے۔ قرآن نے اِسی شخص کو غیرت دلائی اور اُس کے عجز کو بھی بیان کر دیا تاکہ اور رہی سہی ہمت کرے چنانچہ سورہ مدثر میں باعلان فرمایا ثُمَّ نَظَرَ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ اور سورہ سبا میں وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ مگر عاجز آ کر مر ہی گیا۔ اور اُس کے مسلمان نہ ہونے میں بھی حکمت الٰہی تھی اگر سب فصیح اور بلیغ مسلمان ہو جاتے تو بدگمانی کا موقع تھا اِس شخص کے سخت دشمن اسلام ہونے اور قرآن کے مثل ایک آیت بھی نہ کہنے سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اس کے نزدیک مثل قرآن کے کلام لکھنا ممکن ہوتا تو ضرور کچھ لکھتا اور ایک یہ کیا چیز تھا ہزاروں نے کوشش کی اور بعد میں آج تک کوشش ہو رہی ہے مگر جو محال تھا محال ہی ثابت ہوا۔ رہا یہ امر کہ سعدی کا کلام بھی سہل ممتنع ہے حضرت شیخ سعدی کو ہم مسلمان اوّل درجہ کا فصیح اور بلیغ فارسی عربی کا جانتے ہیں چنانچہ بقول آپ کے یہاں تک بعض نے اُن کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے کہ اُن کے کلام کو سہل ممتنع کہا ہے مگر درحقیقت سہل ممتنع نہیں ہے۔ چونکہ اِس وقت قرآن کے مقابلہ میں سعدی کے کلام سے بحث ہے اِس لئے ہم ثابت کرتے ہیں کہ سعدی کا کلام بعض

کلام اس صنعت میں موجود ہیں تو سواطع الالہام کیونکر سہل ممتنع ہوسکتی ہی علاوہ اس کے بیچارے فیضی کو کیوں اپنے ساتھ ملاتے ہو اس نے کہاں لکھا ہے کہ میرا کلام سہل ممتنع ہے وہ تو قرآن کی فصاحت و بلاغت دیکھکر خود قرآن کو کلام اللہ کہتا ہے اور قرآن کے حسن عبارت حسن ترکیب کلام کو اور قرآن کے علوم و فنون کو دیکھکر ہوش باختہ ہے آپ اپنا دل خوش کرنے کو جو چاہو کہو کہ قرآن سے ناواقف ہو مگر دوسروں کو کیوں شامل کرتے ہو۔ دیکھو فیضی قرآن کی نسبت کیا کہتا ہے اسے بھی سن لو۔ یہ وہ ہی مثل ہے کہ مدعی سست گواہ چست وہ کہے کچھ اور آپ کہو کچھ قولہ وَمَا عِلْمُ عُلُوِّ مَكَلامِ اللّٰهِ كُلِّهَا اَحَدٌ اِلَّا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَاُولُو الْعِلْمِ مَا عَلِمُوْا اِلَّا عِدَادًا دُوْرِدِ عُلُوْمِ كَلَامِ اللّٰهِ عَدَدَ كَلِمِهِ الخ از سواطع الالہام صفحہ (۷) یعنی قرآن شریف کے تمام علوم خدا اور رسول کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور اہل علم نے صرف قرآن سے تھوڑے سے علم اپنی طاقت کے موافق معلوم کئے ہیں اور قرآن کے علوم کی تعداد اسکے کلموں کی گنتی کے برابر ہے فقط

ایک اور بات سنو ایک اشتہار ستو روپیہ کا دو کہ جو کوئی صنعت مہملہ میں عربی فارسی سے اردو میں کلام نظم و نثر پیش کریگا ہم اس کو ستو روپیہ دینگے پھر دیکھو کسقدر کلام جمع ہوتا ہے اس کے بعد ایک لاکھ روپیہ کا اشتہار دو کہ جو کوئی قرآن کے ایک سورہ کے برابر عبارت قرآن کی مثل پیش کریگا اس کو ایک لاکھ روپیے ملیں گے۔ پھر دیکھو گے کہ گویا تمام عربی دانوں کو سانپ سونگھ گیا۔ اگر تحقیق منظور ہے تو کچھ خرچ کرو ورنہ محض فضول گوئی سے شرمانا چاہیئے ہی۔

اور آپ کا یہ کہنا کہ وید کو آریہ بھی سہل ممتنع یا مثل اس کا ممتنع کہتے ہیں۔ اوّل بقول آریو نکے وید کی زبان دنیا سے نرالی ہے۔ وہ دنیا کی کسی زبان میں

کے کلام کی نسبت سہل ممتنع لکھنا داخل تعریف ہے نہ حقیقی معنوں میں۔ اسی طرح آریہ اور عیسائیوں کا فیضی کے کلام سواطع الالہام کو سہل ممتنع کہنا ایک قسم کی عجائب پرستی ہے۔ حقیقت میں صنعت مہملہ میں فیضی کی تفسیر آپ کے نزدیک ایک عجیب بات ہے مگر مسلمان اس صنعت میں اور دوسری صنائع بدائع میں کلام کرنا کچھ بڑی بات نہیں جانتے مسلمانوں نے ہر زبان میں اور ہر صنعت میں نظم و نثر کلام لکھا ہے۔ مقامات حریری والے نے دونوں صنعتوں میں یعنی مہملہ اور منقوطہ میں عربی کلام خوب لکھا ہے۔ جامی نے فارسی میں اس صنعت مہملہ اور دوسری چند صنعتوں میں نظم و نثر کلام لکھا ہے۔ مرزا دبیر صاحب اور میر انیس صاحب نے علیحدہ علیحدہ اُردو میں مرثیے لکھے ہیں جو (۶۰) بند سے کم نہ ہوں گے دوسری عربی فارسی عبارتوں کو نقل کرنا تو محض دردسری ہے۔ ان دونوں مرثیوں کے دو شعر نمونہ کے طور سے ہم بیان کرتے ہیں جو آپ کے لئے قریب الفہم ہوں گے

مرزا دبیر صاحب فرماتے ہیں ؎

ہم طالع ہما مراد ہم رسا ہوا
طاؤس کلک وہم اُڑا اور ہما ہوا

میر انیس فرماتے ہیں ؎

وہ طاہر واطہر ہو اگر معرکہ آرا
معلوم ہو حملہ اسداللہ کا سارا

اب آپ کو معلوم ہوا کہ اس صنعت میں یا دوسری صنعتوں میں عربی فارسی اُردو میں لکھنا مسلمانوں کے نزدیک مشکل نہیں ہے گو آپ کے نزدیک سہل ممتنع فیضی کا کلام ہو۔ اول تو آپ کا فصاحت کے مقابلہ میں صنعت کو پیش کرنا دراصل فصاحت سے ناواقفیت ہے دوسرے حسب کثرت سے نظم و نثر

ہمیشہ ہندی میں بات کرتے ہو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ دوسری زبان نہیں جانتا اور آپ اُس کی زبان جانتے ہو اور تم کو اپنا مطلب اُس کو سمجھانا ہوتا ہے۔

یا بو۔ لیکن خدا کو کیا ضرور ہے کہ خود انسانوں کی زبان میں کلام کرے اور انسان اُس کی زبان نہ سیکھیں۔

مرزا۔ ہاں ضرور ہے جو انگریز ولایت سے ہندوستان میں حاکم بنکر آتے ہیں وہ دیسی زبان میں امتحان دیکر آتے ہیں مگر کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کسی ایک انگریز حاکم کے واسطے سارے ضلع اور دیس کو انگریزی بولنے پر مجبور کیا جاوے کیونکہ ایک حاکم کا ہندی جاننا سہل ہے بہ نسبت اسکے کہ لاکھوں کو انگریزی سکھائی جاوے۔ اور ہر ایک قانون اور ہدایت نامہ بھی ملکی زبان میں بنایا جاتا ہے نہ صرف حاکم کی زبان میں۔ اور خداوند تعالےٰ کو تو کسی زبان کے سیکھنے کی بھی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑتی وہ علیم ہے سب باتیں جانتا ہے پھر اُس نے ایک نرالی زبان بولکر سارے عالم کو کیوں تکلیف میں ڈالا اور اپنا ہدایت نامہ نرالی زبان میں کیوں بھیجا اسی وجہہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگر وید دنیا کی کسی زبان میں نازل نہیں ہوا تو دنیا کی کسی قوم کی ہدایت کے واسطے بھی نہیں ہوگا۔ اور اگر خدا کو طرفداری کا اندیشہ تھا تو اُس کی اختیاری بات تھی کہ سارے عالم کی زبان سنسکرت کرتا۔ پھر وید کو سنسکرت میں بھیجدیتا۔ طرفداری کا اعتراض نہ ہوتا۔ یہاں ہم کو یہ بھی یاد دلانا ہے کہ سوامی جی جن کو طرفداری سے سخت نفرت تھی اپنی کتاب سیتارتھ پرکاش میں قرآن پر اعتراض کرتے ہوئے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے تذکرہ میں جہاں خدا نے اونٹنی کو اپنی اونٹنی فرمایا ہے یہ لکھتے ہیں کہ یہ طفولیت کی بات

نازل نہیں ہوا جب سارے عالم کی کسی زبان میں وید نازل نہیں ہوا۔ تو سارے عالم میں اُس کا پڑھنے اور سمجھنے والا کہاں سے آیا۔ ہوں نہ ہوں وہی بزرگ اپنے گھر والے رشی ہوں جن پر نازل ہوا۔ اُن کی بھی مادری زبان نہیں اُنکو بھی خدا نے سکھلایا۔ اُنہوں نے اوروں کو سکھلایا۔ اسی طرح چند ہم خیال سیکھنے والوں کا ایک گروہ تیار ہو گیا اب اگر اُستاد شاگردوں سے دعوٰے بھی کرے تو اُس دعوے کرنے کی حالت میں شاگرد کہہ سکتے ہیں کہ آپ ہی کے الفاظ آپ ہی کے معنی بتائے ہوئے آپ ہی کا مضمون ہے۔ ہم گھر کی پونجی کیا رکھتے ہیں جو آپ سے بازی بدیں۔

پس جب دنیا کی کسی زبان میں وید نہ ہو تو کسی زبان والے سے دعوے کیونکر ہو سکتا ہے اور جب وید دنیا کی کسی قوم کی زبان میں نہیں ہے تو خیال ہوتا ہی کہ کسی قوم کی ہدایت کے واسطے بھی نہیں ہوگا۔

بابو۔ یہ تو اُلٹی بات ہے۔ خداوند تعالےٰ کی وہ زبان ہونا چاہیے جو کسی کی زبان نہ ہو جیسے وہ نرالا ہے ایسے ہی اُس کی زبان نرالی ہونا چاہیے اور اگر دنیا کی کسی ایک زبان میں خدا گفتگو کرے تو جانب داری اور طرفداری پائے جانے کا اعتراض ہے اِس لئے خدا نے وید کو سنسکرت میں نازل کیا جو کسی کی زبان نہیں ہے بخلاف قرآن کے جو دنیا کی ایک قوم کی زبان ہے۔

مرزا۔ ذرا غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ تمہارا یہ کہنا قابل اعتراض ہے کہ خدا نرالا ہے اِس لئے اُس کی زبان بھی نرالی ہونی چاہیے۔ متکلم کیسا ہی نرالا ہو مگر اُس کا فرض ہے کہ مخاطب کی زبان میں اور سمجھ کے لائق کلام کرے کیونکہ ہر متکلم یہ چاہتا ہے کہ میرا مخاطب میری بات سمجھے۔ دیکھو آپ انگریزی بھی جانتے ہو فارسی بھی جانتے ہو ہندی بھی جانتے ہو مگر آپ اپنے نوکر سے

بابو۔ مجاز اور حقیقت کے سمجھنے سے کیا حاصل ہوگا اِس سے آپ کے بیان کی کیا تائید ہوگی۔

مرزا۔ اگر مجاز اور حقیقت کے سمجھنے سے کچھ حاصل نہ ہوا تو آپ کو فصاحت زبان وید کے متعلق بحث کرنے سے کیا حاصل ہوگا۔ اور بغیر حاصل ہوئے صرف آپ کے زبانی کہدینے سے کہ وید کا کلام سہل ممتنع ہے وہ سہل ممتنع کیونکر ہو جاوے گا تمام بحث متعلق فصاحت کو چھوڑ کر ایک مجاز اور حقیقت کے سمجھانے سے میری یہ مراد ہے کہ فصیح خاص لوگوں کی زبان ہوا کرتی ہے نہ عام کی اور ویدکی زبان جب عام زبان نہیں تو خاص کیونکر ہوسکتی ہے۔ مقابلہ کے لئے عام اور خاص دونوں زبانوں کی ضرورت ہوتی ہے اور بغیر مقابلہ عام اور خاص کسی کلام کو فصیح نہیں کہا جاسکتا۔

فطرت انسانی کا مقتضا ہے کہ پامال عامیانہ اور کثیر الاستعمال چیز وں سے انسان نفرت کرتا ہے اور مخصوص الاستعمال نو ایجاد دست نارسیدہ اشیاء کو پسند کرتا ہے۔ اِسی بنا پر ہر ایک ملکی زبان میں بھی عام اور مبتذل ترکیب و الفاظ فصحا کی زبان میں متروک ہوتے ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ ہر متکلم معنی کے لئے خود الفاظ دل سے گھڑ کر اُس کا استعمال شروع کردے تو ہر شخص کی زبان کے لئے ایک نئی ڈکشنری کی حاجت ہوا ور دنیا میں باہمی فہم و تفہیم کا سد باب ہو جاوے کیونکہ الفاظ سے معنی تک انتقال ذہن فقط ملک یا قوم کے متفق علیہ وضع عام کا نتیجہ ہے اِس بنا پر ایک طرف یہ ضرور ہے کہ وضع عام سے کنارہ کشی نہ کی جاوے دوسری طرف یہ ضرور ہے کہ کلام میں جدت ترکیب خصوصیت استعمال اور بے ابتذالی پیدا ہو اِس مشکل کا چارہ کار صرف ایک یہ بات ہے کہ تعبیر معنی کے لئے اُن غیر مبتذل غیر عامیانہ اور مخصوص الفاظ کا استعمال کیا جاوے

ہے زمین آسمان کیا یہ بات سُن سکتے ہیں واہ جی واہ اگر خدا کی اونٹنی ہے تو اونٹ بھی ہوگا۔ پھر ہاتھی۔ گدھے۔ گھوڑے وغیرہ بھی ہوں گے۔ نوابی گھسر پسڑ خدا کے گھر میں بھی ہے۔ دیکھو سیتارتھ پرکاش باب ۴ صفحہ ۶۹۰

اب ہم کو بھی کہنا پڑا کہ خدا کی زبان یا خدا کی بولی علیحدہ ہے تو خدا کی بستی خدا کا کنبہ بھی ہوگا جہاں یہ زبان بولی جاتی ہوگی۔ واہ جی واہ خدا کیا ٹھہرا سیج مچ گجرات یا میواڑ یا مارواڑ کا ٹھاکر جاگیردار ٹھہرا جہاں اپنی اپنی دفلی اپنا اپنا راگ علیحدہ ہے بابو۔ آپ کی اس ساری تقریر سے وید کا مثل ممتنع ہونا تو باطل نہ ہوا گو وید میں دعوے نہ ہو مگر ہم دعوے کرتے ہیں کہ ویدوں کی زبان نہایت فصیح بلیغ ہی بوجہ فصاحت بلاغت کے اُس کا مثل ممتنع ہے۔

مرزا۔ آپ کو ابھی یہ ہی نہیں معلوم کہ آپ کا پہلا دعوے اس آپکے دوسرے دعوے کو خود باطل کرتا ہے۔ مجھے کسی زیادہ بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلا دعوے آریہ صاحبوں کا یہ ہے کہ وید دنیا کے کسی ملک اور قوم کی زبان میں نہیں ہے۔ اگر اس کو تسلیم کرلیا جاوے تو یہ دوسرا دعوے کہ وہ فصیح اور بلیغ زبان ہے خود بخود باطل ہی۔ اسلئے کہ زبان اول کسی ملک اور قوم کی زبان ہولے اور عام ملک اور عام قوم میں بولی جاے تب یہ ہوسکتا ہے کہ اُس ملک اور قوم کے خاص لوگوں کی زبان کو بہ نسبت اُس ملک اور قوم کے عوام لوگوں کے فصیح کہا جاسکے اور جب زبان کسی ملک اور قوم کی عام زبان نہ ہو تو خاص کیونکر ہوسکتی ہی۔ ہر شخص جانتا ہی کہ عام سے خاص نکلتے ہیں اور جہاں عام نہ ہوں وہاں خاص کون ہوسکتا ہے۔ اگر ویدونکی زبان کسی ملک اور قوم میں عام طور سے بولی جاتی تو پھر اِس کا اندازہ کیا جاسکتا تھا کہ اُس ملک کے اور اُس قوم کے خواص اُسی زبان کو کس طرح بولتے ہیں اُنکی زبان کیساتھ ویدکی زبانکو ٹکرایا جاتا اور جہاں یہ وہاں کیونکر فصاحت کی جانچ ہوسکے۔ زبان کے متعلق مجاز اور حقیقت کو ہم سمجھ لوگے۔ تو تصدیق ہوجائیگی

پانچ ادمیوں کی ہوگی تو نہ وہ فصیح کہلائی جا سکتی ہے نہ غیر فصیح پس آپ کے لئے ویدکی زبان کو سہل ممتنع کہدینا تو آسان ہے مگر ثابت کرنا مشکل ہے اُن مشکلات میں آپ پڑیگے معلوم ہوگا کہ ایسا دعوٰے درست نہیں۔ میں نے صرف آپ کے کہنے سے ایک تو مجاز حقیقت کی مختصر گفتگو کی ہے۔ ورنہ جھگڑے بہت ہیں چونکہ قران کی شل ممتنع ہونے کا دعواے کسی انسان کا دعواے نہ تھا بلکہ خود خداوند عالم نے اپنے رسول پاک کی زبانی چیلنج دیا تھا کہ جس کسی کی ہمت ہو صرف بقدار ایک سورہ کے قران جیسا کلام لکھہ لائے اور یہ بھی جتلادیا تھا کہ قیامت تک ایک عرب والے کیا بلکہ سارے جن و انس بھی ملکر ایسا کلام نہیں لاسکتے اِس لئے عرب والے تو بلاحجت اِس کو سہل ممتنع مان گئے کیونکہ عربی زبان اُن کی مادری زبان تھی مگر دوسرے ملک والے ان خوبیوں سے ناواقف تھے جن کو عرب والے سمجھتے تھے۔ اِس لئے خدا نے علما وفضلا کا گروہ پیدا کیا اور اُنکو توفیق دی کہ وہ اُن وجوہات کو بھی مفصل لکھہ جائیں اور اُن تمام خوبیوں کو بھی بیان کردیں جن کی وجہ سے قرآن معجزہ ہے۔ چنانچہ وہ بیان کرگئے اور قران مجید کے ہر شعبہ کے متعلق تفصیل سے لکھہ گئے وہ موجود ہے۔ اور اُس کے موجود ہوتے مسلمانوں کو ہر وقت موقع حاصل ہے کہ وہ بڑے سے بڑے عالم و فاضل ادیب کا مقابلہ کرسکیں۔ جو علوم و فنون۔ قران کے متعلق جمع کئے گئے ہیں اُن کے بیان کرنے کو ایک بڑے عالم کی ضرورت ہے مجھہ جیسا جاہل کیا خاک بیان کرسکتا ہے۔

ازانجملہ۔ رسوم القران[1]۔ تجدید القرآن[2]۔ اعراب القران[3]۔ مصادر القران[4]۔ افراد القران[5] و جمعہ مفردات القران[6]۔ غرائب القران[7]۔ معانی القران[8]۔ اعجاز القران[9]۔ تشبیہ القران[10]۔ امثال القران[11] امثلۃ القران[12]۔ بدائع القران[13]۔ اسباب النزول[14] مبہمات القران[15] متشابہ القران[16]۔ اقسام القران[17] مناسبۃ الایات والسور[18]۔ مطالع القران و مقاطعہ[19] و فواتح السور[20]۔ اعلام القرآن[21]۔ ناسخ القران و منسوخہ[22]۔ مشکلات القرآن[23]۔ احکام القران[24]۔ جوہر القران[25]۔ نجوم القران[26]۔

جن کی گو اُن معنی کے لئے وضع عام نہ ہو کہ ابتذال پیدا ہو جاوے لیکن اُن
الفاظ کے معنی موضوعہ اور اُن معنی کو جن کو ہم ادا کرنا چاہتے ہیں ایک خاص قسم
کی مناسبت اور مشابہت ہو جس کی بنا پر جب ہم اُن الفاظ کا استعمال کریں تو ہمارا
مخاطب اُس کے عام موضوع لہ معنی سمجھے اور پھر وہ جب اُن کو کلام کے مقصود
اور کلام کے موقع و محل کے لایق نہ پائے تو فوراً اس کا ذہن اُن معنی کو چھوڑ کر اُن
کے مناسب اور مشابہ معنی کی طرف منتقل ہو جائے اور متکلم کا مقصود اُس کے جدید
غیر مبتذل اور غیر عامیانہ الفاظ اور ترکیب کے ذریعہ سے سمجھ جائے۔ خلاصہ یہ
کہ **حقیقت** دراصل الفاظ کا اپنے وضع عام اور معروف میں استعمال کا نام ہے
اور **مجاز** اُس عام اور معروف وضع کے ذریعہ سے اُس کے مناسب اور غیر
معروف معنی کو ادا کرنا ہے اور اس غیر معروفی اور بے ابتذالی اور جدت ترکیب کی
بنا پر مجاز حقیقت سے بہتر اور اشرف قرار دیا گیا ہے۔ آپ کو معلوم ہے یا نہیں کہ
قرآن مجید میں جس کا حسن عبارت خوبی کلام جدت ترکیب حد اعجاز تک ہے
اُس کو دیکھکر تمام ملک عرب کے اعلیٰ اور خاص الخاص طبقہ کے لوگ حیران ہو گئے تھے
اور وہ حیرانی اسی امر کی تھی کہ سب سے بہتر اور معتبر زبان بامحاورہ و غیر مبتذل الفاظ
کے ساتھ تو ہم بولتے ہیں مگر ہم بھی اس حسن عبارت اور ترکیب الفاظ پر قدرت
نہیں رکھتے یہ کس قدر عجیب بات ہے۔

غرض کہ آپ جو قرآن مجید کے دعوے کو دیکھکر یہ دعوے کرتے ہیں کہ وید مقدس
کے بھی عبارت اور کلام سہل ممتنع ہے تو صرف کہدینے سے تو ویدکی عبارت
سہل ممتنع نہیں ہو سکتی۔ زبان کی فصاحت کے جو شرط مقدم ہے کہ وہ عام ملک
اور قوم کی زبان ہو۔ اور پھر اُن عام عام لوگوں میں مذکورہ بالا طریقہ پر خاص گروہ اپنی
زبان کو ممتاز طریقہ پر بولے تب ہی زبان فصیح کہلائے۔ ورنہ زبان اگر خاص میں

اہتمام نہیں رہا۔
مسلمان ایک ایک آیت قرآن کو ثابت کر سکتے ہیں کہ فلاں موقع پر نازل ہوئی اُس کے الفاظ کی گنتی اُسی وقت ہو گئی اُن کے محفوظ رہنے کا اہتمام اُسی وقت ہو گیا۔ اور جب سے اب تک متواتر طریقہ پر سلسلہ احتیاط کو ایک لمحہ کے لئے نہ توڑا گیا۔ وہ سلسلہ روایت دنیا بھر سے نرالا جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں وہ اپنی نوعیت میں علیحدہ معجزہ ہے۔

بابو۔ آخر اس صحت روایت کے اہتمام سے جو اسلام میں ہے اثبات رسالت میں آپ کتنا بڑا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ جو اسی پر زور برابر دے جاتے ہیں۔ یہ نہ ایسی انوکھی بات ہے نہ قابل تفاخر۔ تسلیم کیا کہ مسلمانوں میں تاریخ کے تدوین بہت اچھی طرح ہوئی اور اُنہوں نے سارے جہان کی بہ نسبت اپنے پیغمبر اور اپنے بزرگوں کے حالات زندگی کو بہت صحت کے ساتھ جمع کیا مگر اس سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ تمام مذاہب میں اسلام سب سے افضل ہو گیا۔ اور جو کچھ صداقت ہے وہ اسلام کے حصہ میں آگئی باقی سب محروم رہے۔ ضرورت کی لایق ہر ایک قوم اور مذہب والوں نے اپنے بزرگوں کے حالاتِ زندگی مفصل نہ ہوں مگر مجمل مطول نہ ہوں مگر مختصر مسلسل متصل اسناد سے نہ ہوں مگر ضرور متداول طریقہ پر معلوم کر رکھے ہیں۔

مرزا۔ آپ اسلام کے اس ایک اہتمام حیرت انگیز کو دیکھکر اسقدر پریشان اور خفا ہو گئے۔ آپ کو قریب تر معلوم ہو گا کہ اسلام میں اور کیا کیا سارے جہان سے انوکھی اور نرالی باتیں ہیں اور صحت روایت اسلام پر زور دینا اور فخر کرنا ہمارا اس لئے ہے کہ دنیا جہان کے دعاوی اور خود دنیا جہان کے ہستی کا ثبوت اسی کی بدولت پایۂ ثبوت کو پہنچا کرتا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر کچھ نہیں سب خواب پریشاں

یہ ایک ایک فن اور علم ہے جس میں اسقدر کتابیں مسلمانوں کی موجود ہیں۔ کہ جو بجائے خود ایک بڑی فہرست کو چاہتی ہیں۔

پادری۔ اس کہنے سے تو پایا گیا کہ علماء اسلام نے دراصل اپنی جودت طبع اور رسائی ذہن سے قران کی فصاحت کو اتنا بڑھا دیا ورنہ کچھہ نہ تھا۔

مرزا۔ یہ سمجھنا تو آپ کے ذہن کی خوبی ہے۔ یہ درست نہیں ہے بلکہ یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ خدا نے اپنے دعوے کو ایک اعلیٰ انسان کی زبانی تمام عالم کے انسانوں تک پہنچایا۔ اور انہیں انسانوں میں اکثر کو یہ قدرت دی کہ وہ اُس کے دعوے کو ثابت کردکھائیں کیونکہ خدا خود تو اگر اس دعوے کا ثبوت نہ دے سکتا تھا۔ دعوی بھی انسان کے ذریعہ سے پہنچایا گیا۔ اور اُس کا ثبوت بھی انسانوں کے واسطے سے کیونکہ خدا کی ہر قدرت کا ظہور دو طرح پر دیکھا جارہا ہے یا بغیر کسی ذریعہ کے یا کسی ذریعہ سے خود انسان خدا کی قدرتِ کاملہ کا ایک نمونہ ہے۔ کروروں انسانوں کو ایک قدوقامت ایک سی صورت شکل عنایت فرمائی ہے تو بھی ایک دوسرے سے علیحدہ جانا جاتا ہے۔ اسی طرح قران کے الفاظ لغات تمام وہی ایک سے ہیں جو اہل عرب بولتے ہیں مگر ان میں انسانی تشخاص کی طرح کچھہ ایسی نرالی بات رکھدی ہے کہ وہ کسی انسان کے کلام سے نہیں ملتے حالانکہ دیکھنے میں سب الفاظ ایک سے ہی ہیں قران کے سوا نہ دوسرے الٰہی کتابوں میں ایسا دعوی نہ ان کتاب والوں کو ایسی توفیق دی۔ دنیا بھر کے مذاہب والے کیا کوئی ایسی مثال دیکھا سکتے ہیں کہ جو مسلمانوں نے جد جہد وسعی اپنی کتاب الٰہی کی تشریح و توضیح تحقیق و تدقیق فہم و تفہیم میں صرف کی ہے۔ بہت سے بہت ہو سکا تو اُس کو خوش خط لکھہ لیا۔ یا یہ کہ بہت سے ترجمہ کرا دے جیساکہ عیسائیوں نے انجیل کے صدہا ترجمہ کرادے مگر ان ترجموں کو لیکر کیا کریں جن کی اصل کا پتہ نہ ہو حفاظت اور احتیاط کا کچھہ بھی

سے شہادت بہم پہنچائی گئی ہو پھر شہادت کی صداقت سے علیحدہ بحث کی گئی ہو اور اُس کو کمال احتیاط سے محفوظ رکھا گیا ہو۔ وہ قوم فخر کیوں نہ کرے اور خوش کیوں نہ ہو۔ کہ ہر دعوے کی ڈگری بربنائے ثبوت اُسے کو ملنے والی ہے۔
جناب من جس طرح خداوند عالم نے انوکھا معجزہ آنحضرت کو قرآن کی فصاحت و بلاغت کا دیکر قیامت تک مسلمانوں کو غیر مذاہب والوں کے اعتراضات سے بے نیاز کر دیا ہے۔ اسی طرح یہ دوسرا معجزہ کرامت کیا ہے جو زیر بحث ہے اسی کی بدولت اپنے ہادی کے تمام حالات اور قرآن کے تواتر کو کمال صحت کے ساتھ بیان کرنے میں ہر وقت تیار ہیں۔ صحیح حالات کی تدوین مسلمانوں کی خاص خصوصیت ہے بقول حالی ؂

اندھیرا تو ارتخ پر چھا رہا تھا ؛ ستارہ روایت کا گہنا رہا تھا
درایت کے سورج پہ ابر آ رہا تھا ؛ شہادت کا میدان دھندلا رہا تھا
سر رہ چراغ اک عرب نے جلایا
ہر اک قافلہ کا نشاں جس سے پایا
گروہ اک جویا تھا علم نبی کا ؛ لگایا پتا جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا ؛ کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کئے جرح و تعدیل کے وضع قانوں
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

آج دنیا میں یورپ والوں نے جو ہر علم و فن میں کمال پیدا کیا ہے اُن سے دریافت تو کرو کہ اِن باتوں کی رہبری کس نے کی ہے۔

مورخ ہیں جو آج تحقیق والے ؛ تفحص کے ہیں جن کے آئیں نرالے
جنھوں نے ہیں عالم کے دفتر کھنگالے ؛ زمیں کے طبق سر بسر چھان ڈالے

ہے۔ کیا اثبات رسالت کوئی ریاضی کا مسئلہ ہے جو کسی قاعدہ ریاضی سے حل کیا جائے۔ یا کوئی کمسٹری کا مسئلہ ہے کہ اُس کی تجزی کرکے مفردات کو تیز کرایا جائے یا اور کوئی اسی قسم کی بات ہے کہ آپ سائنس اور پدارتھ ودیا سے ڈاکر طول طویل باتیں بنائیں۔ یہ تو تاریخی واقعات اور گذشتہ حالات ہیں جو زیر بحث ہیں ان کا اثبات شہادت پر موقوف ہے۔ اور شہادت صحت سلسلہ روایت پر اور اگر آپ کے نزدیک واقعات گذشتہ شہادت کے محتاج نہیں اور ثبوت کے لئے صحت و شہادت غیر ضروری ہے تو جانے دو آپ چاہتے ہیں کہ صحت روایت اور سلسلہ روایت سے زیادہ بحث نہ ہو تا کہ اس امتحان مقابلہ میں آپ کا فیل اور پاس ہونا ڈہکارہے مگر ہم اس خیال سے کیوں چپ رہیں ہم تو اس سے وہ نتیجہ پیدا کرنے والے ہیں کہ دنیاں میں کوئی قوم بھی وہ نتیجہ پیدا کرکے نہیں دکھا سکتی۔ اور آپ کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ جہاں بڑے بڑے ناموروں کا حال بھی معلوم نہیں ہوسکتا۔ غور کیجے کہ منوجی مہاراج سے زیادہ کون ہندوں میں باعتبار خدمت گذاری دین ہنود ہو سکتا ہے مگر خود انہیں کا حال نہیں معلوم۔

بابو۔ کون کہتا ہے کہ منوجی کا حال نہیں معلوم ہوتا۔

مرزا۔ آپ کے مقبول گواہ لیتھبرج صاحب بہادر اپنی تاریخ ہند میں فرماتے ہیں کہ منوسمرتی میں جسی منو کا دہرم شاستر کہتے ہیں ہندوں کی رسوم اور عادتیں تو مذکور ہیں مگر خود اس بڑے نامور واضع قانون کا حال تو کچھ بھی تحقیق معلوم نہیں تاریخ ہند دیکھ لو۔

بابو۔ اس سے تو ہم انکار نہیں کرسکتے کہ گذشتہ واقعات کے اثبات کو شہادت کی ضرورت ہے۔

مرزا۔ پھر جہاں یہ اہتمام ہو کہ واقعات کی صداقت کے لحاظ سے متصل سلسلہ روایت

مشایخ میں جو قبح نکلا جتایا ✣ ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا

طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا

نہ ملا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا

رجال اور رسانید کے جو ہیں دفتر — گواہ ان کی آزادگی کے ہیں یکسر

نہ تھا ان کا احساں یہ اک اہل دیں پر — وہ تھے اس میں ہر قوم و ملت کے رہبر

بستری میں جو آج فائق ہیں سب سے

بتائیں کہ لبرل بنے ہیں وہ کب سے

آج آپ سے دریافت کریں کہ پہلے تو یہ بتائیں کہ چاروں رشی وید مقدس کے پیدا کہاں ہوئے تھے۔ کس کے بیٹے پوتے تھے۔ مرتے دم تک کہاں رہے۔ کہاں پڑھا کس کو پڑھایا۔ ان کے پڑھائے ہوں کا کہاں تک سلسلہ چلا۔ وہ کتنے برس زندہ رہے اپنی زندگی میں اپنی صداقت کا اپنے افعال واقوال سے اور اپنی عملی زندگی سے کیا ثبوت دیا کس سن میں اور کس سنہ میں مرے۔ اور کہاں مرے۔ اُن کے حالات میں کتنی کتابیں لکھی گئیں وہ کتابیں کہاں ہیں اُن کی چال چلن کی جانچ کس نے کی اُن کے اخلاق عادات کی پرتال کب ہوئی۔ اور آج جو اُن کے حالات سے واقف ہونا چاہتے ہیں اُن کے لئے ذخیرہ معلومات کیا ہے۔ ایک وید کے چار ہزار منتروں کا منجانب اللہ ہونے کا کیا ثبوت ہے۔ کون امر اس بات کو مانع ہے کہ اُس میں تحریف نہ ہو سکے یعنی کون امر گھٹانے کو مانع ہے کون امر عبارت بڑھانے کو مانع ہے کون امر اس امر کو مانع ہے کہ اُس کی عبارت بدلی نہ جائے۔ ہر وثیقہ اور ہر سند شاہی کے لئے یہ امتیازات ہونا ضرور ہیں تاکہ اصل کو نقل سے زیادتی کو کمی سے کمی کو زیادتی سے معلوم کیا جا سکے۔ اگر کوئی شخص الزام وید کی نسبت یہ قائم کرے کہ یہ کتاب وہ نہیں ہے کہ جو برہماجی سے پہنچنا بیان کرتے ہیں تو کیا جواب ہے

عرب نے ہی دل اُن کے جاکر اُبھارے
عرب ہی سے وہ بھرنے سیکھے ترارے

بخلاف دوسرے مذاہب کے کہ اُن کے ہاں کل حالات مستند طریقہ پر محفوظ نہیں ہیں نہ اُن کے ہاں سلسلہ روایت ہے نہ صحت روایت کا اہتمام۔ اُن سے سوال کیا جاوے یا ثبوت طلب کیا جاوے تو وہ کیا جواب دے سکتے ہیں اور جب حالات ثبوت اور یقین کے ساتھ نہ معلوم ہوں تو سمجھ لیجئے کہ کیا ہونا چاہئے مثلاً کسی وقوعہ کی نسبت سب سے پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ وقوعہ ہوا بھی ہے اس کا ثبوت اس امر کو مستلزم ہوگا کہ کثرت سے شہادت میسر آوے پھر شہادت کی نسبت یہ خیال ہوگا کہ معتبر لوگوں کا بیان ہے یا نہیں اور روز وقوعہ سے ہم تک برابر معتبر سلسلہ روایت سے پہنچا ہے یا نہیں۔ اگر پہنچا ہے تو اس وقوعہ کے ثابت ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ آج کل یورپ کے فاضلوں کو بھی ادھر توجہ ہوئی ہے ایک یورپین نے اسماء الرجال میں دو جلدیں لکھی ہیں جن میں چار ہزار اصحابہ کا تذکرہ ہے اس شخص کو اس تالیف کی ضرورت کیا ہوئی یہ تو معلوم کر یہی وہ انوکھی بات ہے کہ جس کی مسلمانوں کو خدا نے توفیق دی تھی۔ کیونکہ خدا کو اس امر کا علم تھا کہ دین اسلام کے ہزاروں مخالف پیدا ہوں گے ایک ایک جزوی بات بحث مناظرہ میں آوے گی پچھلوں کی آسانی کے واسطے پہلوں کو یہ شوق دیا کہ وہ رجال اور اسانید کے دفتر تیار کریں اور ایسی بے مروتی سے اس کام کو کریں کہ شاگرد اوستاد کی غلطی کو اور بیٹا باپ کی لغزش کو بھی نہ چھپاوے۔ لاکھوں راویوں کے باہمی معلومات اتنی بڑھی کہ کسی امر میں وہم کی گنجائش نہ رہے۔ اُن کی بے مروتی اس فن کی تدوین میں اس دیانت کو پہنچی کہ بقول حالی۔

کیا فاش راوی میں جو عیب پایا ❊ مناقب کو چھانا مثالب کو تایا

یلحدون الیہ اعجمی وھذا لسان عربی مبین یعنی تم تو سارے ملک عرب کے لکھے پڑھے اہل زبان ہوکر باوصف دعوے فصاحت و بلاغت قرآن کی مثل بقدار ایک سورہ کے بھی نہیں لا سکتے :۔۔۔ اور ایک غیر ملک غیر زبان والے کی نسبت یہ خیال کرتے ہو کہ وہ سکھلا گیا ہوگا۔ چنانچہ عرب والے یہ سنکر خود شرما گئے تھے۔ پھر اگر کہا بھی تو یہ نہیں کہا کہ ہم ایسی عبارت بنا سکتے ہیں۔ بلکہ یہ کہا کہ ایسے قصے آنحضرت کو کوئی سکھلا جایا کرتا ہے۔ ایسے قصے تو ہم بھی بنا سکتے ہیں نہ یہ کہ عبارت چنانچہ فاضل نامور بابو رام چندر صاحب نے اپنی کتاب اعجاز قرآن مطبوعہ ۱۸۷۰ء صفحہ ۱۸۸ میں لکھا ہے کہ مشرکین مکہ نے یہ دعوے نہیں کیا کہ ہم کوئی کتاب رسالہ باعتبار فصاحت زبان کے مثل قرآن کے تیار کر سکتے ہیں بلکہ یہ کہا کہ ایسے قصے ہم بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے کہ اُس نصرانی کو جو سکھاتا تھا کسی نے کسی موقع پر سکھاتے پڑھاتے نہ دیکھا نہ پکڑا۔ اور اُس نصرانی کو ایسا کیا لالچ تھا کہ ایسی فصیح عبارت کو اپنے نام سے تو شہرت نہ دیتا اور آنحضرت کو سکھا جاتا اور ایسے شخص کو کیوں سکھاتا جو خود اُس سکھانے والے عیسائی کے مذہب کی مجمع عام میں خرابیاں بیان کرتا۔ وہ آنحضرت سے یہ نہ کہتا کہ واہ حضرت۔ ؎

کس نیاموخت علم تیر از من
کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

یا وہ عیسائی عجب دشمن مذہب عیسائیت تھا کہ دو مرے کے ذریعہ سے اپنے مذہب کی برائیاں اور خرابیاں سناتا اور بیان کراتا رہا اور سکھانے سے باز نہ آیا۔ کیوں کہ قرآن ایک سال میں تو جمع نہیں ہوا۔ یہ کئی برس تک نازل ہوتا رہا اگر شروع میں اُسے دھوکا ہوا تھا تو بعد میں سمجھا ہوتا۔ کہ گذشتہ را صلواۃ آئندہ را احتیاط۔

یا کوئی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ کسی نصرانی یھودی کو آنحضرت نے اِس خدمت سے

یا یہ کہا جاوے کہ وید نصف سے زیادہ بدل دیا گیا ہے۔ یا چوتھا حصہ کم کر دیا گیا ہے جس میں حلال و حرام احکام کی تعلیم تھی۔ یا یہ حصہ بڑھا یا گیا ہے جس میں کثرت سے دعائیں ہیں۔ تو اس کا جواب معقول طریقہ پر کیا ہو گا۔ اور خود اس امر کا کیا جواب ہے کہ وید خدا کا کلام ہے۔ کیونکہ ایسا طریقہ مابہ الامتیاز کلام خدا و انسان میں ہونا چاہئے۔ تب معلوم ہو۔ کیونکہ ایک کشنر ضلع بھی اپنے خاص حکم کو مہر وغیرہ سے تمیز کراتا ہے۔ ورنہ حکم حاکم اور غیر حاکم میں فرق کیا ہے ہم اس وقت جواب طلب نہیں کرتے بلکہ ایک سال کے عرصہ میں ان مطالبات کو پورا کر دیجئے صرف نہ درست کی لایق مفصل نہ ہوں مختصر تو ہوں مسلسل متصل اسناد سے نہ ہوں مگر متدا ول طریقہ پر قابل اطمینان اور قابل بھروسہ تو ہوں آپ کو معلوم رہے کہ ہم کو کل امور متعلقہ رسالت کو انہیں صحیح روایات سے ثابت کرنا ہے۔ آگے ہم کو یہ ثابت کرنا ہے کہ آنحضرت امی محض تھے۔ اس امی ہونے کو بھی کثرت شہادت سے ثابت کرنا ہو گا۔ جبکہ آنحضرت کے امی ہونے سے آپ انکار کر گئے ہیں

بابو۔ اچھا ہم بغیر زحمت اثبات تسلیم کرتے ہیں کہ آپ امی محض ان پڑھ تھے پھر اس سے حاصل کیا۔

مرزا۔ آپ کے نزدیک حاصل نہ ہو مگر سارا عالم اتنی بڑی بات کو بغیر نتیجہ نکالے نہیں چھوڑ سکتا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص امی محض ہو وہ قرآن جیسا کلام جو علاوہ حسن عبارت کے معنوی خوبیوں میں اپنا نظیر آپ ہی ہے۔ وہ بغیر خدا کے سکھائے نہیں سیکھ سکتا۔ یہ بھی آنحضرت کے رسول خدا ہونے کا ثبوت ہے۔

بابو۔ یہ اسی زمانہ میں کہا گیا تھا کہ ایک شام کے ملک کا نصرانی محمد صاحب کو آن کر قرآن سکھلا جاتا ہے۔

مرزا۔ مگر اس کا جواب قرآن نے خود ہی کیا اچھا دیا ہے۔ کہ قرآن تو فصیح عربی زبان ہے۔ یہ بھلا عجمی اجنبی آدمی اس عربی زبان میں ایسا کلام کیوں کر لا سکتا ہے لسان الذی

دیکھو باب ۳ صفحہ ۶۴

پادری۔ آنحضرت کے اُمّی ہونے کو اکثر اہل یورپ نے تسلیم تو کیا ہے مگر قرآن کا مصنف وہ آنحضرت کو ہی بیان کرتے ہیں۔

مرزا۔ آپ ہی غور کیجیے کہ جو شخص اُمّی محض اَن پڑھ ہو۔ اور اُس کے اُمّی ہونے کو تسلیم بھی کیا جاوے اور پھر اُسی کو قرآن کا مصنف مانا جاوے وہ قرآن جس کے مثل نہ عرب والے پیش کر سکے نہ اہل یورپ نہ اہل ہند بلکہ سارے دنیا جہان والے بھی نہ پیش کر سکے ہوں نہ پیش اب کر سکتے ہوں پھر اس ناانصافی کا کون جواب دے۔ اور آنحضرت کی رسالت اور صداقت پر صرف ایک قرآن کی فصاحت ہی تو دلیل اور حجت نہیں ہے۔ بلکہ آنحضرت صلعم کا ہر قول ہر فعل یہاں تک تمام حالات زندگی بجائے خود معجزہ ہیں آپ کو معلوم نہیں ہے کہ صدہا عقلمند صرف آنحضرت صلعم کے حالات اور واقعات روزمرہ زندگی کے دیکھکر اور سنکر ایمان لائے ہیں۔ کیونکہ اُن کے ذہن میں یہ بات تھی کہ معجزہ نادانوں کے واسطے ہوتا ہے۔ ہم کو تو وہ امور رسول کی ذات میں تلاش کرنا چاہییے ہیں اور وہ سوالات اُس سے کرنے چاہییے ہیں جو موجب جمعیت اور اطمینان خاطر ہوں چنانچہ اُن کا اطمینان ہوا۔ اور وہ مسلمان ہوئے۔ اور حقیقت میں اگر کسی انسان کی زندگی کے حالات اور واقعات اُس کی صداقت اور تقدیس کے لیے معیار ہو سکتے ہیں تو آنحضرت صلعم ہیں جس وجود اقدس کے ظہور نے بڑے بڑے بادشاہان روے زمین کو نابود کر دیا جسکی ہیبت سطوت کے آگے تاجداران عالم کے تخت اُلٹ گئے جس کے غلاموں کے لیے کسرا اور قیصر کا خراج پہنچنے والا ہو۔ جو عرب کی بادشاہت اپنی حیات طیبہ کے

معاوضہ میں کچھ صلہ انعام کبھی دیا۔ اور اگر وہ نصرانی دنیاوی لالچ پر یہ کام کرتا تھا تو اُس وقت کہاں مر گیا تھا جبکہ عرب والوں سے ایک سورہ کی مقدار قرآن عبارت طلب کر رہا تھا اور سارے عرب والے حیران اور پریشان تھے اگر یہ نصرانی اُن سے معاملہ کرتا تو بڑا فائدہ ہوتا کیوں کہ اُن کو ایسے شخص کی تلاش تھی۔ سب سے بڑی بات قابل غور یہ ہے کہ کوئی نصرانی یا یہودی اپنا پرایا اگر حقیقت میں ایسا تھا کہ قرآن جیسی عبارت فصیح بنا سکتا تھا تو غور کرنا چاہیئے کہ اُس کی یہ مشق اول ہی سے بڑھی ہوئی ہوگی پھر جو شخص آنحضرت کی خاطر اتنا بڑا قرآن بنا گیا۔ کوئی آخر اُس کی نظم نثر عربی زبان کی اس سے پہلی بھی مشہور ہوگی کیوں کہ فصاحت ایسا فن نہیں کہ گھر بیٹھے دو دن میں آجائے۔ ضرورت اس کی ہے کہ اکثر کاملوں کی صحبت اختیار کرے بڑے بڑے فصحا سے رات دن ملے۔ مزاولت بہم پہنچائے تب اس قابل ہو کہ کسی کی خاطر کچھ لکھ پڑھ دے مگر وہ نصرانی تو عجب قسم کا فصیح تھا کہ نہ کسی نے اُسے جانا نہ اُس کا کوئی کلام مثل قرآن کے مشہور ہوا۔ اور نیز حیرت کی بات ہے کہ آنحضرت نے تو اُس کو تلاش کر لیا مگر ہزاروں عرب شام والوں نے اُسے آج تک نہ جانا۔ اب معلوم ہوا کہ خدا کی اس میں یہ حکمت تھی جو قرآن ایک دم نازل نہیں ہوا کہ ہر قسم کے متلاشی اور جستجو کرنے والوں مخالفوں کو پورا وقت دیا جاوے کہ اگر ہو سکے تو پتہ چلا لیں ایسے شخص کا جس کی ذات کے ساتھ اس کلام کا سکھانا منسوب کیا جاتا ہے مگر کوئی ہوتا تو پتہ چلتا۔ چنانچہ سیل صاحب مترجم قرآن قرآن کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ اس بات کا کامل یقین ہے کہ محمد صاحب نے قران کے جمع کرنے میں ذرا سی مدد بھی کسی سے نہیں لی گو ہموطن آپ کے شبہہ کرنے سے باز نہیں رہے۔ اُنہوں نے چند مدد دینے والوں کے نام بیان کئے ہیں جو مدد دینے کی قابل نہ تھے

پیغمبر اور رسول خدا نہ ہوگا تو کون ہوگا ؟

اگر ان تمام مذکورہ بالا معاملات کے ہوتے ہوئے بھی آنحضرت صلعم کسی دشمن کی نظر میں رسول خدا نہ ثابت ہوں تو وہ ہم کو کسی اپنے مسلمہ امر کا ثبوت دیکر دکھلاے۔ تاکہ ہم معلوم کریں کہ کسی امر کے ثابت کرنے کو آخر کیا باتیں درکار ہوتی ہیں۔ باقی بدگمانی اور بدظنی کی تو کوئی حد نہیں ہے۔ زیادہ بدظنی اور بدگمانی ہمیشہ تعصب کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اور تعصب اندھا بہرا کردیتا ہے

بابو۔ ہم آریہ تعصب نہیں کرتے۔

مرزا۔ واہ ایک بار ایک آریہ حالت سفر میں کہنے لگے کہ حضرت کی ایک بی بی لشکر سے علیحدہ رہ جانے اور ایک اونٹ والے کے لشکر میں واپس لانے پر متہم ہوئیں اور ایک عورت کا ایک مرد کے ساتھ پہر دو پہر تنہا جنگل کے راستہ میں رہنا بدگمانی کے لیے ایک معقول وجہ ہے۔ میں نے کہا کہ سیتاجی کو ایک بدکردار عاشق مزاج اور زبردست حاکم پکڑلے گیا اور بہت عرصہ تک اُس نے اُن کو وہاں رکھا۔ اِس پر بھی مسلمان سیتاجی کی پاک دامنی کے قائل ہیں اور آپ پیغمبر کی بی بی کی نسبت بدگمان ہیں اور ایسے شخص کے ساتھ متہم کرتے ہیں کہ جو نہ عاشق مزاج تھا نہ بدچلن نہ کوئی بڑا آدمی بلکہ اُسی معصوم بی بی کے خاوند کا ادنے جان نثار اور ایک ادنےٰ اُمتی۔ یہ سُنکر جو ہندو پاس تھے وہ کہنے لگے کہ مہاراج یہ آریہ ہے اِس کا انتس خراب ہے اور مسلمانوں کا دل پاک ہے۔ مسلمانوں کی ہوڑ یہ نہیں کرسکتا۔ غرض کہ آریہ صاحبان ہی زیادہ بدگمان اور متعصب ہیں۔ آپ لوگوں کی بدگمانی کے ہندو بھی قائل ہیں۔

بابو۔ سیتاجی کو پاکدامن سمجھنا مسلمانوں کا شاید اسی وجہ سے ہو کہ حضرت عائشہ

اندر ہی اپنے قدموں کے تلے دیکھتا ہو۔ اور ربّ السّمٰوات والارض کی
پیدا کردہ قوتیں جس کے لیے سربسجود ہوں اُس کے اخلاق اور عادات وہ ہوں
کہ اُس کی خاکساری فروتنی بنکسر المزاجی دیکھکر صدہا ایمان لائیں۔ اُس کے
احکام اور تعلیمات وہ ہوں کہ بڑے بڑے حکیم اور فلاسفر اُن کو دیکھکر اُس کی
حلقہ بگوش ہوں اور مرتے دم تک اُسی کا کلمہ پڑھیں۔ ہزاروں اوصافِ
حمیدہ اور عادات پسندیدہ کے اُس کی ذات سرچشمہ ہو جو اپنی نظر کیمیا اثر
سے عرب جیسے وحشیوں۔ مغرور۔ خودپسند اور خودرائے مردم آزار قوم
کی کایاپلٹ دی کہ جو دنیا بھر کے معائب اور جرائم کے عادی ہوں اور پھر
ایک دو نہیں ملک کا ملک قلب ماہیت ہو کر کامل انسان فرشتہ خو ہوجائیں
اور ایسے قوانین وضوابط اپنی اُمت کی پچھلی آنے والی نسلوں کے لیے
چھوڑ جائے کہ جس کی بدولت وہ دنیا میں دنیا کے سرتاج ہوں اور بلحاظ
اعمال حسنہ اور بلحاظ عادات پسندیدہ دنیا کے لیے بہترین نمونۂ زندگی
بنیں۔ صدہا پیشین گوئیاں علے الاعلان دوست دشمن میں بیان کرے اور
اکثر پیشین گوئیاں پچھلوں کے واسطے کہہ جائے اور وہ سب کی سب وقت
پر پوری ہوں اور خدا کے ساتھ بندوں کا وہ رشتہ قایم کرجائے کہ جو کسی سے
نہ بن پڑا ہو۔ ہزاروں اُس کے دشمن جانی منفعل ہو کر آخر اُس کے ایسے
جان نثار ہوں کہ جن کی مثال زمانہ پیش نہیں کرسکتا۔ ایک ہی صدی میں اُس کا
دین مغرب سے مشرق میں شمال سے جنوب میں پھیل جائے۔ جس کی اُمت
کے بے سروسامان لشکر کا مقابلہ قیصر وکسرا نہ کرسکیں۔ جو دنیا میں رہ کر
دنیا کے اُن اسباب سے متمتع نہ ہو کہ جس سے دنیادار کا متمتع نہ ہونا محال
عادی ہے جس کی خوبیوں کے بڑے بڑے دشمن شہادت دیں۔ بھلا وہ شخص

خاوند کے حقوق صحبت اور خاندانی شرافت اور عصمت کو دیدہ و دانستہ خاک میں ملانا محال عادی ہے۔ کسی طرح عقل سلیم اس کو باور نہیں کر سکتی کہ جو عورت خود اپنی نگاہ میں اتنے اوصاف سے متصف ہو وہ دفعتاً اُس کام پر راضی ہو جاوے کہ جس کام کے کرنے سے وہ موت کو بہتر جانتی ہوگی۔ یہہ ایک ایسی دلیل ہے کہ اس کی تردید کرنا امکان سے باہر ہے۔ پس حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ اور حضرت مریم کے ساتھ اسی قسم کے اعتبارات حد سے زیادہ موجود ہیں۔ اُن سے کوئی کام خلاف عصمت ظاہر ہونا محال عادی ہے۔ باقی مخالفوں کا غصہ اور تعصب دوسری بات ہے۔

بابو۔ رسالت کے متعلق پوری بحث ہو چکی ہے۔ اب دوسرے شبہات بیان کروں گا فقط

اہل اسلام کے گوشت کھانے پر اعتراض

بابو۔ قرآن میں ہے کہ جاندار پرند۔ چرند کو ذبح کرو اور اپنی خوراک کے کام میں لاؤ یہ تعلیم رحم کے خلاف ہے۔ رحم دلی کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے دوسرے کی جان برابر سمجھے اور رحم صفت خداوند تعالےٰ کے قرآن میں بھی مذکور ہے مگر یہ حکم رحم کے خلاف قرآن میں ہے۔

مرزا۔ ہندوؤں کا یہ اعتراض بہت مشہور ہے مگر ہندوؤں میں سے بھی صرف ایک مٹھی بھر گروہ آدمیوں کا وہ کون آپ لوگ آریہ یا پہلے ہندوؤں میں یہ کچھ برہمن ما بقی دنیا کی کوئی قوم یہ اعتراض نہیں کر سکتی کیونکہ گوشت خوار ہیں پس یہ کہنا کہ خاص مسلمان ہی ایسا کرتے اور اُن کو ہی یہ تعلیم دی گئی واقع کے خلاف ہے جو دنیا کی قومیں گوشت خوار ہیں اگر اُن کا شمار بمقابلہ آریہ اور برہمنوں

کا معاملہ زیر نظر ہے اور زیر بحث ہے۔ ورنہ آپ سے سیتاجی کی پاکدامنی پر دلیل طلب کی جاوے تو کیا کہہ سکتے ہیں۔

مرزا۔ مسلمان چونکہ دونوں کی پاکدامنی کے قائل ہیں اس لیے وہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس سے آپ بھی انکار نہیں کر سکتے اور نہ کوئی دوسرا سمجھ دار آدمی انکار کر سکتا ہے۔

بابو۔ بھلا کچھ فرمائیے تو۔

مرزا۔ ایک پاکباز۔ نیک طینت۔ شریف الطبع۔ خدا ترس آدمی وہ ہی کام کیا کرتا ہے جو عرف میں اچھے کہلاتے ہیں۔ اور چور بدمعاش وہ کام کرتے ہیں جس کے وہ عادی ہوتے ہیں اور چونکہ رات دن دیکھا جاتا ہے اسلیے اچھے بُرے کام۔ اچھے بُرے لوگوں سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ مثلاً آپ کے گھر چوری ہوگی تو ضرور ہے کہ پولس آپ کے محلہ کے بدنام۔ بدمعاش لوگوں کو پکڑے گی۔ نہ کسی ساہوکار کو۔ پس مسلمان سیتاجی کی نسبت خیال کرتے ہیں کہ وہ ایک راجہ کے گھر چھوٹی سے بڑی ہوئیں۔ بچپن سے عمدہ تعلیم تربیت پائی۔ اُن کے والدین نے ہمیشہ بد صحبت سے بچایا۔ اور آخر ایک نیک بخت پسندیدہ اطوار نیکوکار عورت بنکر تیار ہوئیں۔ پھر شادی ہونے پر اور خاوند کے بن باس اختیار کرنے پر جو عورت خاوند کی وفاداری سے باز نہ رہی ہو اور راجہ کی بیٹی امیرزادی ہو کر جس نے خاوند کی محبت و الفت میں اُس کی خدمت کو تمام اپنی راحت و آرام پر مقدم جانا ہو۔ اور جنگل میں خاوند کے ساتھ رہکر تمام پیش آنے والی مصیبتوں کا مقابلہ کیا ہو اور جو عادتاً اپنے نیک افعال سے آیندہ نسلوں کے لیے اپنے کو بہترین نمونہ نیکوکاری و وفاشعاری کا بنا چکی ہو۔ اُس کا راون جیسے عاشق مزاج کا کہنا کرنا اور اپنے

مرزا۔ سزائے موت یا حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا کیوں نہیں کرتے جیسی جان ایک طوطے کی ہے ویسی جان آپ کی ہم قوم ہنود کی پھر تجویز سزا میں کمی کیسی کیا برابر سمجھنے کے یہی معنی ہیں۔

بابو۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ سزائے موت تجویز کیجاوے۔

مرزا۔ اگر نہیں ہوسکتا تو آپ کے انصاف پر اعتراض ہوسکتا ہے۔

بابو۔ ذرا غور کیجیئے کہ اپنی زبان کے مزے کے واسطے ایک ایسی شئے جاندار کو جو آپ کے واسطے نہ بنائی گئی ہو ضائع کرنا کیسی بیرحمی ہے؟

مرزا۔ مگر گائے بھینس کے دودھ کو اُس کے بے زبان بچے سے چھینکر خود پی جانا تھوڑی سی زبان کے مزے کے واسطے کیا داخل رحم ہے؟ حالانکہ وہ دودھ آپ کے واسطے گائے کے تھنوں میں نہیں پیدا کیا جاتا۔

بابو۔ اچھا دودھ پینے میں بیرحمی سہی مگر اسقدر نہیں ہے جتنی جانور کے مار ڈالنے میں۔

مرزا۔ بارے تھوڑی سی بیرحمی کے آپ مقر تو ہوئے اتنا معلوم ہوگیا کہ اسقدر بیرحمی موافق تعلیم وید کے درست ہے۔ اب رہا یہ امر کہ جانور کا مار ڈالنا داخل سخت بیرحمی ہے سو میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے سر میں جب جوئیں پیدا ہو جاتی ہیں یا پلنگ میں کھٹمل یا زخم میں کیڑے پڑجاتے ہیں تو کیا کرتے ہو۔

بابو۔ اُن کو مار ڈالتے ہیں کہ اُن کی کثرت آخر باعث تکلیف ہو جاتی ہے۔

مرزا۔ کیا زخم کے کیڑے اور کھٹمل اور جوئیں جاندار نہیں ہیں اور اُن کا مار ڈالنا یا پھینک دینا جس سے وہ تمہارے علم میں ہلاک ہو جاتے ہیں

کے کیا جاوے توکسور عشاریہ کے نسبت بھی نہیں ہوگے۔ اب رہا یہ امر
کہ ہر جان کو برابر سمجھنا چاہیئے۔ یہ صرف آپ کا کہنا ہی کہنا ہے نہ آپ برابر
سمجھتے ہیں نہ کوئی دوسرا سمجھ سکتا ہے۔ برابر سمجھنے کے معنی تو یہ ہیں کہ ایک آنکھ
سے سب کو دیکھا جاوے۔ آپ لوگ جانوروں کو توکیا خود اپنی جنس آدمیوں
کو ہی برابر نہیں سمجھتے۔ چمار۔ خاکروب۔ آوگھڑ کیسے ہی پاک صاف ہوکر
آپ کے شریک حال ہوا چاہیں۔ مگر شریک نہیں ہو سکتے۔ اور یہ تخصیص قومی
توہندوستان کے ساتھ مخصوص ہے۔ چنانچہ لتھبرج صاحب اپنی تاریخ
ہند میں لکھتے ہیں کہ ہندوؤں کی توانیں فوجداری سخت تو نہیں ہیں مگر بہت
ناشائستہ ہیں اِن میں بہت بڑا نقص یہ ہے کہ اونچی ذاتوں کی بڑی رعایت
اور شودروں پر بڑا ظلم اور سختی روا رکھی گئی ہے دیکھو تاریخ ہند صفحہ ۹۲ منو کا
دھرم شاستر۔ پھر برابر سمجھنے کی یہ ہے معنی ہیں۔ جانوروں سے سخت محنت
کے کام لیتے ہو مگر خود اِس قسم کے کام نہیں کرتے چاہیئے کہ ایکطرف گاڑی
میں ہل میں بیل لگایا جاوے تو دوسری طرف جوے میں برابر سمجھنے والا
شامل ہو۔ یہ تو انصاف نہیں ہے۔ کہ ہمیشہ اُسی سے گاڑی گھسٹواؤ۔
علاوہ اِس کے میں دریافت کرتا ہوں کہ ایک ہندو شخص نے میرا
پالا ہوا طوطا عمداً جان سے مارڈالا میں آپ کے آریہ عدالت میں مستغیث
ہوا۔ مجرم نے طوطے کے مارڈالنے سے آپ کی آریہ عدالت میں اقبال
کیا اور ہر طرح ثبوت قابل اطمینان پیش ہوگیا اب میں اُس ہندو مجرم
کی نسبت تجویز سزا کا متوقع ہوں۔ آریہ اپنی عدالت نوشیروانی اور
وید مقدس کے رُو سے کیا تجویز سزا کرینگے فرماؤ۔

بابو۔ ہم اُس کو جرمانہ یا کچھ قید کی سزا دینگے یا قیمت دلواویں گے۔

ایک ہے تو اس صورت میں مسلمانوں کے خدا سے آریوں کا خدا زیادہ بے رحم ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کا خدا تو سوائے گوشت کے مسلمانوں کو غلہ اور میوہ جات بھی کھلاتا رہتا ہے۔ اُن کی زندگی کا مدار گوشت پر نہیں رکھتا مگر گوشت خوار جانوروں کے خدا نے جو در اصل آریوں کا خدا بھی ہے ہزاروں گوشت خوار جانوروں کی زندگی کا مدار گوشت کے کھانے پر رکھ چھوڑا ہے۔

بابو۔ بڑا غضب یہ ہے کہ کبھی مسلمان اپنی ایک جیو کے واسطے سینکڑوں جیو مار ڈالتے ہیں جیسے ایکبار میں نے دیکھا کہ ایک مسلمان امیر نے دریا میں جال ڈلوایا اُس میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں صدہا آئیں وہ خوش ہو کر کھانے کو لے گئے میں سمجھ گیا کہ یہ مذہبی تعلیم کا اثر ہے۔

مرزا۔ اس سے زیادہ غضب کی یہ بات ہے کہ ہندو جیو کو ظاہر میں کھاتے بھی نہیں تاہم ہزاروں جیو مار ڈالتے ہیں۔

ایکبار[۱] میں نے ایک آسودہ ناگر برہمن کو دیکھا کہ اُس نے دوشالہ یا رومال پشمینہ کا صندوق سے نکالا اُس میں کیڑا لگ گیا تھا۔ اُس نے باہر دھوپ میں آکر اُس پارچہ پشمینہ کو زور سے جھٹکا۔ ہزاروں کیڑے زندہ گرم زمین پر گر کر مر گئے۔ جب میں نے کہا کہ ایسا نہ چاہیے تھا تو ہنسکر کہا کہ ان کی خوراک کا کچھ آپ انتظام کیجیے میں جانتا ہوں کہ جسقدر اُس برہمن کو اپنے کرم خوردہ رومال میں سوراخ پڑ جانے کا رنج ہوا۔ اُس کا ہزارواں حصہ بھی اُن جاندار کیڑوں کے مرجانے کا افسوس نہ ہوا ہوگا۔

---

[۱] میں نے جانی عجب لال جی کو اُودے پور میں اُونی دوشالہ جھاڑتے دیکھا تھا اور اُن سے یہ جواب سُنا تھا۔

کیا داخل بیرحمی نہیں ہے۔

بابو۔ مگر تکلیف دیتے ہیں۔ اُن کا مارنا گناہ نہیں ہے۔

مرزا۔ اگر تکلیف دیتے ہیں تو آپ بھی اُن کو بہت کرو تکلیف دے لیا کرو کہ تکلیف کا بدلہ تکلیف ہے۔ نہ یہ کہ مار ڈالو۔ خدا نے اُن کو تمہارے مار ڈالنے کو پیدا نہیں کیا۔

بابو۔ جو چاہو کہو مگر خداوند تعالےٰ نے جاندار کو ہرگز اجازت نہیں دی کہ وہ جاندار کو کھالے۔

مرزا۔ اگر اجازت نہیں دی تو شیر بھیڑیے۔ بگھڑے کیوں جانوروں کو کھا لیتے ہیں آپ نے پڑھا ہوگا کہ سمندر میں ایک قسم کی مچھلی ہر روز ہزار دن چھوٹی مچھلیوں کو کھا جاتی ہے پھر اُس سے دریافت کرو کہ اُس کو اجازت خداوندی حاصل ہے یا نہیں؟

بابو۔ کیا انسان اور جانور برابر ہیں۔ انسان صاحب عقل ہے۔ اور عقل کا مقتضا ہے کہ رحم کرے۔

مرزا۔ آپ تو انسان ہیں اور انسان بھی صاحب عقل اور عقل کا تقاضا رحم کرنا ہے مگر اوپر تو آپ کی بیرحمی ثابت ہو چکی ہے۔ پھر خود را فضیحت و دیگرے را نصیحت چہ معنی دارد۔ ؎ وہ بیٹا چھوڑ دو توجانیں۔

بابو۔ اتنا ضرور[له] کہا جاوے گا کہ مسلمانوں کا خدا رحمدل نہیں ہے کیونکہ جانوروں کو ہلاک کرانا رحم کے خلاف ہے۔

مرزا۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ گوشت خوار جانوروں کا خدا اور آریوں کا خدا ایک ہے یا جُدا جُدا۔ اگر آریوں کا خدا اور گوشت خور جانوروں کا خدا

[له] تکذیب براہین احمدیہ میں اسی طرح اعتراض کیا ہے۔

کو چوپایوں اور چمگادڑ کو پرندوں میں دیکھکر دونوں کلیے ٹوٹ جاتے ہیں اسلیے
ممکن ہے کہ یہ کلیہ بھی ٹوٹ جاوے۔ سوای ازیں علم حیوانات کے جاننے
والوں نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ مختلف جانوروں کو مختلف طور کے دانت
اُن کی ضرورت پر لحاظ فرماکر عنایت کئے گئے ہیں۔ مثلاً دھاروالے دانت
اُن جانوروں کو دئے ہیں جو میوہ وغیرہ کتر کر کھاتے ہیں جیسے چوہا۔ گلہری
اور نوک دار کھونٹی اُن جانوروں کو دی ہیں جو گوشت پھاڑتے ہیں۔ جیسے
شیر وغیرہ گوشت خوار جانور۔ اور اُن کے بعد چوڑوں کے دانت اُن جانوروں
کو دئے ہیں جو ہر ایک قسم کی غذا کو باریک کرتی ہیں۔ جیسے گاے بیل وغیرہ
مگر انسان کو یہ کل قسم کے دانت عنایت کیے ہیں اسلیے معلوم ہوا کہ اِس کی فطرت
میں میوہ جات اور گوشت اور غلہ کل قسم کی چیزیں کھانی مقدر ہو چکی ہیں۔ دوسرے
ہر ایک جانور ایک دو چیز قسم نباتات سے کھا سکتا ہے۔ مگر انسان اکثر قسم
کے نباتات اور بعض قسم کے معدنی اور اکثر قسم کے حیوانات کو کھا سکتا ہے
جس سے ثابت ہوا کہ سب جانوروں سے زیادہ اسی کے واسطے چیزیں
پیدا کی گئی ہیں۔ اور کیوں نہ ہو اشرف المخلوقات ہی اسی کے واسطے اکثر جاندار
نباتات حیوانات وغیرہ کو پیدا کیا ہے۔ گویا زمین ایک دسترخوان ہے کہ
جس پہ رب العلمین نے اپنے بندوں کے واسطے انواع انواع نعمت
چُن دی ہیں کہ جس کو چاہے اور جس میں اپنا فائدہ دیکھے کھاے۔ مگر خداوند تعالے
نے گوشت انسان کے واسطے کچھ ایسی ضروری غذا تجویز کی ہے کہ اور کچھ
کھاے یا نہ کھاے مگر ہر روز گوشت کسیقدر ضرور کھالیتا ہے۔ دیکھو پانی
میں **بیکٹیریا** نامی کسقدر کثیر التعداد کیڑے ہیں جن کا شمار کیا گیا ہے۔
کہ ایک ریت کی ذرہ کی تلی ساڑھے تین لاکھ دب سکتی ہیں اور کوئی ایسا فلٹر

اسی طرح ایک مہاجن[۱] کو دیکھا کہ وہ اپنی سواری کے اونٹ کی ناک دغوا رہا تھا۔ معلوم ہوا کہ اُس اونٹ کی ناک میں صدہا کیڑے پڑ گئے ہیں اُن کو آگ سے جلا کر مارا جاتا ہے۔ جب میں نے اُس مہاجن سے کہا کہ جلانا مناسب نہیں ہے یہ کیڑے بھی جاندار ہیں دوسرے اونٹ ایک جیو ہے اُس کی حفاظت کے واسطے صدہا جیو مارنے موافق عقل ہندوؤں کے سخت بیرحمی ہے۔ یہ سُنکر ہنستا رہا۔ میں سمجھا کہ اس کا یہ ہنسنا اپنے اصول مذہب پر ہے کہ جو ناممکن العمل ہیں۔

بابو۔ آریوں نے ثابت کر دیا ہے کہ از روے علم حکمت انسان گوشت کھانے کو پیدا ہی نہیں ہوا ہے۔ اِس طرح کہ انسان اُن جانوروں میں سے ہے جو گھونٹ سے پانی پیتے ہیں اور وہ گوشت نہیں کھاتے۔ مثلاً۔ گاے گھوڑا وغیرہ گھونٹ سے پانی پیتے ہیں اور گوشت نہیں کھاتے اور انسان بھی گھونٹ سے پانی پیتا ہے۔ گوشت خوار جانوروں کی طرح زبان سے نہیں پیتا۔ پس یہ فطرتاً گوشت کھانے کو نہیں ہے۔

مرزا۔ اِس وقت از روے تحقیقات علم حیوانات کی کئی لاکھ جنس دریافت ہوئی ہیں۔ اوّل اس کا یقین دلانا چاہیے کہ سب جنس کے جانوروں کو دیکھکر یہ حکم لگایا گیا ہے یا سو پچاس جنس جانوروں کو دیکھکر۔ اسلیے کہ بہت کُلیتے ایسے ہیں کہ ٹوٹتے رہتے ہیں مثلاً فرض کرو کہ تم نے ہزاروں چرند جانوروں کو دیکھکر یہ حکم لگایا کہ جو جانور چوپایہ ہے وہ بچہ دیتا ہے انڈا نہیں دیتا اور دودھ پلاتا ہے اور جو جانور پرند ہے وہ انڈے دیتا ہے۔ بچہ نہیں دیتا اور دودھ نہیں پلاتا اور یہ ایسا کلیہ ہے جو لاکھوں جنس جانوروں کو حاوی ہے۔ مگر مگرمچھ

---

[۱] دہنراج ایک مارواڑی مہاجن بمقام ۔۔۔ میں تھا یہ سواری کے عمدہ اونٹ رکھتا تھا۔

موجود ہیں اور پانی ہمیشہ اپنے ارادہ سے پیتے رہتے ہیں تو اُن کیڑوں کا کھانا علم و ارادہ سے ثابت ہوا یا نہیں اور جب بقول آپ کے خدا کا قول وید میں یہ ہے کہ جاندار نہ مارے جاویں بلکہ سب جیو برابر سمجھے جاویں اور فعل خدا کا یہ ثابت ہے کہ کل آریوں کی زندگی کا مدار لاکھوں جانداروں کے کھا لینے پر رکھکر اُن کو بلا ناغہ روز گوشت اُن کا کھلاتا رہتا ہے تو دونوں قول و فعل باہم مخالف ہوئے یا نہیں اور ہم کو کہنا پڑا کہ وید خدا کا کلام نہیں کیونکہ ۔ نمی باشد مخالف قول و فعل راستاں باہم ۔ دوسری تاریخوں سے ثابت ہے کہ پہلے زمانہ میں آپ کے بزرگ آریہ شراب کباب کھاتے پیتے رہتے تھے ۔ چنانچہ لتھبرج صاحب اپنی تاریخ ہند کے صفحہ (۲۲) میں لکھتے ہیں کہ آریہ لوگوں میں دستور تھا کہ وہ دعوتوں کی تقریبوں میں شراب کباب کھایا پیا کرتے تھے دیکھو تاریخ ہند ۔ پس آریوں کے بزرگوں کا گوشت کھانا اور حال کے آریوں کا اس سے انکار کرنا باہم مخالف ہیں یعنی سلف کا وہ فعل اور خلف کا یہ قول ۔ پس دونوں میں سے ایک راستی پر اور دوسرا ناراستی پر ضرور رہا ۔ اور کہنا پڑا ۔ نمی باشد مخالف قول و فعل راستاں باہم دیکھو ایک جگہ سوامی جی اسی سلسلۂ اعتراضات میں فرماتے ہیں اگر قرآن کا خدا دنیا کا پروردگار ہوتا اور سب پر بخشش اور رحم کیا کرتا تو دوسرے مذہب والوں اور حیوانات وغیرہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل کرانے کا حکم نہ دیتا ستیارتھ پرکاش باب ۱۴ صفحہ ۶۶ ۔

پس اس کے جواب میں ہم عرض کرتے ہیں کہ سوامی جی نے یجر وید کے چوبیسویں[۲۴] ادھیاے میں مختلف قسم کے صدہا جانداروں چرندوں ۔ پرندوں کے قتل عام کا حکم دیکھکر وید کی نسبت اور وید کے خدا کی نسبت ایسی رائے قایم کیوں نہ کی

نہیں ہے کہ جس کے ذریعہ سے اُن کو پانی سے علیحدہ چھان لیا جاوے پس ایک قطرہ پانی میں کسقدر ہونگی۔ دیکھو یوٗیوٗلرڈیلِنگ اِن سائنس مروجۂ گورنمنٹ کالج مصنفہ جان ٹگال وہائی جنگ وغیرہ۔ اِسی طرح ہوا میں ہزاروں کیڑے ہیں کہ جو سانس کے ساتھ پیٹ میں جاتے ہیں۔ علاوہ ان کے کل سبز ترکاریاں جاندار کیڑوں سے بھری ہوتی ہیں۔ اگر شک ہو تو خوردبین یا میکرس کوپ سے دیکھ لو اب اس سے زیادہ کیا ثبوت اِس امر کا ہوگا کہ انسان گوشت کھانے کو ہی پیدا ہوا ہے اور لاکھوں جاندار اِس کی روزانہ خوراک ہوتے ہیں جس سے نہ آپ بچے ہو نہ کوئی اور برہمن وغیرہ۔

بابو۔ یہ سب کچھ صحیح مگر ہم اپنے علم اور ارادہ سے جانوروں کو نہیں مارتے نہ وید میں خدا نے یہ حکم دیا ہے کہ جانوروں کو مارو۔ بلکہ یہ حکم ہے کہ سب جیو برابر سمجھے جاویں بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ جانداروں کو مارتے رہتے ہیں اور اُن کے قرآن میں حکم ہے کہ جانوروں کو کھاتے رہو۔ اِسی پر پنڈت[۵] لیکھرام صاحب نے اعتراض کیا ہے کہ ایک جگہ تو قرآن میں خدا کو رحمٰن رحیم و ربّ العالمین کہا جاتا ہے دوسری جگہ صَیدُ البرِّ و البحر کی اجازت ہے۔ ذبح و قتل رحمت و ربوبیت کے برخلاف ہے۔ اور سراسر بے رحمی و سفاکی و جلادی ہے۔ نہ رحمانیت۔ جن کے دل میں ذرہ بھی محبت و رحمت کا نشان ہوگا وہ ضرور کہیں گے کہ قرآن اُس کا کلام نہیں۔ نمی باشد مخالفت قول و فعل راستاں باہم۔

مرزا۔ جب آریوں کو اس کا علم ہے کہ پانی میں لاکھوں کیڑے جاندار

---

[۵] دیکھو تکذیب براہان احمدیہ یہ مصرع بھی اسی موقع پر اسی طرح درج ہے مع اس عبارت اور اعتراض کے

میں مختلف دیوتاؤں یا پتروں کے نام پر مختلف جانوروں کو ذبح کرنا درج ہے
اور خود سوامی جی نے اپنی ابتدائی تالیفات میں مانا ہے کہ یگیہ میں جانوروں کی
قربانی کرنی چاہیے اور یجروید کے چوبیسویں ادھیائے میں تو بے شمار
جانور چرند پرند جیسا کہ مذکور ہوا دیوتاؤں کے نام پر لکھے ہیں علاوہ اس کے یجروید
کے اکیسویں ادھیائے کے انتیسویں منتر کا بھاشہ کرتے ہوئے سوامی دیانند
جی مہاراج نے یگیہ کے لیے ہنسا کو ضروری سمجھا ہے اور کالے رنگ کے مینڈھے
وغیرہ جانوروں کو یگیہ کے سالگری کے لیے لازمی جزو قرار دیا ہے اور ستیارتھ
پرکاش مطبوعہ ۱۸۷۵ء میں تو سوامی جی نے نرمیدہ اور گومیدہ یگیہ میں بیل وغیرہ
جانوروں کو مارنے کی تعلیم از روی برہمن گرنتھ دی ہے العاقل تکفیہ الاشارہ
بابو۔ اچھا اب اس گوشت کی بحث کو چھوڑ دیجیے۔
مرزا۔ جو بحث کرو گے آخر اسی طرح چھوڑتے جاؤ گے۔ اچھا اور کچھ
فرماؤ۔

اعتراض بر جزیۂ اسلام

بابو۔ غیر مذہب والوں سے جزیہ وصول کرنا کیسی تعلیم ہے جو غیر مسلمان
آپ کی رعیت بنتے اُن سے ہمیشہ جزیہ کے نام سے ٹیکس وصول ہوا
اور مسلمان اُس سے بری سمجھے گئے یہ کیسے ظلم کی بات تھی۔ چاہیے تھا
کہ ہر مذہب والوں کو برابر دیکھا جاتا۔
مرزا۔ بیشک ذمیوں سے جزیہ کی رقم وصول کی جاتی تھی اور اُس رقم کے
بدلے میں اُن کی جان و مال کی حفاظت کیجاتی تھی اور وہ ایک خفیف رقم
تھی تعداد جس کی زیادہ سے زیادہ بیس۲۰ روپیہ سال

کیا راستی اور بے تعصبی اسی کا نام ہے کہ قرآن جو انسانوں کے لیے جانوروں کے کھانے کی اجازت دے تو وہ ظالم اور جہالت بھرا ہو جاوے۔ اور وید جو ہزاروں جانوروں کو بیکار طریقہ پر یگیہ میں قربانی کر دینے کی تعلیم دے تو وہ علم وعقل کی کتاب ہو جاوے۔ سوامی جی کی ان ہی باتوں کو دیکھکر تو لوگ معترض ہو رہے ہیں اور سبز ترکاریوں کا کھانا بھی ظلم ہے جنہیں بقول سوامی جی کے بقاعدہ تناسخ انسانی ارواحیں بھرتی ہیں

بابو۔ یجروید کے ۲۴ ادہیائے میں دیوتاؤں کے ناموں کے ساتھ ساتھ البتہ بہت کثرت کے ساتھ جانداروں کے نام آئے ہیں۔ مگر سوامی جی نے اس کا مطلب یہ لیا ہے کہ اس پرکرن میں دیوتا پد سے اس اس پد کے گن یوگ سے پشو جاننے چاہیے ہیں۔

مرزا۔ مگر منوسمرتی کے پانچویں ادہیائے میں صاف صاف لکھا ہے کہ دیوتاؤں کے نام سے یگیہ میں فلاں فلاں حیوان کو ذبح کرو اور ان جانور چرندوں پرندوں کے دہاں پر مثل یجروید کے ادہیائے کی ایک بہت لمبی چوڑی فہرست بھی دی گئی ہے۔ ان میں گائے بیل وغیرہ کا مارنا بھی شامل ہے خود برہدارنیک اُپنشد ادہیائے ۸ برہمن ۴ منتر ۱۸ میں لکھا ہے کہ جو پرش یہ چاہے کہ میرا پتر پنڈت سمپورن آیو کا بھوگنے والا ہووے۔ وہ پرش جوان بیل اتھوا اس سے زیادہ عمر والے بیل کا مانس چاولوں کے ساتھ پکا کر اس میں گھی ڈالکر اپنی عورت کے ساتھ کھاوے۔ سوامی دیانند جی مہاراج نے بھی اپنی تصنیف سنسکار ودہی میں اس کو بطور سند کے پیش کیا ہے

مہابھارت ہندوؤں کی کتاب ہے اس کتاب کے دن پرب کے ادہیائے ۲۰۷ میں لکھا ہے کہ رنتی دیو راجہ روز دو ہزار گائے ذبح کیا کرتا تھا اور رشی منی اسکے ہاں بھوجن پایا کرتی تھی۔ اسی طرح وشنو سنگھتا ادہیائے ۸۰

بابو۔ ضرور جزیہ سے ایسی کوئی خاص معنی مراد ہیں کہ جو عام نہیں اگر عام ٹیکس کے معنوں میں یہ لفظ ہوتا یا پہلے سے اس کا استعمال ہوتا تو اعتراض کی کوئی وجہ نہ تھی۔

مرزا۔ جزیہ خراج یا محصول کے معنی میں اول سے مستعمل تھا۔ چنانچہ اس لفظ کی تحقیق اور مواقع استعمال کو مولانا شبلی صاحب نعمانی سابق پروفیسر محمڈن علیگڑھ کالج نے اپنے رسالہ الجزیہ نامی میں خوب بیان کیا ہے اس فاضل اور مورخ بے نظیر کی یہ تقریر دیکھنے کے بعد کوئی وہم باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ اُس میں لکھا ہے کہ نوشیروان عادل نے جس کے عدل و انصاف سے ایک زمانہ واقف ہے اپنی ہم مذہب رعایا سے جو فوجی خدمت انجام نہ دیتے تھے اسی طرح جزیہ لیا تھا اور فوجی خدمت گزاروں سے نہ لینے کی وجوہات بھی نوشیرواں نے یہ ہی بیان کی تھیں۔ جو مسلمانوں نے بیان کی ہیں کہ اہل فوج ملک کے محافظ ہیں وہ اپنی جانیں خطرہ میں ڈالتے ہیں اس لیے لوگوں کی آمدنی سے اُن کے لیے ایک رقم خاص مقرر کی گئی ہے کہ وہ اُن کی محنت کا معاوضہ ہو۔ دیکھو تاریخ ابن الاثیر جلد اول۔ فردوسی نے بھی لکھا ہے

اشعار۔

همه پادشاهان شدند انجمن — زمین را به جمشید دبرز ورسن
گزیتے نهادند بر یک درم — گرایدون که دهقاں نه بودے دژم

بلکہ اکثروں نے اس لفظ جزیہ کو گزیہ کا معرب لکھا ہے۔

لین صاحب اپنی کتاب مدالقاموس میں جو نہایت جامعیت سے لکھی ہے جزیہ کو جزی سے مشتق یا گزیہ کا معرب لکھتے ہیں۔ یہ لفظ اسلام سے اول عرب میں ان معنی میں مستعمل تھا اور خراج زمین کے معنی میں بھی آتا رہا ہے

ہوتے ہیں یہ تو دولتمندوں سے لی جاتی تھی اور دوسرے درجہ والوں سے چھ روپیہ اور تمام لوگوں سے تین روپیہ سالانہ لئے جاتے تھے بشرطیکہ وہ ادا کر سکیں اور لڑکے کم عمر اور بوڑھے۔ اور عورتیں اور مفلوج نابینا وغیرہ ہر حالت میں مطلقاً معاف تھے اور کبھی بجائے فی کس کے فی گھر جزیہ لیا جاتا تھا جو اس سے بھی کم رقم ہوتی تھی اور مسلمانوں سے زکوٰۃ کی رقم جو اس سے کہیں زیادہ ہوتی تھی وصول کی جاتی اور مسلمانوں کو فوجی خدمتیں علیحدہ علیحدہ انجام دینی ہوتی تھیں جس میں وہ جان دیتے تھے اُس خدمت سے ذمی محفوظ تھے۔ اور یہ کل روپیہ پیسہ جزیہ کا مسافر محتاج اپاہج درماندوں کے کام میں لایا جاتا تھا۔ جس میں ہر مذہب کا آدمی شامل تھا۔ اُس زمانہ میں انکم ٹیکس انڈ ا ریکٹری ٹکس جنگی سڑکانہ مدرسانہ چوکیداری اسٹامپ کے نام سے کوئی واقف نہ تھا پس اس میں ظلم کی کیا بات ہوئی۔ جبکہ مسلمانوں سے علاوہ فوجی خدمت کی زکوٰۃ لی جاتی تھی اور ذمیوں سے جزیہ۔ فرق صرف یہ تھا کہ مسلمانوں سے زکوٰۃ کے نام سے مال کا چالیسواں حصہ اور ذمیوں سے جزیہ کے نام سے وہ مذکورہ روپیہ وصول ہوتا تھا۔ خواہ ذمی کیسا ہی دولتمند ہو اور جزیہ تو معاف بھی ہو جاتا تھا جیسا کہ حضرت عمرؓ کی خلافت میں[۵۱] جرجومہ اور اُس کے قرب وجوار کی مضافات میں جزیہ بالکل معاف ہو گیا تھا۔ اور ماریہ قبطیہ[۵۲] کے ہموطن بھی جزیہ سے معاف کر دئے گئے تھے۔ مگر زکوٰۃ ہرگز معاف نہیں ہوتے تھے بلکہ زکوٰۃ نہ دینے والوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں ایسا ہوا ہے غرض سلطنت اسلام میں جو انصاف تھا اس انصاف کی نظیر دنیا میں کوئی دکھا نہیں سکتا ہے۔

---

[۵۱] دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۱۵۹ [۵۲] دیکھو فتوح البلدان صفحہ ۲۱۹ از رسالہ مذکور۔

ہے اور جن پر خالد بن ولید نے اُن سے مصالحت کی ہے یہ برائت نامہ

ہے خالد اور مسلمانوں نے جس پر صلح کی وہ ہم کو وصول ہوئی جو شخص خالد کی

صلح کو بدلنا چاہے اُس کو تم لوگ مجبور کر سکتے ہو بشرطیکہ جزیہ ادا کرتے رہو تمہارے

امان امان ہے اور تمہاری صلح صلح۔ یعنی جس سے تم صلح کر دوگے ہم بھی کرینگے

اور جس کو تم امان دوگے ہم بھی دینگے۔ اِسی طرح اور بہت عہد نامے ہیں جنکا

تذکرہ اسلامی تاریخوں میں بھرا پڑا ہے۔ کہاں تک کوئی لکھے جب ملک شام

میں ابو عبیدہ جراح نے متواتر فتوحات حاصل کیں تو ہرقل شہنشاہ روم نے

ایک عظیم الشان فوج مسلمانوں پر حملہ کرنے کو بھیجی جو مسلمانوں کے لشکر سے

بہت زیادہ تعداد میں تھی چونکہ فتح شکست امور یقینی نہیں ہوتی۔ علاوہ اِسکے

مسلمانوں نے اپنی تمامی قوت فوجی کو ایک جائی طور پر کرنا چاہا تو مفتوحہ ملکوں

کے ہر ضلع کی حفاظت دشوار ہوئی اِسلیے سردار لشکر نے تمام عمال اور

افسران فوج کو جو شام کے مفتوحہ شہروں میں مامور تھے لکھ بھیجا کہ جسقدر

جزیہ و خراج جہاں جہاں سے وصول کیا گیا ہو وہ سب اُن لوگوں کو

واپس دیدو اور اُن سے کہدو کہ ہم نے تم سے جو کچھ لیا تھا اِس شرط

پر لیا تھا کہ تمہارے دشمنوں سے تمہاری حفاظت کر سکیں گے۔ لیکن اِس

بڑے واقعہ کی پیش آنے سے ہم تمہاری حفاظت کا ذمہ نہیں کر سکتے

حضرت عبیدہ رض کے خاص الفاظ یہ ہیں۔

انما رددنا علیکم اموالکم لانہ قد بلغنا ما جمع لنا من الجموع وانکم قد اشترطتم علینا ان نمنعکم وانا لا نقدر علی ذلک وقد رددنا علیکم ما اخذنا منکم۔

اِس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور لاکھوں روپیہ بیت المال سے لیکر واپس دیا گیا

چنانچہ قاموس میں بھی ہے اَلْجِزْیَۃُ خَرَاجُ الْاَرْضِ وَمَا یُؤْخَذُ مِنَ الذِّمِّی
بالو۔ یہ سب کچھ صحیح کہ نوشیرواں نے بھی جزیہ لیا اور یہ فارسی لفظ بھی ہے
مگر اِس کا ثبوت کیا ہے کہ مسلمانوں نے صرف ذمی رعایا کی جان و مال کی
حفاظت کے عوض جزیہ لیا نہ اور کسی نیت سے۔

مرزا۔ خلفاے راشدین کے جو معاہدے تاریخوں میں منقول ہیں اُن سے
عموماً پایا جاتا ہے کہ جزیہ ذمیوں کی محافظت کا معاوضہ تھا بلکہ خود رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والی ایلۃ کو جو فرمان جزیہ تحریر فرمایا تھا اُس میں
یہ الفاظ مندرج فرمائے ہیں۔ یُحْفَظُوا وَیُمْنَعُوا یعنی اُن لوگوں کی حفاظت
کی جاوے اور دشمنوں سے بچائے جائیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالے عنہ
نے وفات کے قریب جو نہایت ضروری وصیتیں کیں اُن میں ایک یہ بھی
تھی کہ غیر مذہب والے جو ہماری رعایا ہیں وہ خدا و رسول کی ذمہ داری میں
ہیں مسلمانوں کو اُن کی طرف سے اُن کے دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیے دیکھو
فتوح البلدان صفحہ ۵۹ اور اُن عہدناموں کو دیکھو جو اسلامی جنرل نے ذمیوں
سے کئے تھے۔ اُن کا یہ ترجمہ ہے بنقل از رسالہ علامہ شبلی نعمانی سلمہ اللہ تعالیٰ

ترجمہ یہ خالد ولید کی تحریر ہے صلوبا بن نسطونا اور اُسکی قوم کیلئے میں نے
تم سے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت
ہم پر ہے جب تک ہم تمہاری محافظت کریں ہم کو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں
صفر سنہ ۱۲ ھ میں لکھا گیا۔ دوسرا عہدنامہ عراق عرب کے اضلاع سے جو
مسلمانوں نے بواسطے اُسی جنرل نور اللہ مرقدہ کے کیا جس پر اکثر صحابہ
کے دستخط ہیں اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ از رسالہ مذکورہ۔

ترجمہ۔ یہ اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے اِس تعداد کا جزیہ دینا قبول کیا

بھی اپنی تاریخ ہند میں مسلمانوں کی فتوحات ہند کا تذکرہ شروع کرتے وقت لکھتے ہیں کہ اُس زمانہ سے تاریخ ہند برابر مفصل اور واضح پائی جاتی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کو علم سیر و تاریخ کا ہمیشہ سے شوق رہا ہے۔ کوئی نہ کوئی ہر عہد میں اُن میں ایسا نکلا جس نے اپنے زمانہ کے واقعات کو قلمبند کر کے سلسلہ تاریخ کو قایم رکھا دیکھو تاریخ مذکورہ کے صفحہ (۵۸۴) اور ڈاکٹر اسپنسر صاحب لکھتے ہیں کہ مسلمان اپنے علم ادب پر جس قدر فخر کریں وہ بجا ہے اس لئے کہ نہ ایسی کوئی قوم ہوئی نہ اب ہے کہ جس نے اپنے علما کی حالت زندگی اور سوانح عمری کو اس صحت کے ساتھ قلمبند کیا ہو مسلمانوں نے بارہ سو برس کے حالات کو اس طرح لکھا کہ کوئی قرن وہ سالہ مسلمانوں کی تاریخ کا ایسا نہیں ہے کہ اُس میں اُن کے نام اور ان کا تذکرہ نہ ملے۔ الغرض پس مسلمانوں کی تاریخ کی نسبت شبہ کرنا دراصل علم تاریخ سے ناواقفیت ہے اور آپ تو دم ہی نہ مارو۔ آپ کی قوم نے تو کبھی تاریخ نویسی پر توجہ ہی نہیں کی۔ یہ جو آٹھ نو سو برس کے حالات ہندوں کے کچھ صحیح ملتے ہیں یہ بھی اسلامی تاریخ کا طفیل ہے ورنہ اِن کا پتہ بھی نہ لگتا چنانچہ وہ ہی لتیھبرج صاحب اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کی عملداری سے پہلے کے جو کچھ حالات ہندوں کے لکھے گئے ہیں اُن کا ماخذ تاریخ نہیں ہے۔ بلکہ اُن ماخذ شاعرانہ کتابیں و داستانیں وغیرہ ہیں۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں کسی کو اس کا خیال نہیں آیا کہ جو واقعات دیکھے یا سنے اُن کو قلمبند کرتا اس لئے مسلمانوں کی عملداری سے پہلے جس کو ابھی پورے نو سو برس بھی نہیں ہوے ہند میں کوئی معتبر تاریخ نہیں لکھی گئی۔ دیکھو تاریخ مذکور کے صفحہ (۱۸) اور آپ کا یہ کہنا کہ بعض انگریزی مورخوں نے جزیہ پر نکتہ چینی کی ہے اول تو

دیکھو کتاب الخراج امام ابویوسف مطبوعہ مصر صفحہ ۸۰ - ۸۲ - ۸۳ - اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت چاہتے ہو۔ بولو ۔ اور دیکھو رسالہ علامہ شبلی۔

بابو۔ مگر یہ صرف کہنے کی بات ہے کہ مسلمانوں سے صرف بوجہ فوجی خدمت انجام دینے کے جزیہ نہ لیا جاتا تھا۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر کفار فوجی خدمت بھی انجام دیتے یا دینا چاہتے تو بھی اُن کو جزیہ ہرگز معاف نہوتا۔

مرزا - یہ آپ کی بدگمانی ہے جن کفار رعایا نے مسلمانوں کی فوجی خدمتیں انجام دینا قبول کیں اُن سے پھر جزیہ نہیں لیا گیا چنانچہ حضرت عثمان رض کی زمانہ میں جب حبیب بن مسلمہ نے قوم جراجمہ پر جو عیسائی تھے فتح پائی تو اُن لوگوں نے بوقت ضرورت فوجی خدمتوں میں شریک ہونا خود پسند کیا اور اس امر کی درخواست دی کہ ہم سے فوجی خدمت لی جاوے اسپر وہ تمام قوم جزیہ سے بری ہوئی نہ صرف وہ بلکہ اور بھی متصل کی آبادیاں جزیہ دینے سے بری سمجھی گئیں۔ دیکھو معجم البلدان اور پھر جب واثق باللہ عباسی کے زمانہ میں وہاں کے ایک عامل نے غلطی سے اُن لوگوں پر جزیہ لگایا تو اُن کی شکایت پر دوبارہ دربار خلافت سے تاکیدی حکم اُن کی بریت کا صادر ہوا دیکھو فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۱۵۹ - و ۱۶۱ - و رسالہ مذکور

بابو۔ اگر یہ کل بیانات مذکور صحیح ہوتے تو جزیہ کی نسبت بعض انگریزی مورخ کیوں نکتہ چینی کرتے۔

مرزا - ان بیانات کے صحیح ہونے میں کیا شک ہے یہ وہ تاریخی حالات متواتر اور مسلسل ہیں جن کی صحت پر جمہور مورخین کا اتفاق ہے اور جن میں شک وشبہہ کو سرمو گنجایش نہیں۔ دنیا میں اسلامی تاریخ سے زیادہ معتبر کون اپنی تاریخ کو بیان کر سکتا ہے ۔چنانچہ آپ کے مقبولہ گواہ لتھبرج صاحب

ے ادھراودھر سے اہل ہنود کے کچھ مشتبہہ حالات کو اپنے تاریخی سلسلہ میں جمع کردیا جس سے اگلوں کے نام وام ملنے لگے۔ یا مسلمانوں کے شاگرد ہوکہ اُن کی بدولت آٹھ سو نوسو برس کے حالات پچھلوں کے صحیح ملنے لگے۔ اور تاریخ ہند کی بنیاد قایم ہوئی۔

جہاد پر اعتراض

بابو۔ قرآن نے تعلیم کیا ہے کہ کافروں کو جہاں پاؤ مارڈالو چنانچہ مسلمانوں میں جہاد جاری ہوا۔ اور اس تعلیم کا یہ اثر ہوا۔ کہ ہزاروں غیر مذہب والے تلوار کی نذر بھینٹ ہوئے جس نے اسلام قبول کیا وہ بچا ورنہ مارا گیا فرماؤ یہ کیسی تعلیم ہے۔

مرزا۔ ابھی آپ اوپر بیان کرچکے ہو۔ کہ جو کافر مسلمانوں کی رعیت بنکر رہتے تھے اُن سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا اور اب کہتے ہو کہ جس نے اسلام قبول کیا وہی زندہ بچا ورنہ مارا گیا بس بقول آپ کے جب کوئی کافر بغیر اسلام قبول کئے زندہ نہیں چھوڑا گیا تو پھر جزیہ کن کافروں سے وصول ہوا۔ اور وہ کس دن کے واسطے رعیت بناکر زندہ و سلامت رکھے گئے مارہی کیوں نہ ڈالے گئے۔

بابو۔ اکثروں سے جزیہ لیا گیا اور اکثر جان سے مارڈالے گئے۔

مرزا۔ اخر کوئی اس کی وجہ ہوگی کہ اکثروں کو مارا اور اکثروں کو زندہ سلامت رکھکر اُن سے جزیہ لیا گیا۔

بابو۔ یہ ہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جس نے جزیہ دینے سے انکار کیا ہوگا اُس کو مارڈالا گیا ہوگا۔

بعض کے قول کا اعتبار نہیں دوسرے ناواقف کے اعتراض اور نکتہ چینی سے خواہ آپ ہو یا کوئی اور اسلام کے دامن پر دھبا نہیں لگتا۔ اکثر انگریزی مورخوں نے اسلام کے فضائل بیان کئے ہیں۔ مگر آپ کہاں ایمان لاتے ہو دیکھو جاؤ اسی جزیہ کی نسبت **الفنسٹن صاحب** بہادر بالقابہ سابق گورنر جنرل بمبئی اپنی تاریخ ہند کے صفحہ (۱۶۱) میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب ایک کسی قوم نے مسلمانوں کو خواہ رضامندی یا زبردستی سے جزیہ دینا قبول کرلیا تو پھر اُن کو تمام اُن کی پہلی آزادیاں حاصل رہتی تھیں اور یہ بھی اختیار رہتا تھا کہ اپنے مذہب پر قایم رہیں اور جب کوئی بادشاہ جزیہ پر راضی ہوجاتا تھا تو اُس کا ملک اُس پر بحال رہتا تھا اور صرف وہ شرائط اُسے پورے کرنے پڑتے تھے جو باج گذار بادشاہ کیا کرتے ہیں الخ۔

بابو۔ گو ہندوؤں نے کوئی تاریخ نہیں لکھی مگر تو بھی اپنے بزرگوں کا حال نظم نثر میں بہت کچھ لکھا ہے۔

مرزا۔ جی ہاں بہت کچھ لکھا ہوگا مگر کسی کے دیکھنے میں نہیں آیا۔ آریوں کے بڑے بزرگ تو مہاراج منوجی تھے جو دھرم شاستر کے مصنف ہیں اُن کا ہی کچھ حال دکھا دیجئے۔ آپ کے مقبولہ گواہ **لیتھبرج صاحب** بہادر اپنی تاریخ ہند میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ منوسمرتی میں جس کو دھرم شاستر کہتے ہیں ہندوؤں کی رسمیں اور عادتیں تو مذکور ہیں مگر خود اِس بڑے نامور واضع قوانین یعنی منو کا حال تو کچھ بھی تحقیق معلوم نہیں ہے۔ دیکھو تاریخ ہند پس جب منو کا حال کچھ تحقیق نہیں معلوم تو بدیگری چہ رسد **مصرعہ**۔ قیاس کن ز گلستان من بہار مرا ٭ مسلمانوں کے روبرو تاریخ دانی کا دعویٰ ٭ چہ خوش گفت است سعدی در زلیخا کا مضمون ہے۔ انگریزوں کے شکرگذار رہو کہ انہوں

موافق قابل گردن زدن تھے۔ پس اُن کو جہاں پایا وہاں مارا جیسے آجکل خونی باغی اشتہاری جہاں ملتا ہے گرفتار ہوکر پھانسی دیا جاتا ہے۔ پس اِس قسم کے مفسد کفار کو مارکر امن قایم کیا گیا۔ مابقی کفار کے جان و مال کی حفاظت مسلمانوں کے جان و مال کی برابر کی گئی جیساکہ اوپر جزیہ کی بحث میں ثابت ہو چکا ہے۔ غرض کہ جہاد امن قایم کرنے کو عمل میں لایا گیا۔ نہ اسلام پھیلانے کو۔

بابو۔ اچھا پہلے پہل مسلمانوں نے کافروں سے چھیڑ چھاڑ کی یا کافروں نے مسلمانوں سے کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں کو اِن کے مقابلہ کی ضرورت پیش آئی قرآن سے تو اِس کا پتہ نہیں چلتا باقی زبردستی کی تاویلیں ہیں آپ ایک ہی آیت دکھا دیجئے۔

مرزا۔ حقیقت میں آپ کو ایک آیت کا بھی پتہ قرآن میں نہ ملتا ہوگا۔ کیونکہ آپ کو قرآن یاد بہت ہے مگر میں بموجب ارشاد کے ایک آیت پیش کرتا ہوں اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

ترجمہ۔ کیوں نہ لڑو ایسے لوگوں سے کہ توڑیں اپنی قسمیں یا عہد اور فکر میں رہیں کہ رسول کو نکالدیں اور انہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے کیا اُن سے ڈرتے ہو تو اللہ کا ڈر زیادہ تم کو چاہئے ہے اگر ایمان رکھتے ہو اب اِس آیت کی الفاظ اور معنی کو مطابق کرکے دیکھئے کہ اِس میں کیا تاویل کی گئی ہے بلکہ اسی آیت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان باوصف کفار کی چھیڑ چھاڑ اور ظلم و زیادتیوں کے لڑنے سے ڈرتے تھے اور چاہتے تھے کہ لڑائی کی نوبت نہ آئے لیکن کفاروں کے ظلم نے آخر لڑائی پہ مجبور کیا اور خدا نے حکم دیا۔

مرزا۔ آپ کی وہ ہی مثل ہے کہ دروغ گورا حافظ نباشد یہاں تو یہ کہتے ہیں کہ جس نے جزیہ دینے سے انکار کیا ہوگا وہ مارڈالا گیا ہوگا۔ وہ بھی (احتمالی بات نہ یقینی) اور شروع اعتراض میں آپ نے کلیتا یہ بیان کیا ہے کہ جس نے اسلام قبول کیا وہ بچا ورنہ مارا گیا۔ پس اول دلجمعی اور اطمینان سے ایک امر قرار دیجئے تاکہ جواب عرض کیا جاوے۔

بابو۔ یہ تو ایک ہی بات ہے جس نے اسلام سے انکار کیا۔ اسی کو جزیہ دینا پڑا اور جس نے جزیہ سے انکار کیا وہ مارا گیا مطلب وہی ہوا کہ جس نے اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے سے انکار کیا وہ مارا گیا۔

مرزا۔ اول جزیہ کی بحث میں آپ کے اس کہنے کے خلاف ثابت ہو چکا ہے پھر اب اسی پسے ہوئے کو پیسنا مناسب نہیں ہے ورنہ بحث کا خاتمہ نہ ہو گا۔ اور نہ یہ انصاف ہے کہ جو ایک امر طے ہو جاوے اس کو دوبارہ پھر بحث میں لایا جاوے

بابو۔ اچھا اسی کا جواب دیجئے کہ اکثر کفار کیوں مارڈالے گئے اکثر کے قتل سے تو آپ کو بھی انکار نہیں ہو سکتا۔

مرزا۔ بیشک میں اسے قبول کرتا ہوں کہ کافروں سے جدال قتال کیا گیا مگر امن قایم کرنے کو نہ مسلمان کرنے کو اور ہزاروں کافر مارے بھی گئے لڑائی میں اور اسے بھی قبول کرتا ہوں کہ اقتلوھم حیث وجدتموھم کا حکم قرآن میں ہے لیکن جن کافروں کی نسبت یہ حکم ہوا وہ اسی قابل تھے کہ جہاں ملتے مارے جاتے۔ ان کی خونریزیاں اور رات دن کی مفسدہ پردازیاں ان کی بغاوتیں اور سازشیں بدعہدیاں وظلم و زیادتیاں حد سے زیادہ ہو گئیں تھیں اور مسلمانوں کی جان و مال آبرو ان کے ہاتھوں غیر محفوظ تھی۔ وہ ہر قانون الٰہی و قانون شاہی کے

ان یقولوا ربنا اللہ ولولا دفع اللہ الناس بعضہم بعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰۃ ومساجد یذکرفیہا اسم اللہ کثیرا۔

(سورہ حج ع ۶) یعنی جنگ کرنے والوں کو اجازت دی جاتی ہے کیونکہ انپر ظلم ہوا ہے اور خدا اُن کی مدد پر بیشک قادر ہے یہ مظلوم اپنے وطن سے بلا وجہ صرف اس قصور سے نکالے گئے کہ انہوں نے اللہ کو اپنا رب مان لیا ہے اسی حالت میں اگر خدا بعض (حملہ آوروں کو) بعض مسلمانوں سے دفع نہ کرتا تب ضرور عیسائیوں کے گرجا یہودیوں کے معابد ترسا لوگوں کے مندر اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے ضرور گرادئے جاتیں اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکم مدافعت کس ضرورت پر دیا گیا۔ اور مسلماں نہ صرف اپنے لئے بلکہ عیسائیوں یہودیوں۔ پارسیوں کے لئے بھی سینہ سپر بنتے تھے! اور ایسا امن بسیط قایم کرنا اُن کا مقصد تھا جو جملہ بزرگ مذاہب کے آزادی کو جائز تسلیم کرتا ہو۔ علاوہ اس کے یہ تعلیم مشہور ہے کہ لا اکراہ فی الدین یعنی دین میں زبردستی نہیں ہے اس کے فوائد میں بھی شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا ہے کہ جہاد کرنا یہ نہیں ہے کہ کسی کو زور زبردستی سے اپنا دعواے قبول کرایا جاوے بلکہ جس کام کو سب نیک کہتے ہیں اور کرتے ہیں وہ ہی قبول کرایا جاوے

بابو۔ جب فساد رفع کرنے کو کافروں سے لڑائی کا حکم ہے تو چاہئے تھا کہ جب مسلمان فساد کرتے تو اُن سے بھی لڑا جاتا۔ اور اُن کو بھی قتل کیا جاتا کیونکہ لا تفسدوا فی الارض کا حکم عام ہے اور فساد جس کا فعل ہو وہ مفسد ہے۔

بابو۔ اچھا اس کا کیا ثبوت ہے کہ امن قایم کرنے کو جہاد کیا گیا اور صرف اُن ہی لوگوں سے جہاد کرنے کی اجازت خدا نے دی کہ جو مسلمانوں کے ساتھ ظلم وستم اور سختی سے پیش آتے تھے نہ دوسروں سے قرآن سے اُس کا ثبوت چاہئے ہے نہ اور کسی حکایت روایت سے۔

مرزا۔ قرآن کی یہ آیت دیکھ لو۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین۔

ترجمہ اللہ کی راہ میں اُن لوگوں ہی سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور اِس سے آگے نہ بڑہو خدا حد سے بڑہنے والوں کو دوست نہیں رکھتا یعنی جو تم سے لڑیں اور تکلیف دیں اور فساد کریں اُن سے ہی اپنے لئے امن قایم کرنے کو لڑو نہ بیضرورت دوسروں سے کیونکہ ایسے لڑنے جھگڑنے والوں کو خدا پسند نہیں کرتا۔ اور دوسری آیت ہے۔ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ فان انتھوا فان اللہ بما یعملون بصیر ہ

ترجمہ۔ اور لڑتے رہو اُن سے جبتک نہ رہے فساد اور ہووے سب حکم اللہ کا پھر اگر وہ باز آئیں تو اللہ اون کے کام دیکھتا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ کہ کافروں سے اُس وقت تک لڑو کہ اُن کا وہ زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں اس آیت کی تفسیر میں شاہ عبدالقادر صاحب لکھتے ہیں کہ لڑائی کافروں سے اسی واسطے ہے کہ ظلم موقوف ہوا ور دین سے گمراہ نہ کر سکیں اور ایمان لغو لپر موقوف ہے۔ زور سے مسلمان کرنا کیا حاصل۔ ا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسلمانوں کو بوا دید سخت ضرورت اور مدافعت یہ حکم ملا تھا اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا

بابو۔ مگر یہ وید کا حکم ملکی انتظام سے متعلق ہے نہ مذہب سے البتہ راجہ کا فرض ہے کہ وہ رعایا کی جان و مال کی حفاظت کے واسطے ضرورت دیکھے تو ہتیار اوٹھاوے نہ مذہب کے لیے۔

مرزا۔ مطلب یہ کہ اگر رعایا کے مال کو کوئی برباد کرے تو راجہ کو اُس کی حفاظت کرنا چاہیئے ہے اور اگر کوئی رعایا کے مذہب کو برباد کرنا چاہے تو راجہ کو تماشہ دیکھنا چاہیئے یا یہ کہ بے دینوں کو رعایا سمجھکر اُن کی جان و مال کی تو حفاظت کرنا چاہیئے ہے اور خدا پرست دین داروں کو اس قصور میں کہ وہ خدا پرست کیوں ہوے رعایا نہ جان کر اُن کی حفاظت سے دست بردار ہونا چاہیئے۔ غرضکہ آپ کی سمجھ کا قصور ہے۔ جو چاہو سو معنی لگالو لیکن دنیا کے دانشمندوں نے ہمیشہ اپنی رعایا کے مذہب کی اُن کے جان و مال کی برابر حفاظت کی ہے۔ دیکھو جزیہ کی بحث اور ذمیوں کی محافظت کا اہتمام۔ اور حال میں بھی گورنمنٹ برطانیہ جو دنیا کی حکومتوں میں سب سے زیادہ عادل اور دانشمند گورنمنٹ ہے اپنی رعایا کی مختلف مذہب کی یہاں تک محافظ ہے کہ ہر مذہب کے توہین کو بھی جرم فوجداری قرار دیا ہے چہ جائیکہ کسی مذہب کی بربادی۔

بابو۔ اکثر مورخین یورپ کا بھی یہی خیال ہے کہ اسلام کے پھیلنے کا سبب تلوار ہوئی نہ اسلام کی حقیقت اور تمام عیسائی بھی یہی اعتراض کرتے چلے آتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلایا گیا نہ وعظ و نصیحت سے۔

مرزا۔ اُن عیسائیوں سے آپ نے یہ نہ پوچھا کہ دنیا کو مسلمان تو تلوار نے کیا لیکن تلوار کو مسلمان کس نے کیا تاکہ اُن کی حق گوئی کا اندازہ ہوتا رہا یہ امر کہ بعض مورخین یورپ کا بھی یہ ہی خیال ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا یہ کسی آپ جیسے متعصب

مرزا۔ آپ تاریخ اسلام ملاحظہ کروگے تو معلوم ہوگا کہ ہزاروں مسلمان مسلمانوں کے ہاتھوں سے پہلے اور دوسری صدی میں اسی بنا پر قتل ہوتے رہے ہیں کہ وہ حاکم وقت یا خلیفہ سے بغاوت کرتے تھے اور فساد کرکے امن میں فتور ڈالتے تھے اور عام تاریخوں میں دیکھو کہ ہمیشہ شاہان اسلام اپنے ملک کے باغیوں کو قتل کرتے رہے ہیں حالانکہ اُن باغیوں میں اکثر مسلمان ہی ہوتے تھے۔

بابو۔ اس قسم کی خونریزی اور قتل کو تو شاید کسی قانون آلہی اور قانون شاہی نے جائز نہ رکھا ہوگا۔

مرزا۔ رفع فساد کی غرض سے ہر قانون شاہی اور قانون آلہی نے قتل مفسدین کو جائز رکھا ہے اس وقت تمام مذاہب سے بحث نہیں ہے بحث آپ سے ہے اس لئے ہم وید کا حکم نقل کرتے ہیں جو آپ کے نزدیک بمنزلہ قانون آلہی کے ہے۔ دیکھو رگ وید منڈل (۱) سکت (۱۰۳) کا منتر (۳) اس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر بھی آپکے آریہ پنڈت لیکھرام صاحب نے اپنے قلم سے اس طرح کی ہے۔ سینا کی سوامی سنسا پدارتھوں کی دھارن کرنے والے ودوان کو چاہئے کہ ملکی حفاظت اور بچاؤ کے واسطے وسیوں یعنی دوشت لوگوں کو جو آبادیوں میں وناش کرتے ہوئے دچرتے ہیں سزا دینے کے کارن شکھہ بڑھانے امن قایم کرنے والی بجبر ہتھیار کو پراکرم سے عمل میں لاوے اور آریم یعنی سرستوں کے بل دھن کی سھاتنا کرے آلخ اور دیکھو تعزیرات ہند کی دفعہ (۱۲۱) جو بمنزلہ قانون شاہی ہے اب انصاف کرو کہ آپ کا یہ کہنا کہ ایسا حکم یا تعلیم کسی مذہب ملت قانوں میں نہیں ہے کتنا خلاف واقع ہے۔

کے انصار جو اول نصاریٰ تھے اُنہوں نے آپ کا بڑی خوشی سے
استقبال کیا اور فرمانروا یاں مدینہ جو یہود عیسائی تھے آپ کے حال سائل ہی
یہ پہلا شہر تھا جس کے باشندوں نے آپ کا مذہب اختیار کیا خواہ نخواہ
یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مذہب میں کیا بات تھی جس کا اثر ایسا ہوا حالانکہ
بجز بحث اور شیریں کلامی کے کوئی تہیار مستعمل نہیں ہوا پادری لوگ اس
کو بزور شمشیر نہیں کہہ سکتے الخ از کتاب گاڈفری ہنگنس پادری جی ایچ
مسمور صاحب لکھتے ہیں کہ اکثر مسیحیوں کا یہ دعوی ہے کہ اسلام کی
بنیاد تلوار سے ثابت ہے لیکن اس زمانہ میں ہم کیا دیکھتے ہیں کہ بغیر تلوار
کے مذہب اسلام ملک چین کے چاروں طرف ترقی پاتا ہے اور ملک
ہند میں بھی اگرچہ جہاد کی صورت مطلق نہیں ہو سکتے تاہم ہمارے بڑے
بڑے شہروں میں ہندو لوگوں کی قومیں کثرت کے ساتھ محمدی ہو کر اپنے
اصلی قوم کی برائی سے رہائی پاتے ہیں انتہے۔ از نوید جاوید بحوالہ کرسچن
اسٹار مطبوعہ ۱۷ مئی ۱۸۷۶ء نمبر (۷) جلد (۹) صفحہ (۲۵) اب تم ہی انصاف
کرو کہ یہ شہادت یورپین علماء اور مورخین کی ہمارے اثبات دعوے کو کافی
ہے یا نہیں اور جو عیسائی جہاد اسلام پر اعتراض کرتے ہیں اُن کو مقامات ذیل
دکھا دیجئے گا تاکہ وہ اپنے دل میں انصاف کریں ۱۸ زبور (۴۳) زبور (۴۹)
زبور اور اول سلاطین (۱۸) باب جہاں حضرت الیاس کا چار سو پچاس
پوجاریوں کو جو بعل دیوتا کی پرستار تھی وادی قیصون میں ذبح کرنا درج ہے
اور تاریخ کلیسا چھاپہ بپٹسٹ مشن کلکتہ ۱۸۴۹ء صفحہ (۱۵۰) جہاں لکھا ہے
کہ تمام فرنگستان بیت المقدس پر مسلمانوں سے جہاد کرنے کے واسطے
چڑھ آیا اور لاکھوں جانیں تلف کیں اور ڈنمارک کی فوجوں نے رگبن ٹاپو کے

یورپین مورخ کا خیال ہوگا نہ کسی محقق اور منصف مزاج یورپین مورخ کا مندرجہ ذیل کی شہادتوں پر غور کرو گبن صاحب کا قول ہے کہ افریقیہ اور ایشا کی لکھوکھا نومسلم جنہوں نے عرب کے مسلمانوں کی تعداد بڑہا دی ایک خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانے میں فریفتہ ہوگئے تھے یہ نہیں کہ اُن پر دباؤ تھا الخ ازحمایت الاسلام صفحہ (۶۰) دفعہ (۱۰۷)۔ مصنفہ گاڈفری ہنگس صاحب سیل صاحب لکھتے ہیں کہ دین محمدی کو دنیا میں قبولیت بمثل حاصل ہوئی ہے وہ لوگ دہوکہ کھاتے ہیں جو خیال کرتے ہیں کہ بزور شمشیر اسلام پھیلا ہے۔ کیونکہ دین مذکور اُن قوموں نے بھی قبول کیا جن پر مسلمانوں نے کبھی فوج کشی نہیں کی اور اُن لوگوں نے بھی دین محمدی قبول کیا جنہوں نے اہل عرب کو اُن کی فتوحات سے محروم کردیا اور مسلمانوں کے خلفا کا خاتمہ کردیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی بات اسلام میں اس سے بڑہکر ہے جو ایک مذہب میں عموماً خیال کی جاتی ہے یعنی۔ حقیقت اسلام جس سے ایسی عجیب ترقی ہوئی الخ ازحمایۃالاسلام۔ پھر اسی کتاب کے صفحہ (۵۹) دفعہ (۱۰۵) میں لکھا ہے حجازیوں پر ترکوں کا پہلا حملہ آٹھویں صدی کی آخیر میں ہوا۔ وہ لوگ ملک شمال سے جو مابین بحیرہ خضر و بحر اسود واقع ہے آئے اور یہ لوگ اُس وقت دین محمدی نرکھتے تھے مگر اُنہوں نے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اِن مغلوب حجازیوں کا مذہب اختیار کرلیا ڈاکٹر پریڈوکس صاحب کا بیان ہے کہ جب آنحضرت مکہ والوں کے ظلم سے ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لائے تو آپ

حاشیہ۔ عیسائیوں کی سلطنت کی آزادی اور موجودہ قانون کو جو بہت اچھا ہے دیکھکر دہوکہ نہ کھانا چاہیئے ہے بلکہ ابتدائی حال کچھ اور رہے۔ مذہب کا کمال دیکھنا ہو تو دیکھو صلیبی لڑائیاں۔ ۱۲

جمع کیا ہے وہ تذکرہ گو لفظاً تھوڑا ہے مگر معناً آپ کی شرمائی اور منصف
مزاجوں کے انصاف کرنے کو بہت ہے آپ آریوں کے مقبول گو لال تیجبج
صاحب اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں کہ مسیح سے تین سو برس پیشتر جب
برہمنوں کا خاتمہ ہوگیا اور بدھ مذہب تمام ہندوستان میں پھیلا تو آبو پہاڑ
کے رشیوں نے برہماجی سے فریاد کی کہ بدھ مذہب والے ویدوں کی
نہایت بے عزتی کرتے ہیں بلکہ پاؤں میں روندتے ہیں اور تمام ملک
پر قابض ہوگئے ہیں تو اس فریاد پر برہماجی نے راجپوتوں کی قوم کو جسے
اول پرسرام نے غارت کیا تھا کسی اگنی کنڈ سے (معجزہ کے طور سے) پھر
پیدا کیا پھر چھتریوں یعنی راجپوتوں نے عجیب وغریب سپاہیانہ کرتب دیکھا
کر راکشستوں یعنی بدھ مذہب والوں سے اس ملک کو صاف کیا دیکھو تاریخ
ہند صفحہ (۴۰) برہمنوں کا دوبارہ عروج اب کوئی انصاف کرے کہ مقدس
آریوں نے یہ فریاد کس غرض سے کی آخر مذہب کی حفاظت کو۔ برہماجی
نے راجپوتوں کو کیوں پیدا کیا۔ ضرور آریہ مذہب کی حمایت کو۔ راجپوتوں
نے عجیب وغریب سپاہیانہ کرتب کیوں دکھلائے۔ آریہ مذہب کی
حفظ آبرو کو۔ لاکھوں بے گناہ بدھ مذہب والے بذریعہ سپاہیانہ کرتب
کس لئے قتل ہوئے۔ آریہ مذہب کے بچاؤ کو۔ اور بدھ مذہب
والوں کا آخر یہ ہی قصور تھا کہ وہ وید کی عزت نہ کرتے تھے یا کچھ اور قصور
تھا۔ پھر یہ قصور کیا ایسا تھا کہ اس کے بدلے میں بدھ مذہب والوں کو
قتل کرکے اُن سے ملک صاف کردیا جاوے اور اُن کو باقی نہ رکھا جاوے
یقین ہے جو تکلیف مسلمانوں نے کفار عرب عجم کے ہاتوں اُٹھائے اگر وہ
تکلیف (حضرات آریہ) بدھ مذہب والوں کے ہاتوں اُٹھاتے تو خدا

جنگلی لوگوں کو زبردستی عیسائی کیا اور استھونیوں کی قوم کے ساتھ بھی اسی طرح زبردستی ہوئی اور بعض جواں مردوں نے جن کا لقب تیغ بہادر تھا لبوتیوں اور کورلنڈیوں کو فتح کر کے اُن کو عیسائی کیا اور الیمانی جوانوں نے ۱۲۳۰ء سے ۱۲۸۳ء تک یعنی ۵۳ برس لڑائی کی اور بہت لوگوں کو قتل کر کے ملک بروشیہ کے باشندوں کو عیسائی کیا اور ۱۵۰۰ء میں جب فرڈننڈ بادشاہ اسپین میں فرمانروا ہوا تو تمام اسپین کے مسلمانوں کو اس بے رحمی سے قتل اور جلاوطن کیا کہ اُس کے بیان سے روح تھراتی ہے۔ یہ چند تذکرے نمونہ کے طور سے بیان کئے گئے ہیں۔ تاریخوں میں مفصل حالات اور بھی ہیں۔

بابو۔ ان تاریخی واقعات کے بیان کرنے سے یہ ثابت ہوا کہ مسلمان اور عیسائی مذہبی لڑائیوں میں ایک دوسرے کی نظیر ہیں مگر ہماری قوم آریہ ان الزاموں سے بری پائی گئی انہوں نے کوئی اس قسم کی لڑائی نہیں لڑی

مرزا۔ اول تو قوم آریہ دنیا کی فتحمند قوموں میں شمار نہیں ہو سکتی تمام عمر آریہ ہندو اسی جزیرہ نما ہند میں حاکم محکوم رہی یہاں سے کبھی باہر نہیں گئی ان کی حکومت صرف آریہ ورت میں محدود رہی۔ جو بقول پنڈت لیکھرام صاحب[1] آریوں کی تو اس کا استھان یا آریوں کے رہنے کی جگہ تھی اور بقول اُن کے بحر شرقی غربی اور ہمالیہ بندیاچل اس آریہ ورت کی حدود اربعہ تھی دیکھو صفحہ (۱۲) دوسرے ہر ایک قوم کی طرز تمدن و معاشرت اور زندگی کے حالات اُسی کی تاریخ سے معلوم ہو سکتے ہیں سو آریہ بوجہ عادت قدیم تاریخ نویسی سے متنفر رہے یا دانستہ اپنے حالات ناگفتنی کی پردہ پوشی کی اس صورت میں تمام رطب یابس معلوم کیونکر ہوا اور جب معلوم نہو۔ تو کوئی بیان کیا کرے مگر باوصف اس کے جو کچھ انگریزی مورخوں نے

[1] صفحہ ۱۲ تکذیب

بدہ مذہب والے کی گردن پر تلوار رکھکر آریہ مذہب قبول نہیں کرایا نہ لونڈی غلام بنایا جیسا کہ اسلام نے اپنے مفتوح اور محکوموں کے ساتھ کیا۔

مرزا - اِس سے تو آپ کو بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ کئی سو برس تک تمام آریہ قوم مسلمانوں کی مفتوح اور محکوم رہی اور جب محکوموں کی گردن پر تلوار رکھکر اسلام قبول کرانا آپ کا امر یقینی ہے تو اُس وقت اُن محکوموں میں آپ کے بزرگ بھی ضرور شامل ہوں گے جن کی آپ اولاد ہیں۔ پھر دو حال سے خالی نہیں یا وہ مار ڈالے گئے ہوں گے یا وہ مسلمان کر لئے گئے ہوں گے۔ مگر آپ کی موجودگی دلیل اس امر کی ہے کہ وہ بزرگ آپ کے مارے تو نہیں گئے ورنہ توالد تناسل کا سلسلہ آپ تک منتہی نہ ہوتا اب دو باتوں میں سے ایک امر کا اقرار کیجئے یا تو یہ کہو کہ ہمارے بزرگ مسلمان کر لئے گئے تھے اور ہم اُن مسلمان شدہ آریوں کی اولاد ہیں پھر بعد میں ہندو ہوئے یا یہ کہو کہ ہمارے بزرگ اپنی اصلی حالت اور اصل مذہب پر باقی رکھے گئے تو اس صورت میں آپ کو اپنے اِس صریح کذب اور بہتان کا اقرار کرنا ہو گا کہ جو آپ بار بار کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے جس پر فتح پائی اُس کی گردن پر تلوار رکھکر مسلمان کیا یا مار ڈالا مگر مشکل یہ ہے کہ اِس صریح کذب کا اقبال کیجئے گا تو آپ کو آریہ کون کہے گا کیونکہ اریہ کی تعریف یہ ہے کہ جھوٹ نہ بولے وہ آریہ ہے دیکھو تکذیب صفحہ (۱۲) غرض - ع

دوگونہ رنج وعذاب است جان مجنوں را ۔ مگر اِس موقع پر ہماری صلاح مانو تو اپنے اِس کذب اور اتہام کو تسلیم کرلو ورنہ مذکورہ بالا جھگڑا سر پڑیگا بہ نسبت اِس کے اِس میں زیادہ خرابی ہے اب اِس جملہ معترضہ سے قطع نظر کر کے اصل سوال کا جواب گذارش کرتا ہوں وہ بھی سُن لیجئے کہ مسلمانوں نے تو کسی کی گردن پر تلوار رکھکر اسلام قبول نہیں کرایا مگر آریوں کے مذہب میں اسی

جانے برہما جی اور کیا گت بناتے ایک صرف وید کی نہ آبرو کرنے سے
تو اُن بیچاروں نے یہ سزا پائی اور اِس موقع پر پنڈت لیکھرام صاحب کے
اُس مہذبانہ اعتراض کو بھی یاد دلایا جاتا ہے جو انہوں نے سورہ ۲ محمدؐ
کا مقابلہ کرتے وقت آیۃ الرحمٰن الرحیم کے متعلق کمال دلیری سے لکھا
ہے کہ اگر خدا قرانی رحیم ہوتا تو غیر مذہب والوں کو مسلمانوں کے ہاتھ سے
قتل نہ کراتا کہ رحمت کے خلاف ہے اور کسی شخص کو بیگناہ قتل کروانا سراسر
بے رحمی سفاکی جلادی ہے نہ رحمت جن کے دل میں رحمت کا نشان ہوگا
وہ ضرور کہینگے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں الخ دیکھو تکذیب صفحہ (۵۵) اب
وہ خود ہی انصاف کریں کہ صرف وید کی عزت نہ کرنے کے جرم میں یہ خونریزی
اور قتل عام کس کا فعل ہے اور یہ سراسر بے رحمی ہے یا نہیں اور برہما جی
کے دل میں کوئی رحمت کا نشان پایا جاتا ہے یا نہیں - جب برہما جی نے وید
کی حفاظت اور برہمنوں کی حمایت پر کمر باندھی تھی تو بجائے اِس کے کہ راجپوتوں
کو بطور معجزہ پیدا کرکے اُن سے عجیب وغریب سپاہیانہ کرتب کے ذریعہ
مخلوق خدا کو قتل کراتے - چاہئے تھا کہ رحمدلی سے بذریعہ اپدیش بدھ مذہب
والو کے دل ہی پھیر دیتے کہ وہ وید کی عزت کرتے اِس سفاکی جلادی کی
کیا ضرورت تھی مگر کیا کریں رحم کا نشان[1] ہی نہ تھا اور اگر یہ قتل عام آریوں
کے خدا کا اور پیشواؤں کا داخل سفاکی جلادی نہو تو مسلمانوں کی وہ لڑائیاں
جو حفظ جان حفظ ایمان اور امن قایم کرنے کو عین ضرورت پر وقوع میں
آئیں کیوں کر داخل جلادی ہو سکتی ہیں اور اُن کا خدا کیوں کر جلاد ہو سکتا
ہے انصاف شرط ہے -

بابو - اچھا آریوں نے مذہبی لڑائی بدھ مذہب والوں سے کی مگر کسی

[1] الفاظ اعتراض کو دُہرا دیا ہے ۱۲

تو مہاراجاؤں کے محلوں میں بڑی دولت کا سامان دکھائی دینے لگا۔
الخ۔ پس ہند کے اصلی باشندوں کے غلام بنانے کے سوا جو آریوں
نے خونریزی کی یہ دوسری تاریخی نظیر آریوں کی بے رحمی کی ہے کہ بیگناہ
اصلی ہند کے باشندوں کو عمدہ ہتھیاروں سے بطمع نفسانی ولذائذ دنیوی
ہلاک کیا اور جو بقیۃ السیف تھی انکو غلام بنایا یا جلا وطن کیا (دیکھو تاریخ ہند
صفحہ ۲۱ و ۲۲ و ۲۳) اب کوئی انصاف کرے کہ یہ خونریزی اور سخت سزائے
غلامی دایمی جو رحم دل آریوں کے ہاتھوں (اصلی باشندگان ہند کے نصیب
ہوئی یہ کس قصور کا بدلہ تھا۔ پنڈت لیکھرام صاحب نے ہند کے اصلی
باشندوں کو بحوالہ تاریخ ہند وحشی کر کے لکھا ہے دیکھو (تکذیب صفحہ ۱۴)
حالانکہ مورخ نے انہیں وحشی نہیں لکھا بلکہ ڈارک کلر لکھا ہے دیکھو انگریزی
تاریخ صفحہ (۱۵) اور اردو میں جو اس تاریخ کا ترجمہ ہوا ہے اس میں بھی لفظ
سیاہ فام ہے نہ وحشی یعنی اصل باشندے ہند کے بہ نسبت آریوں کے
سیاہ فام تھے۔ دیکھو ترجمہ تاریخ مذکور صفحہ (۲۰) یہ آریوں کی دیانت کا ثبوت
ہے کہ ویدمیں تاویل کرتے کرتے لگے اب تاریخوں میں تحریف کرنے مگر ہم
کہتے ہیں وہ وحشی بھی صحیح پھر کیا وحشی ہونا ان کا ایسا قصور تھا کہ وہ گھر بیٹھے مارے
جائیں جلاوطن کئے جاویں اور غلام بنائے جاویں اور غلامی بھی وہ کہ جس
کے لئے کوئی قانون نہ آئین اور مساوات اور حقوق العباد جس پر اسلام
کو بڑی نظر ہے اس کا تو ذکر ہے کیا ہی پنڈت لیکھرام صاحب کے ہم خیال
خدا جانے اس کو بھی سفاکی جلادی کہیں گے یا نہیں۔ کیونکہ یہاں تو ویدکی بیعزتی
کا بھی مذکور نہیں ہے۔ اور کیا اس ثبوت کے مقابلہ میں بھی اسلام کو تلوار
کا دین اور اپنے مذہب کو پیار کا دھرم کہے جائینگے۔ یہ بھی یاد رہے کہ ہمنے

کے قریب قریب کارروائی ہوئی ہے چنانچہ مہابھارت پرب دوازدہم میں حال مرتھ کا لکھا ہے (کہ از ہوا دیو تھا فریاد برآوردہ گفتند کہ نام تو مرتھ است ترا بحکم آلہی در زمین حکومت می باید کرد کہ دفع شر ظالمان بکنی و خلق را بہ طاعت ایزدی امر نمائی و ہر کس کہ از بندگی تو سر بپیچد سرش را از تن برداری الخ) اور اسی پرب میں درج ہے کہ پدر راجہ بھرتھ ہنگام دعوے الوہیت بصورت خود تمثالہا بمردم می داد تا آں صورت را پرستش نمایند چون مدتے براں گذشت آئین بت برستی پیدا شد بعد ازاں کہ راجہ بھرت حاکم شد تمام را بخدا پرستی امر فرمود و ہر کہ قبول نمی کرد او را می کشت۔ الخ اب اس لفظ قبول اور می کشت کو یاد رکھیے گا۔ اور لونڈی غلام بنانے کی نسبت بھی جواب تاریخی ثبوت کے ساتھ سُن لیجئے۔ وہ ہے لیتھبرج صاحب لکھتے ہیں کہ آریہ ہند وسط ایشیا سے ہند میں آکر آباد ہوئے چونکہ یہ ہتھیار عمدہ رکھتے تھے اور بہادر تھے اور زرہ بکتر لگاتے تھے اِس لئے ہند کے اصلی باشندوں پر اکثر فتح پاتے تھے۔ یہ روز بروز زیادہ آسودہ ہوتے گئے آخر یہ ہوا کہ جو میدان پنجاب سے بھی زیادہ زرخیز ہے اُس کی فتح پر اُنہوں نے کمر باندھی اور ان عمدہ قطعوں کے فتح کرنے کے لیے کئی سو برس تک لڑتے رہے یہ زمانہ عجب تھا کیونکہ ہندو آریہ بڑے مشہور اور بہادر سرداروں کے ساتھ ہند کے اصلی باشندوں سے متواتر لڑتے رہے اور رفتہ رفتہ ان کو یا تو اپنا غلام بنالیا یا مار کر جنگلوں پہاڑوں میں ہٹا دیا۔ آریہ ہندو اپنی فتوحات کی بدولت جسقدر زیادہ متمول ہوتے گئے اُسیقدر ان میں شائستگی اور عیش بھی زیادہ ہوتا گیا۔ جب آریہ ہندو کل شمالی ہند یعنی آریہ ورت کو بنگالہ تک فتح کر چکے اور اصلی باشندوں کو جو مرکھبکر بچ رہے تھے اُن کو اپنا غلام بنا چکے

قصہ۔کہانی حکایت روایت کے حوالہ دینے سے تو خود آپ ہمکو منع کر
چکے ہو اب اُس کے خلاف یہ کیا ہوتا ہے بوستاں ایک اخلاق کی کتاب
ہے اُس کے مدّون کو بڑی نظر نصیحت کے پائنٹ پر ہے نہ اصلی قصہ
کی مطابقت اور صحت پر دوسرے اِس قسم کے قصہ کہانی میں ممکن ہے
کہ کسی مدعی نے اپنے مطلب کے واسطے کچھ تصرف کیا ہوا ور اصل حکایت
کے مفہوم میں کمی بیشی کی ہو۔گلستاں۔ و دیوان حافظ۔ رباعیات عمر خیام میں تحریف ہوئی ہے
دیکھو تالیفات محمد حسین آزاد متعلق تذکرہ گلستاں وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ
اصل قصہ کتب تواریخ اسلام میں جن کی صحت میں کلام نہیں پورا پورا موجود
ہے اُس کو دیکھ لو۔ اور وہ اِس قدر ہے کہ ربیع الاخر سنہ ۹ ہجری میں ایک
مختصر لشکر اسلامی بسر کردگی حضرت علیؓ ابن ابی طالب واسطے سرگوشی قبیلہ
بنی طے کے (فلس) کو بھیجا گیا تھا۔اِس لشکر کے پہنچنے تک (عدی) ابن
حاتم جو سردار قبیلہ تھا فرار ہو گیا۔مسلمان فلس کے بڑے بت خانہ کو منہدم
کرکے جو مفد ہاتھ لگے اُن کو مع دختر حاتم مدینہ میں لے آئے رسول خدا
صلے اللہ علیہ وسلم اُدھر ہو کر نکلے تو حاتم کی دختر نے جس کا سفانہ نام تھا
اور خوبصورت اور بڑی خوش تقریر تھی حضرت سے کہا کہ ھلک الوالد
وغاب الوافد فامنن علی من اللہ علیک رسول خدا صلے اللہ علیہ
وسلم نے مکرر اِس کے کہنے پر فرمایا کہ وافد کون ہے اُس نے کہا کہ میرا
بھائی عدی۔ آپ نے فرمایا وہ عدی جو خدا اور رسول خدا سے بھاگا پھرتا
ہے۔بعدہ آپ نے اُس کو سواری اور لباس اور سفر خرچ عنایت
فرماکر رخصت کر دیا وہ شام میں جاکر عدی سے ملی اور ملامت کی کہ
مجھے چھوڑ کر بھاگ آیا اور یہ بھی کہا کہ رسول خدا نے تیری بنسبت یہ کہا

جو الزامی جواب دے ہیں وہ اکثر ایلیٹ صاحب کی تاریخ ہند سے نقل کئے ہیں جس کو آریوں کے لایق پنڈت لیکھرام صاحب نے اپنے ثبوت دعوے میں حجت گردانا ہے۔ دیکھو تکذیب صفحہ (۱۳ و ۱۴) ثبوت دعوے ہیں۔

بابو۔ بوستاں میں یہ حکایت دختر حاتم طائی کی آپ نے پڑھی ہوگی۔

حکایت

شنیدم کہ طے در زمانہ رسول
نکردند منشو ر ایماں قبول

فرستاد لشکر بشیر و نذیر
گرفتند از ایشاں گروہِ اسیر

بفرمود کشتن بشمشیر کیں
کہ ناپاک بودند و ناپاک دیں

زنِ گفت من دختر حاتم
بخواہند زیں نامور حاکم

کرم کن بجاے من اے محترم
کہ مولاے من بود از اہل کرم

بفرمان پیغمبر پاک راے
کشادند زنجیر از دست و پاے

وزاں قوم باقی نہادند تیغ
کہ رانند سیلاب خوں بے دریغ

بزاری بشمشیر زن گفت زن
مرا نیز با جملہ گردن بزن

الخ اس حکایت سے صاف ظاہر ہے کہ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے لوگوں کی گردن ماری جاتی تھی یہاں تک کہ عورتیں بھی قتل ہوتی تھیں یہ دختر حاتم ایک اتفاقیہ مضمون پیش آجانے سے بچ گئی ورنہ ماری جاتی اسی حکایت کی نسبت پنڈت لیکھرام صاحب نے اپنی کتاب تکذیب کے صفحہ (۲۹۵) میں لکھا ہے کہ اسی طرح صدہا سالہ خونریزی اور لشکر کشی سے عرب شام روم ایران مصر وغیرہ مسلمان ہوئے[۱] ہیں۔

مرزا۔ اسلام کی صحیح تاریخی روزنامچہ کو چھوڑ کر اب لگے قصہ کہانی پیش کرنے

---

[۱] یہ عبارت اور اعتراض لیکھرام صاحب کا دیکھو تکذیب صفحہ (۲۹۵) ۱۲

مقید قبیلے کے مارنے کا اور کہاں زبردستی مذہب قبول کرانے کا مذکور
ہے۔ بلکہ آنحضرت کے اُن اخلاق کا ثبوت ہے جو عدی کے ایمان لانے
کا سبب ہوا۔ اور آپ کی پیش گوئیوں کے مطابقب کا۔ اور عورت اور
بچوں اور بوڑھی۔ اور پجاریوں اور تارک الدنیاوں کے مارنے کا تو کیا ذکر
ہے اُن کو تکلیف پہنچانا بھی گناہ سمجھا گیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت کی وفات کے
بعد خلیفہ اول نے اسامہؓ کے لشکر کو جب شام کی طرف امن قایم کرنے کو
روانہ کیا تو موافق حکم خدا و رسول کے بتاکید دس نصیحتیں فرمائیں کہ اِن پر عمل کرنا
اِن کے خلاف نہ کرنا منجملہ اُن کے یہ ہیں۔ لَا تَقْتُلُوا طِفْلًا صَغِیْرًا
وَّلَا شَیْخًا کَبِیْرًا وَّلَا امْرَاَۃً وَّلَا تُحَرِّقُوْا وَلَا تَقْطَعُوْا شَجَرَۃً
مُثْمِرَۃً وَّلَا تَذْبَحُوْا شَاۃً وَّلَا بَقَرَۃً وَّلَا بَعِیْرًا اِلَّا
لِمَاکَلَہٖ وَسَوْفَ تَمُرُّوْنَ بِاَقْوَامٍ قَدْ فَرَّغُوْا اَنْفُسَہُمْ
فِی الصَّوَامِعِ فَدَعُوْہُمْ وَمَا فَرَّغُوْا اَنْفُسَہُمْ۔

ترجمہ۔ نہ قتل کرنا چھوٹے بچہ اور بوڑھے کو اور عورت کو اور مت جلانا
اور مت کاٹنا درخت میوہ دار کو اور نہ ذبح کرنا بکری گائے اونٹ کو۔ مگر
لایق کھانے کے اور عنقریب گذرو گے تم ایسی قوموں پر جو اپنی جان بچا کر عبادت
خانوں میں بیٹھے ہیں اُن کو اُن کے حال میں چھوڑ دینا۔

اِس کے مقابلہ میں وید مقدس کی تعلیم ملاحظہ کیجئے کہ دشمنوں کے مارنے میں
نہ بچہ کی قید نہ عورت کی نہ بوڑھے کی نہ جوان کی نہ عابد کی نہ زاہد کی بلکہ ایک
عام نادر شاہی حکم ہے دیکھو یجروید ۴۵/۱۷ تم دور دیش میں جا کر دشمنوں سے
لڑائی کرو اور اُن کو مار کر تم فتح حاصل کرو تم اُن دور و دراز ملکوں کے رہنے
والے دشمنوں میں سے ایک کو بھی مارنے کے بغیر مت چھوڑو یعنی سب کو

ہے کہ وہ خدا اور رسول سے بھاگا پھرتا ہے اور اُس نے حضرت کی
خوبیاں بیان کر کے عدی کو اطمینان دلایا جس سے اُس کے دل پر خاص
اثر ہوا۔ اور صلاح دی کہ وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہو۔ چنانچہ وہ
حاضر ہوا۔ آپ اُس کو اپنے مکان پر لائے اور نہایت عزت سے فرش پر
تکیہ سے لگا کر اُس کو بٹھایا اور خود زمین پر ہو بیٹھے اور وعظ و نصیحت فرمانے
لگے اور مرباع کے لینے سے منع فرمایا۔ عدی آپ کی خوبیاں اور اخلاق
او رنصیحت سنکر مسلمان ہوا۔ خود عدی کہتا ہے کہ اول جب مجھے پیغمبر خدا
اپنے ہمراہ مکان پر لا رہے تھے اُس وقت ایک بڑھیا نے حضرت کو
راستہ میں کھڑا کر لیا اور وہ بہت دیر تک آپ سے اپنا مطلب کہتی رہی
مجھے خیال ہوا کہ اگر آپ بادشاہ ہوتے تو اس بات کو گوارا نہ کرتے دوسرے
جب مجھے عمدہ جگہ پر بٹھایا اور آپ زمین پر بیٹھے تو اور بھی میری بدگمانی
رفع ہوئی آپ نے فرمایا کہ اے عدی تو ہم لوگوں کی حاجتمندی اور ہمارے
دشمنوں کی کثرت مال دیکھکر اسلام سے نفرت کرتا ہے قسم ہے کہ ایک دن
مسلمان اِس قدر مالدار ہو جاوینگے کہ کوئی اُن میں کا مال کی پروا نہ کرے گا
اور قسم ہے کہ تو ایک دن سنے گا۔ عورت تنہا اونٹ پر قادسیے مکہ تک
سفر کرے گی اور اُس کو سوائے خدا کے اور کسی کا خوف نہ ہوگا (یعنی ایسا امن
ہوگا) اور قسم ہے کہ تو ضرور سنے گا کہ محل سفید بابل کے مسلمانوں کے قبضہ
میں آگئے۔ عدی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ دوسری اور تیسری پیشین گوئی آنحضرت
کی مطابق واقع کے ہوئی اور ضرور ہے کہ پہلی پیشین گوئی بھی مطابق ہو گئی
دیکھو تاریخ کامل صفحہ (۱۰۹) اور جلد دوم مدارج النبوۃ صفحہ (۴۰۷) اب
فرمائیے کہ اِس میں کہاں عورت کے مار ڈالنے کا حکم ہے اور کہاں اُس کے

ایسی کتاب اور ایسے پیغمبر سے اور ایسے مذہب سے سوائے نقصان کے فائدہ کچھ بھی نہیں ایسے جاہلانہ مذہب سے علیحدہ رہکر وید وکت احکام کو تسلیم کرنا چاہیئے ۵۸۔

۳ القرآن سوال کرتے ہیں تجھ سے لوٹ کا لوئیں واسطے اللہ کے اور واسطے رسول کے ہیں پس ڈرو اللہ سے الخ۔ اس پر سوامی جی لکھتے ہیں کہ لوٹ مچاویں ڈاکوؤں کے کام کریں کراویں اور وہ پیغمبر اور خدا کہلاویں ساتھ ہی اللہ کا ڈر بتلائیں یہ کتنے شرم نہیں آتی کہ ہمارا مذہب اچھا ہے۔ ۶۷۔

۴ القرآن۔ وہ لوگ کہ ایذا دیتے ہیں مسلمانوں کو اور مسلمان عورتوں کو بغیر اس کے کہ بُرا کیا ہو انہوں نے پس اُٹھایا انہوں نے بہتان اور گناہ ظاہر لعنت ہے اُن پر مارے جائیں پکڑے جائیں اور قتل کئے جائیں اس پر سوامی جی لکھتے ہیں۔ واہ رے غدر مچانے والے خدا اور نبی تم سے بے رحم تو دنیا میں تھوڑے ہوں گے جو لکھا ہے کہ غیر لوگ جہاں ملیں اُن کو پکڑو مارو۔ ویسا ہی اگر مسلمانوں سے غیر مذہب والے برتاوہ کریں تو بری لگے گی یا نہیں۔ واہ کیسے ایذادہ[1] پیغمبر ہیں کہ دوسروں کو دکھ دینے کی دعائیں مانگتے ہیں۔ ۱۲۸

مرزا۔ اب میں کچھ وید مقدس کی تعلیم کا تذکرہ کرتا ہوں اس کو دیکھ کر آپ انصاف کیجئے معلوم ہوتا ہے کہ سوامی جی مہاراج قرآن پر ان اعتراضوں کو لکھتے وقت اپنے مقدس کتاب وید کی تعلیم اور اُس کے احکام کو بھول گئے تھے ورنہ ایسے مقدس شخص جس کی بے تعصبی اور حق گوئی پر اب ایمان لائے ہوئے ہیں اس دلیری اور بے باکی سے قرآن پر اعتراض نکرتے

حاشیہ کسی نسخہ میں دو ذی کسی میں ایذادہ ہے۔

تمام کرو)

بابو۔ یہ کہنا آپ کا بیشک درست ہے اور تسلی بخش ہے لیکن اِس کا کیا سبب ہے کہ اِس قسم کے اعتراضات صرف اسلام پر کیے گئے ہیں آخر اس کی کچھ تو اصل ہوگی۔

مرزا۔ اِس کی اصل یہ ہے کہ اسلام کی بے انتہا عظمت اور شان نے اور اُس کی متواتر فتوحات نے اور قبولیت عام نے اسلام کو دنیا کی نظروں میں محسود بنا دیا تھا پس حاسدوں اور اسلامی دشمنوں نے جب صحیح اعتراض کی گنجایش نہیں دیکھی تو احکام وقتی کو اور بعض بادشاہوں کی کارروائیوں کو ہمیشہ کے واسطے دوسرے پیرایہ اور لباس میں دستاویز اپنے اعتراضوں کا بنالیا اور لگے اسلام پر اعتراض کرنے اِس کا علاج کیا ہو سکتا تھا۔

بابو۔ سوامی دیانند جی مہاراج نے بسلسلہ اعتراض قرآن پر اور قران کی تعلیم پر اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں بہت اعتراض کیے ہیں ہم نمونہ کے طور سے دو چار حکم قرآن کے معہ سوامی جی کے اعتراضوں کے یہاں بیان کرتے ہیں اُن کو دیکھئے اور دل میں انصاف کیجیے کہ یہ کیسی تعلیم ہے۔

۱ القران۔ اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں۔ مار ڈالو اُن کو جہاں پاؤ۔ اِس پر سوامی جی لکھتے ہیں کہ بلاقصور کسی کو مارنا سخت گناہ ہے مذہب اسلام غیر مذہب والوں کے ساتھ سخت ظلم کرنا سکھاتا ہے یہ بات نہ خدا کی نہ خدا کی کتاب کی ہو سکتی ہے ۳۵

۳ القران۔ نہ بند کرو ہاتھوں اپنے کو پس پکڑو اور مار ڈالو انکو جہاں پاؤ اس پر سوامی جی لکھتے ہیں کہ یہ پرلے درجہ کی تعصب کی بات ہے کہ جو مسلمان نہو اُس کو جہاں پایا جاوے مار ڈالا جاوے۔ ایسی تعلیم کنوئیں ڈالدینی چاہیے ایسے خدا اور

اور اُن کو اپنی تمام طاقت سے ماریں یجر وید ۱۳/۱۳ -

چونکہ اس منتر ہیں دشمنوں کی کھیتوں اور کام کاج کے مقامات کو نہ صرف لوٹ لینے بلکہ اُجاڑ دینے کا یعنی ہمیشہ کو برباد کر دینے کا حکم ہے اس لئے بقول سوامی جی یہ سخت شرم کی بات ہے کہ ایسی تعلیم کو خدا کی طرف منسوب کیا جاوے ایسے مذہب کو جس ہیں اس درجہ لوٹ مار برباد کرنے کی تعلیم ہو اس طرح چھوڑا جائے کہ پھر نام نہ لے۔ تیسرا منتر جس ایذا رساں شخص کی ہم مخالفت کرتے یا جو ایذا دینے والا ہم سے دشمنی کرتا ہے اُس کو ہم شیر کے منہ میں ڈال دیں ۱۵/۱۵ -

موافق تحریر سوامی جی کے اس منتر میں تعلیم ہے کہ ہم کسی سے دشمنی کریں یا دوسرا ہم سے دشمنی کرے دونوں کو شیر کے منہ ہیں ڈالدو یعنی دونو صورتوں ہیں مخالف ہے بیچارے کو مارو۔ پس بقول سوامی جی کے سخت موذی پن اور ایذا دہی ہے اور بقول سوامی جی کے ایسی تعلیم خود غرض لوگوں کی تعلیم ہے خدا کا اس ہیں کوئی دخل نہیں گو یا خدا کا کلام نہیں ہو سکتا کسی خود غرض کا کلام ہے آگے سوامی جی کا سدہانت ہے کہ جس طرح مسلماں دوسروں کو دشمت اور کافر کہتے ہیں اس طرح دوسرے مسلمانوں کو کافر کہیں کیا وجہ ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ دیا جاوے اور مسلمانوں کو قتل نہ کیا جاوے جس کتاب ہیں (یعنی قرآن ہیں) ایسی تعلیم موجود ہ خدا کی کتاب نہیں ہو سکتی مگر ہم اس کے موافق وید مقدس کا منتر بھی پاتے ہیں۔ وید منتر جس وشت کو ہم لوگ ودیش کرتے ہیں یا جو وشت ہمسے دویش کرے اُسکو ہم ہوا دو سے ہلاک کریں یجروید ۱۵/۱۶

پس سوامی جی کے سدہانت کے موافق یہ منتر کسی طرح بھی خدا کا کلام نہیں

حقیقت میں اتنے بڑے فاضل سے بہت بڑی غلطی ہوئی کہ اپنی کتاب کو بے دیکھے دوسرے مذہب پر اعتراضوں کی بھرمار کر دی اور جو معیار پاک مذہب کے اپنے ذہن میں تجویز کی تھی اُس پر ویدوں کی تعلیم کو رکھکر نہ پرکھا آج اِس غلطی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بڑے پُرانے آریہ وید کی تعلیم کو سوامی جی کی کسوٹی پر کس کر چھوڑتے جاتے ہیں جیسے بابو دہرم پال یا بوجگدمبا پرشاد صاحب وغیرہ اور آریہ مذہب چھوڑنے کی وہ یہ ہی وجہ بیان کرتے ہیں کہ جو پرکھ سچے مذہب کی سوامی جی نے بتائی تھی اُس کے رو سے ویدوں کی تعلیم کنوئیں میں ڈالنے کی قابل ہے۔ اب ہم آپ کے جواب میں پانچ چار منتروں کا ترجمہ وید مقدس کا وید بھاشہ سے نقل کرتے ہیں جو خود سوامی جی کا ترجمہ کیا ہوا ہے۔

وید کا منتر اے راج پرش اب دہرم کے مخالف دشمنوں کو آگ میں جلاویں اے جاہ وجلال والے پرش وہ جو ہمارے دشمنوں کو حوصلہ دیتا دیتا ہے اب اُس کو الٹا لٹکا کر خشک لکڑی کی طرح جلا دیں یجروید $\frac{13}{12}$

چونکہ مذکورہ بالا حکم وید میں دہرم کے مخالفوں کو (یعنی غیر مذہب والوں کو) زندہ جلا ڈالنے کی تعلیم ہے اِس لئے سوامی جی کے مقررہ قاعدہ کے موافق وید کنوئیں میں ڈالدینے کے لائق ہیں اور وید کے خدا کو اور وید کو ماننے میں سوائے نقصان کچھ فائدہ نہیں اور بقول سوامی جی وید کی تعلیم جاہلانہ تعلیم ہے عقلمندوں کو اِس سے علیحدہ رہنا چاہئے ہے اور عقلمند اِس سے علیحدہ ہوتے بھی جاتے ہیں اور امید ہے کہ سب عقلمند اریہ سوامی جی کا کہنا کریں گے۔ دوسرا منتر۔ اے تیج دہاری ودوان پرش آپ تیز رو دشمن کے کھانے پینے یا دیگر کام کاج کے مقامات کو اچھی طرح دجائیں

نظر کرنا چاہئے ہے جیسے کہ شروع بحث میں جہاد کی اُن آئتوں اور احکام کی ضرورت بیان کی ہے ۔ قرآن کے جزوی ترجمہ کی غلطی کو قابل اعتراض یہاں نہیں سمجھا گیا کہ معترض عربی داں نہ تھے جیسے کہ ہم سنسکرت داں نہیں ہیں ۔ اور یہ بھی یاد رہے کہ اِس قسم کے احکام کثرت سے وید میں درج ہیں یہاں اختصار پر اِس وقت نظر ہے ۔ مفصل دیکھنا ہو تو دیکھو وید بھاشیہ اور تالیف بابو دھرم پال صاحب اور یہ بھی غور کا مقام ہے کہ کسی جگہ موذی تکلیف دہ ایذا رساں الفاظ معترض نے اُس رحم مجسم نبی کی نسبت استعمال کئے ہیں کہ جس کے رحم کے مخالف بھی بر بناء واقعات تاریخی معتر ہیں جس نے باوجود مخالفوں کے طرح طرح کے ایذا رسانی اور ارادہ قتل اور زخمی کرنے اور دانت توڑنے گالیاں دینے وغیرہ کے ہمیشہ مخالفوں کے حق میں بجائے بدلہ لینے کے یہ دعا کی ہے انی لم ابعث لعانا ولکن بعثت داعیاً ورحمتہ اللھم اھد قومی فانھم لایعلمون یعنی اپنے دشمنوں کے حق میں لعنت اور بد دعا کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ اِس لئے کہ اُن کو خدا کی طرف بلاؤں اور اپنے کو رحمت ثابت کروں اے خدا قوم کو ہدایت دے کیوں کہ وہ مجھے نہیں جانتے اور مسلمانوں میں رسول کی تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ الرسول خیر خواہ دشمنان ۔

بحثِ تناسخ

بابو ۔ آپ مسلمان اواگون یا پنر جنم کو نہیں مانتے اور نہ ماننے کی حالت میں پرمیشور کا عدل انصاف باقی نہیں رہتا جس سے پرمیشور کی ذات

ہو سکتا کیونکہ اس میں دو ویش کرنے والے دونوں ہیں مگر ایک کو ہلاک کرنے کے لئے تعلیم ہے اور دوسرے کو جو دویش کرتا ہے ہلاک کرنے کی کوئی تعلیم نہیں دی اس لئے وید خدا کا کلام نہیں ہو سکتا۔ سوامی جی کہتے ہیں کہ جو لوگ بے گناہوں کو مارتے غدر مچاتے اور دوسروں سے دشمنی کرتے ہیں وہ سخت موذی ہیں یعنی مسلمان اور جس کتاب میں اس قسم کی تعلیم ہے وہ کتاب جاہلوں کی ہے یعنی قرآن اب وید منتر ملاحظہ ہو۔ ہم لوگ جس سے دشمنی کریں اور جو ہم سے دشمنی نہ کرے اُس کو ہم شیر وغیرہ کے منہ میں ڈالدیں اور راجہ بھی اُس کو شیر کے منہ میں ڈالدے یجروید $\frac{17}{15}$ -

بڑا لطف یہ ہے کہ یہ ترجمہ سوامی جی کا کیا ہوا ہے۔ یہاں یہ لطف دیکھئے کہ جن سے ہم دشمنی رکھتے ہوں گو وہ بیچارہ ناکردہ گناہ ہم سے دشمنی نہ رکھتے ہوں تو بھی ان کو شیر کے منہ میں ڈالدینا چاہیئے ہے۔ واہ رے وید تیری تعلیم اور واہ رے سوامی جی آپ کا انصاف اور غیر طرفداری۔

؎ بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا ؛ جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا ؛

اور واہ رے قرآن پاک تیری کرامت، اور زبان حال سے یہ کہنا ؎

کوئی عشق میں ہم سے افزوں نہ نکلا ؛ مرے سامنے ہو کے مجنوں نہ نکلا

یہاں ہم کو یہ بھی عرض کرنا ہے کہ قرآن کے احکام مذکورہ بالا کا باعتبار موقع اور بہ لحاظ واقعات اور نیز لفظوں معنوں کے تقابل کے بھی ذرا وید کے ساتھ اس بحث میں موازنہ کرنا چاہیے سوامی جی کے لکھنے سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے ہے کہ حقیقت میں قرآن سے جو احکام نقل ہوئے ہیں وہ کوئی نادر شاہی احکام ہیں بلکہ اُن کے محل نفاد اور اُن کی ضرورت بھی

بھوگ رہا ہے ورنہ یہ اندھا اور مفلس کیوں ہوا کیونکہ خدا کا انصاف اس کا مقتضی نہیں ہے کہ بے وجہ اندھا یا مفلس کرے اور اگر بے وجہ کسی کو اندھا لنگڑا کرتا ہے تو انصاف نہیں ہے۔

مرزا۔ اِس موقع پر ہم منطقی بحث نہیں کیا چاہتے کہ عام لوگوں کی سمجھ سے باہر ہوگی نہ اِس بحث کو اُٹھانا چاہتے ہیں کہ برہان اُس قیاس کو کہتے ہیں جو مقدمات یقینیہ سے مرکب ہو اور اُس کی دو قسمیں لمی اور انی ہیں اور لمی وہ ہے جس کی حد اوسط علت ہو واسطے ثبوت اکبر کے وغیرہ وغیرہ کیونکہ عام لوگوں کو یہ طریقہ گفتگو کا بے لطف کر دیگا۔ خلاصہ آپ کی گفتگو کا اسی قدر ہے کہ انسان کی حالت میں کمی بیشی اور تفاوت مراتب کو دیکھکر ایسا یقین ہوا ہے کہ پچھلے جنم میں پہلے جنم کی جزا سزا ہے۔ مگر ہم آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ کمی بیشی اور تفاوت مراتب صرف انسان ہی میں محدود ہے یا کسی اور شے میں بھی نظر آتا ہے ہم تو جہاں تک آنکھ اُٹھا کر دیکھتے ہیں کسی شے میں بھی مساوات نہیں پاتے۔ یہ دنیا مادی ہے اور کل مادی چیزیں دنیا کی تین قسموں میں منقسم ہیں۔ نباتات۔ حیوانات جمادات۔ جن کو حکماء کی اصطلاح میں موالید ثلاثہ کہا گیا ہے۔ پھر اگر انسان کے تفاوت مراتب کی وجہ پہلے جنم کے اعمال سمجھے جاویں۔ تو باقی دنیا کی چیزوں کی کمی بیشی اور تفاوت مراتب کی وجہ کیا قرار دی جاوے اِسے بھی آپ ہی بیان کریں۔ مثلاً جہاں خدا نے ایک انسان کو اندھا بھکاری بنایا ہے اور اُس کے مقابل میں دوسروں کو مالدار آنکھوں والا دائمی راحت و آرام میں پیدا کیا ہے۔ اُسی طرح ایک پہاڑ کے دو پتھروں میں سے ایک کو مسجد مندر میں لگا کر ایسی عزت دی ہے کہ پیشانی اُسپر

میں عیب آتا ہے۔ ہم لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ پرمیشور اپنے عدل اور انصاف سے ہر ایک جیو کو موافق اُس کے پہلے اعمال کے جزا سزا نت نئے جون میں دیتا رہتا ہے۔ جیسے عمل ویسا جنم۔ جب جیو یا روح ایک قالب میں جزا سزا بھگت لیتی ہے تو دوسرے جون میں اِس موجودہ جون کے نتائج بھوگتی ہے خواہ وہ جون انسان کا ہو یا حیوان کا یا گھاس پات جڑی بوٹی کا۔

مرزا۔ مسلمانوں کے سوا دنیا کی دوسری قومیں جو علم و عقل کے زیور سے آراستہ ہیں وہ بھی تناسخ اور نیز جنم کے ذریعہ سے جزا سزا ملنے کے قائل نہیں ہیں۔ وہ بھی تناسخ کو نہیں مانتے۔ اِس میں مسلمان کی خصوصیت نہیں ہے آپ اپنے اِس دعوے کو ثابت کیجئے کہ خداوند تعالےٰ انسان کو بذریعہ بتر جنم یا تناسخ کے جزا سزا دیتا ہے۔ باقی کسی خیال کو خواہ مخواہ پختہ کر لینا کوئی حجت نہیں ہو سکتی۔

بابو۔ آپ کو معلوم ہے کہ علت سے معلول کو اور معلول سے علت کو جاننا عقلمندوں کا کام ہے جس کو برہان لمی اور انی کہا گیا ہے۔ پس جب ایک قسم کا ظاہر تفاوت مراتب انسان کی حالت میں دیکھا جاتا ہے تو یقین کیا جاتا ہے کہ ہو نہ ہو اس کی علت پہلے جنم کے اعمال ہوں۔ مثلاً ایک شخص کو بیمار دوسرے کو تندرست ایک کو اندھا دوسرے کو آنکھوں والا ایک کو مفلس بھکاری دوسرے کو دولتمند نواب راجہ دیکھا جاتا ہے تو خیال ہوتا ہے کہ خداوند تعالےٰ جو عادل اور منصف ہے بلا وجہ ایک کو امیر دوسرے کو فقیر ایک کو اندھا دوسرے کو آنکھوں والا کیوں پیدا کرنے لگا۔ ضرور مفلس اندھے نے پہلے جنم میں کوئی ایسے گناہ کئے ہیں جن کو اِس جنم یا جون میں

بوجہ امارت فقیروں پر فضیلت دیتا ہے کبھی فقیر کو خاص وجہ سے دنیا جہان کے امیروں پر فضیلت دیتا ہے ہر ایک شخص کے مراتب مدارج اور اعتبارات ایک دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز ہیں یہ ضرور نہیں۔ کہ جب کسی کو فقیر دیکھا جاوے اُس کو پچھلے جنم کا گناہ گار قیدی جان لیا جائے بہت سے فقیر نادار فاقہ کش امیروں سے زیادہ معزز محترم ہیں بہت امیر فقیر کے در پر جبہ سائی کرتے ہیں مگر بہت فقیر امیروں کی بات بھی نہیں پوچھتے۔ اس صورت میں اگر فقیری مفلسی کو وجہ معصیت جانا جاوے گا تو کہنا پڑے گا کہ دنیا جہان والے معصیت کا احترام اور عزت کرتے ہیں حالانکہ معصیت قابل نفرت ہے نہ قابل احترام۔ مسلمانوں کے فقیروں سے قطع نظر کرو خود سوامی دیانند جی مہاراج کو دیکھو کہ سنیاس کی حالت میں کون سے مالدار دولتمند راجہ جاگیردار تھے یہ ہی کہنا ہوگا کہ سنیاسی فقیر تھے مگر ایسے فقیر تھے کہ تمام ہندوستان کے راجہ مہاراجہ امیر جاگیردار اُن کی دل سے عزت و توقیر کرتے تھے اور ایسی تعظیم و تکریم اُن کی ہوتی تھی کہ راجہ مہاراجوں کی بھی وہ تعظیم نہیں ہوتی اُن کو دیکھکر کون کہہ سکتا تھا کہ اِن سے راجہ مہاراجہ افضل ہیں۔

بابو۔ سوامی جی مہاراج کی عزت بہ لحاظ اُن کے علم و فضل کے تھی نہ بہ اعتبار اُن کی فقیری کے۔

مرزا۔ اگر سارے ہندوستان والے سوامی جی مہاراج کے علم و فضل کی عزت کرتے تھے تو سوامی جی فقیری اور سنیاس کی عزت کرتے تھے۔ اگر فقیری اور سنیاس بری اور خوف کی چیز ہوتی تو سوامی جی کیوں اختیار کرتے فقیری تو اس درجہ افضل اعلیٰ اور نشان عنایت ایزدی ہے کہ بادشاہوں نے بادشاہت چھوڑ کر

رکھی جاتی ہے۔ دوسرا پتھر جو اُسی پہاڑ کی کان سے نکلا ہے اُسکو پیخانہ کی
کھڈی کا قدمچہ بنایا ہے جس پہ ہمیشہ غلاظت کا ڈھیر رہتا ہے۔ ایک پتھر ہیرا زمرد
لعل یاقوت ہے کہ بادشاہوں کے تاج کی زینت ہے جو ہزاروں کی قیمت
پاتا ہے ایک سرمہ کا پتھر ہے جو آنکھوں میں لگایا جاتا ہے ان کے مقابلہ
میں دوسرے پتھر ہیں جن کو کوئی آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا ہمیشہ پامال ہوتے
رہتے ہیں اور کوئی کوڑی کو بھی نہیں پوچھتا۔ پھر یہ ظلم نہیں تو اور کیا ہے کہ ایک
پتھر کو رنگ میں۔ روپ میں۔ قیمت میں۔ عزت میں اتنا بڑھایا دوسرے
کو اسقدر خاک میں ملایا۔ یہ ہی حال نباتات میں ہے ایک زعفران کی
پتی ہے جو رنگ میں بو قیمت میں گھانس کی پتی سے درجہا افضل ہے
انکے سوا ثوابت سیاروں اجرام فلکی کا بھی یہ ہی حال ہے کہ کوئی روشن
بالذات ہے کوئی دوسرے سے مستفید ہے کوئی بڑا۔ کوئی چھوٹا کوئی
تیز رفتار۔ کوئی کم رفتار۔ خلاصہ یہ کہ کسی میں بھی مساوات نہیں پائی جاتی
اچھا اسی کو غور کرو کہ انسانوں میں تو امیر و فقیر بوجہ اعمال بنائے گئے۔ مگر
انسان کے جسم کے تمام اعضاء میں کیوں تفاوت مراتب اور کمی بیشی
رکھی گئی ہے۔ آپ ہی فرمائیے کہ آنکھوں نے کیا نیک کام کیا کہ اُن کو
مصدر نور بنایا اور آنت نے کیا قصور کیا کہ اُس کو ظہور غلاظت اور
عفونت بنایا۔ اور اگر دونوں نے کوئی نیک و بد کام نہیں کئے تو پھر
تفاوت مراتب کیوں ہے اور اِس سے خدا کا ظلم ظاہر ہوتا ہی یا کیا؟
اِسی طرح کسی فقیر کو محض مفلس ہونے سے یہ سمجھ لینا کہ بہ نسبت کسی راجہ
کے یہ ضرور پہلے جنم کا گناہگار ہے۔ ایک قسم کی غلطی ہے۔ درحقیقت
خداوند تعالےٰ کے مختلف قسم کے انعام بندوں پر ہیں کبھی امیر کو خاص

مراتب کا ثبوت سب میں ہے۔ پھر اس کی بھی کوئی وجہ ہوگی اس کو بھی
آپ ہی بیان کیجئے۔ اور کسی برہان لمی سے کام لیجئے۔ فقط انسان کی
فقیری امیری سے تناسخ کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ تا وقتیکہ سب کے تفاوت
مراتب کے وجوہات اعمال کا نتیجہ نہ ثابت ہوں یا اس کا اقرار کیجئے کہ سوائے
انسان کے تمام موجودات ہر اعتبار سے مساوی اور کانٹے کی تول برابر ہیں۔
بابو۔ تمام موجودات کے تفاوت مراتب کے نتائج بیان کرنے کا ہم نے
ٹھیکہ نہیں لیا نہ ہمارے لئے ضرور۔ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اسکی
حالت میں جو کمی بیشی جو تفاوت مراتب ہے اُسکی وجہ تناسخ بیان کردی گئی
ہے اور منجملہ موالید ثلاثہ حیوان اور نباتات میں تو روح جیو مانتے ہی
ہیں۔ اور روح ماننے کی وجہ سے اُنہیں پر جنم مانتے ہیں باقی جمادات میں
جو کچھ تفاوت مراتب اور کمی بیشی ہے یہ بہت زیادہ نہیں ہے۔
مرزا۔ زیادہ تو انسانوں میں بھی نہیں ہے۔ خود انسان ہی سے بحث کیجئے
تو انسان کے اعضا کی کمی بیشی اور تفاوت مراتب کیا کم ہے۔ اچھا اعضائے
انسان سے بھی قطع نظر کرو یہ تو آپ کا عقیدہ ہے کہ سزا صرف روح کو
ملتی ہے بذریعہ جسم کے مگر خالی تنہا جسم کو تو سزا نہیں ہوتی حالانکہ ہم دیکھتے
ہیں کہ مرنے کے بعد بعض فقیروں اور امیروں کے مردہ جسم اور نعش
کی وہ آبرو ہوتی ہے جو کسی زندہ کی بھی نہ ہوگی اور اکثر مردہ اجسام کی وہ
خواری اور بے آبروئی ہوتی ہے کہ اُن کو دیکھکر انسان کانپ جاتا ہے
لڑائیوں میں ہزاروں نعش گھوڑوں کی ٹاپوں میں پارہ پارہ ہوتی ہیں۔
طاعون اور وبائے ہیضہ میں جہاں کثرت سے موت وقوع میں آتی ہے
مردہ نعش کی جو کچھ خرابی دیکھی گئی ہے اُسکو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے

اسے اختیار کیا ہے۔

بابو۔ آپ نے فقیری ایک مطلب کی بات دیکھکر بحث شروع کر دی۔ دوسری بات تو نسے بھی تو بحث کیجئے کہ اندھا لنگڑا ہونا کون چاہتا ہے اُس کی کون عزت کرتا ہے۔

مرزا۔ میری غرض نہ فقیری سے بحث کرنا ہے نہ اندھے بہرہ سے میں تو یہ کہنا چاہتا ہوں کہ راحت نام ہے جمیعت خاطر اور اطمینان قلبی کا۔ اور اِسی کو سکھ کہنا چاہئے۔ اگر فقیر کو اور اندھے کو اطمینان قلب ہے تو وہ اُس راجہ۔ نواب بادشاہ سے بہتر ہے جو رات دن ملک گیری اور ملک داری کی وجہ سے مبتلائے رنج و آلام اور تردداتِ چند در چند ہے۔

ایک بادشاہ اگر تختِ حکومت پر بوجہ کسی مہلک مرض یا تکلیف دہ عارضہ کے مبتلائے رنج و مصیبت ہے تو اُس غریب فاقہ کش مزدور سے جو ہر طرح تندرست اور مطمئن خاطر ہے اور شام کو مزدوری کر کے جو کی روٹی سے عنقریب پیٹ بھرنے والا ہے زیادہ تر دکھ میں ہے۔ خلاصہ یہ کہ مطلق سکھ راحت قلب کسی امیر غریب اندھے آنکھوں والے پر موقوف نہیں ہے کہ جو ہم وجہ سزاء عمل جنم سابقہ قرار دیں بلکہ محض انعام خداوندی ہے جسے چاہے عنایت فرمائے اِس بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ جو امیروں میں سارا سکھ منحصر کئے ہوئے ہیں اور اسی کو جنم سابقہ کے اعمال کا نتیجہ سمجھتے ہیں یہ غلط ہے غرض کہ ایک کی بیشی اور تفاوت مراتب ہو تو آپ کا کہا مان لیا جاوئے مگر یہاں تو ایک سرے سے تمام موجودات میں یہ ہی بات دیکھی جارہی ہے۔ حالانکہ ان میں جنم وغیرہ آپ نہیں مانتے۔

جیسے پتھروں میں سیاروں میں۔ انسان کے اعضاء بدنی میں مگر تفاوت

ضرور یہ کیا ہے گو فرداً فرداً کسی کے گناہ کی حقیقت نہ معلوم ہو۔

مرزا۔ پانچ برس کے بچہ کو پہلی باتوں کا علم اس لئے نہیں دیا گیا کہ ان باتوں پر اُس سے مواخذہ کیا جانا منظور نہیں کیونکہ وہ عالم معصومیت ہے معصوم سے جب مواخذہ نہیں اور اسکو اسکے اعمال پر سزا نہیں تو اسے علم دینا کیا ضرور ہے اسی طرح حالت خواب میں انسان کل کاموں سے معطل محض ہوتا ہے۔ خواب میں کون ایسا گناہ کرتا ہے کہ اسکو سزا ملے اور سزا کی ضرورت سے علم دیا جاے بحث اس سے نہیں ہے کہ روح کو کل باتوں کا علم ہونا چاہئے۔ اس پر یہ حجت خواب اور بچہ کی پیش ہوسکتی ہے۔ ہاں بحث اس میں ہے کہ گناہ کی سزا دیجاے اور گناہ گار کو نہ جتلایا جاوے یہ ظلم ہے اس کی کوئی مثال ہونی چاہئے۔ دنیا کے حاکم کسی بے ہوش و بدحواس کو سزا نہیں دیا کرتے نہ کسی بچہ معصوم کو سزا دیتے ہیں یہاں اور ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ دنیا کے حاکم ہندو مسلمان عیسائی تو بچہ معصوم کو گناہ کی سزا نہیں دیتے مگر پرمیشور کے نزدیک انسان کی زندگی کیلئے کوئی ایسی منزل نہیں ہے کہ اُسمیں باز پرس نہو۔

بابو۔ پھر اگر پنر جنم کو آپ نہیں مانتے تو خداوند تعالے کے نا منصف مزاج ہونیکا بھی اقرار کیجئے۔

مرزا۔ ہم کو پنر جنم سے انکار ہے۔ اور پنر جنم کے انکار سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا کے عدل و انصاف سے انکار کیا جاوے۔

بابو۔ کس طرح۔

مرزا۔ ہر شخص جانتا ہے کہ اپنے مال میں تصرف کرنا چوری نہیں کہا جاتا اسی طرح اپنے مال اور ملکیت میں تصرف کرتا خواہ وہ کسی قسم کا ہو دخل ظلم نہیں کہا جاتا۔ چونکہ خداوند تعالیٰ خالق کل اشیاء ہے اور سارا جہان

انکار نہیں ہو سکتا کہ ہزاروں مردہ اجسام سخت بے عزتی کی حالت میں پڑی سڑتی ہیں اور صدہا گلاب کافور عطریات اور پھولوں میں رکھے جاتے ہیں حالانکہ روح دونوں قسم کے مردہ اجسام کی نکل چکی ہے جو سزا کی مستحق تھی اب تفاوت مراتب مردہ اجسام مین کیوں ہوا۔ اگر مرے بعد کل اجسام مساوی حالت میں ہوتے تو آپکے قول کی تصدیق ہوتی اب آپ کا یہ کہنا کہ جمادات میں اور دوسری چیزوں میں تفاوت مراتب تھوڑا ہے۔ تھوڑا بہت امر اضافی ہے وجہ بیان کرنیکو کسی کا تھوڑا بہت ہونا مانع نہیں۔ دوسرے یہ عجب قسم کی جزا، سزا ہے کہ جس کا سزا پانے والے کو علم نہ جزا پانیوالے کو اسکی خبر۔ دنیا کا حاکم فوجداری اگرکسی کو سزا دیتا ہے تو ضروری طور سے فرد قرارداد جرم مرتب کرتا ہے اور سزا سے پہلے مجرم کو سمجھا دیتا ہے کہ تونے یہ گناہ کیا۔ اسلئے تجھے یہ سزا دیجاتی ہے تاکہ وہ آئندہ گناہ کرنیسے باز رہے کیونکہ سزا دینے کے دو مقصد ہیں ایک مجرم کی اصلاح حال مدنظر ہوتی ہے دوسرے دوسروں کے واسطے وجہ عبرت یہاں یہ کیا اندھیر ہے کہ ہمکو نہ اطلاع نہ علم کہ ہمکو اندھا کیا گیا تو کس قصور میں اور مفلس بنایا گیا تو کس گناہ کی وجہ میں۔

یالبو۔ جیو روح کو علم ہونا ضرور نہیں ہے ہر انسان عالم خواب کی باتیں یاد نہیں رکھتا اور پانچ برس کے بچہ کو پیدا ہونیکے بعد کے حالات یاد نہیں ہوا کرتے اسی طرح روح کو پہلے جنم کے گناہوں کا علم بھی نہیں ہوتا اسمین قباحت کیا ہے۔ اور دو مقصد جو سزا کے آپنے بیان کئے وہ دونوں بھی پورے ہو جاتے ہیں جب انسان کو دکھ ملے تو اسے علم ہونا چاہیئے کہ کسی گناہ کی سزا ہے۔ اور جب کسی دکھیا کو دوسرا کوئی دیکھے اسے بھی جاننا چاہیئے کہ اس نے کوئی گناہ کیا ہے جیسے اجمالی علم جیل کے قیدیوں کو دیکھکر یہ ہوتا ہے کہ انہوں نے قصور

بابو۔ اچھا اِس تفاوت کی وجہ کچھ کچھ آپ بیان کیجئے۔
مرزا۔ جناب بندہ انسان اپنے ہم جنس انسان کے تمام مصلحتوں اور بھیدوں سے تو واقف ہو ہی نہیں سکتا انسان کو اپنی ہستی کا تو پورا علم ہو ہی نہیں وہ خدا کی حکمتوں اور مصلحتوں کو کیونکر جان سکتا ہے انسان کا اپنے دل میں اِس قسم کے خیالات لانا اور ہر بات میں اعتراض کرنا دراصل حد اعتدال عبودیت سے قدم بڑھانا ہے۔ **بابو۔** اِس کا علاج کیا جب اعتراض پیدا ہو
مرزا۔ اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنی جہالت اور ناواقفیت کا طبیعت کو یقین دلائے جیسے کہ ایک حکیم حاذق کی تجویز شدہ نسخہ کی نسبت کو گو اِس نسخہ کی ادویہ اور اوزان سمجھنے میں نہ آئیں یہ خیال ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ حکیم کامل اور حاذق نے جو کچھ لکھا ہے سمجھکر ہی لکھا ہو گا نسخہ کا سمجھ میں نہ آنا ہمارے لئے علم طب کی ناواقفیت کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح انسان کو جب خدا کی قدرت اور حکمت بالغہ پر بھروسہ ہے تو جو بات سمجھ میں نہ آوے تو اُسکی نسبت یہ خیال کرکے طبیعت کو اطمینان دلاوے۔
بابو۔ آخر کوئی بات ایسی بھی تو ہو کہ عقل کا دیا جانا ہمکو بیکار اور فعل عبث نہ ثابت ہو
مرزا۔ عقل ہمکو اِس لئے دی گئی ہے کہ اسکی قوت کے لائق اُس سے کام لیں اور جو باتیں عقل کی قدرت قوت سے زیادہ ہیں اُس کا بوجھ اسپر نہ ڈالیں۔ اب کے رفع توہمات کے لئے ایک بات یہ بھی کہا چاہتا ہوں کہ جو تناسخ کے معاملہ میں خدا کے انصاف اور حکمت سے متعلق ہے غور کیجئے کہ جب ایک ذات کئی اوصاف سے متصف ہوتی ہے۔ تو ایک ہی وقت میں کل اوصاف کا ظہور میں آنا محال ہوتا ہے بلکہ اپنے اپنے موقع مناسب کے ساتھ ہر صفت کا ظہور اچھا معلوم ہوتا ہے مثلاً خدا کی ذات پاک عدل و انصاف

اُسکی مخلوق ہے۔ اور یہ جو کچھ ہے سب اُس کی ملک اور مال ہے اِسلئے
اُس میں اُسکو حق ہے جس طرح چاہے تصرف کرے اور جس شئے کو جس شکل
میں چاہے بنائے اِس میں ظلم کی کیا بات ہے۔ مخلوق کی کیا مجال ہے
کہ وہ اپنے خالق سے شکوہ گلا کرے کہ مجھے ایسا کیوں بنایا۔ انسان جو خدا
کی ادنےٰ مخلوق ہے اپنے مال میں تصرف کرنے سے ظالم نہیں کہلاتا تو
خالق کل کائنات کیوں ظالم کہلانے لگا۔

بابو۔ اس کا کیا مطلب ہوا۔

مرزا۔ اِس کا مطلب ظاہر ہے۔ آپ اگر کسی قطعہ زمین میں جو آپ کی
مِلک ہو اُس کے کسی حصہ میں باغ لگائیں اور کسی حصہ میں پاخانہ بنائیں
تو زمین آپکو ظالم کہہ سکتی ہے یا سمجھ داروں کے نزدیک آپ اِس لئے
ظالم ہو سکتے ہیں کہ آپ نے اپنی ضرورت کے لحاظ سے کسی جگہ باغ اور
کسی جگہ پاخانہ بنایا ہے۔ بازار سے مکان بنانے کو اینٹ پتھر خرید و
کہ وہ آپ کی ملک ہوں پھر کسی اینٹ پتھر کو شہ نشین میں لگائیں اور
کسی کو پاخانہ کی موری میں تو کیا آپ اِس وجہ سے ظالم ہونگے کہ سب
اینٹ پتھر آپ نے شہ نشین میں کیوں نہ لگائے بعض کو موری میں کیوں
لگا دیا۔ اگر اسی کا نام انصاف ہو جو کہ آپ کی سمجھ میں آگیا ہے تو دنیا میں
انسان کی زندگی دشوار ہو جائیگی۔ اور بات بات میں ظالم کہلائیگا افسوس
کی بات ہے کہ انسان اپنی برائے نام کی ملکیت کی چیزوں میں مختلف قسم
کے تصرفات اور استعمال کی وجہ سے ظالم نہ کہلائے اور خداوند تعالےٰ
جو حقیقی خالق اور مالک ہے اپنے مال میں کسی قسم کی کمی بیشی اور تفاوت
مراتب کی مصلحت سے رکھے تو وہ ظالم کہلائے۔

کا ثبوت ہے آپ کہتے ہیں کہ ایسا ہونا ظلم ہے سب کو ایک سا بنانا
تھا۔ عقلمند کہتے ہیں کہ ایک سا بنانا داخل تعریف نہیں اب کہتے ہو
کہ داخل تعریف ہے اس کا فیصلہ کون کرے پھر مکرر اسے لکھے ہوئے
کو عرض کرتا ہوں۔ غور کیجئے کہ انسان یا غیر انسان اشیاء کو برابر اور مساوی
حالت میں پیدا کرنا خدا کے واسطے ایسی خوبی نہیں ہے جیسے کہ ہر مرتبہ
تفاوت کے ساتھ پیدا کرنا انسان کا حیوان کا نباتات جمادات
کا موجب کمال ہے۔ دیکھو لاکھوں آدمی ایک عمر ایک رنگ
ایک قد و قامت کے ہوتے ہیں تو بھی ہر ایک کی آواز ہر ایک کی صورت
ایک دوسرے سے نہیں ملتی اسی کو کمال قدرت کمال صنعت سمجھا
گیا ہے کہ باوجود ایک سی آنکھ ناک صورت شکل کے ہر ایک میں
کچھ ایسی تشخصات ہیں کہ وہ دوسروں سے ممتاز ہے اور اسی کی تعریف
ہے۔ اور جو بات سب سے زیادہ مشکل ہوتی ہے اسی کا ذکر کرنا قابل
تعریف ہوتا ہے۔ نہ کہ معمولی بات کا۔ وہ بڑا کاریگر کمہار ہے جو ہر قسم
کے برتن بنا سکے اور اگر وہ کمہار اس فکر میں مبتلا ہو کہ مٹکا بنا کر سکورا
دیوا۔ بناؤں گا تو ظالم کہلاؤں گا۔ اور دیوا۔ سکورا کسی عدالت میں
مجھ پر ہتک عزت کی نالش کردینگے اس خیال سے وہ صرف
مٹکے برابر کے بناتا ہے تو گو اس کمہار کو آپ منصف مزاج
کہیں مگر ہمتو ہر قسم کے خورد وکلاں برتن بنا سکنے سے اُسے بے
حقیقت سمجھیں گے خلاصہ یہ کہ یہاں خدا کے صنعت سے بحث ہے
نہ عدل سے عدل کا محل دوسرا ہے یہاں تک تو آپ کی دلیل لمی
کے متعلق عرض کیا گیا اب اُن حالات متعلقہ تناسخ پر غور کیجئے کہ جن

کے ساتھ متصف ہونیکے سوا اور ہزاروں اوصاف کمالیہ سے متصف ہے
مثلاً خدا صانع عالم ہے۔ اب مخلوقات اور موجودات کو دیکھکر یہ بحث شروع
ہوجاتی ہے کہ اگر خدا حقیقت میں صانع ہے تو کیا ایسا صانع ہے کہ سب
کچھ بنا سکے اگر جواب اس کا یہ ہو کہ ہاں سب کچھ کرسکتا ہے اور بنا سکتا ہے
چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی خوبصورت سے خوبصورت اور بدصورت
سے بدصورت اچھی سے اچھی اور بری سے بری کل اشیاء کا خالق اور صانع
وہی ہے تو بیشک وہ خدا ہے اور اگر کسی مرتبہ میں اُسکا مجبور ہونا پایا جاتا ہے
تو وہ صانع قدیر نہیں ہے اگر دن اُس کا پیدا کیا ہوا ہے اور رات
بھی اگر اندھا بھی اسی کا بنایا ہوا ہے اور آنکھوں والا بھی۔ اگر وہ پانی کے
کیڑے جو بمشکل خوردبین سے دیکھے جاتے ہیں اُسی خدا کے بنائے
ہوئے ہیں جو ہاتھی اور سانپ اور بڑی مچھلیاں بناتا ہے تو وہ
بیشک خدا ہے اور اگر ایک قسم کی چیزیں بنا سکتا ہے اور اُسکی ضد
نہیں بنا سکتا تو اضداد کے پیدا کرنے کی کسی دوسرے کو قدرت ہوگی
تو وہ خدا معذور ہے اور کسی مرتبہ میں معذور ہونا خدا کو خدا باقی نہیں رکھتا
اِس لئے خداوند عالم کو اپنی کمال صنعت اور قدرت ثابت کرنے کو
ہر قسم کی اچھی بری اشیاء پیدا کرکے دکھانا ضرور ہے آپ اِس وہم
میں ہو کہ کیوں ایک قسم کے سوا دوسری چیزیں بنائیں۔ سب کو مساوی
حالت میں کانٹے کی تول برابر بناتا۔ خدا اس فکر میں ہے کہ میری
معذوری نہ ثابت ہو عقلمندوں کی نظر میں ہر ایک قسم کے اندھے
بہرے۔ لولے۔ لنگڑے۔ مفلس محتاج۔ امیر۔ راجہ۔ آنکھوں کانوں
ہاتھ پاؤں سلامت والے اشخاص پیدا کرنا محض ایک بڑی صنعت

اسلام نے یہ ترقی کی ہے مَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَۃَ فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا اَور مسلمانوں کا معقولات سے گریز کرنا دعوے بے دلیل ہے اپنے عالموں سے مقابلہ کرا دیکھو اگر مسلمان معقولات سے گریز کرتے تو آج کو ہند و معقولات کے نام سے بھی واقف نہ ہوتے اور دوسری قومیں بھی جو آج زمانہ کے علوم حکمت میں اوستاد سمجھے جاتے ہیں جمیع علوم و فنون حکمت سے بے نصیب رہ جاتیں ۔مسلمانوں نے معقولات کی اُسوقت خبر لی کہ دنیا کے پردہ سے مٹ چکا تھا۔ بقول شاعر بےنظیر مولوی حالی

ارسطو کے مردہ فنوں کو جلایا	فلاطون کو زندہ کر پھر دکھایا
ہر اک شہر قریہ کو یوناں بتایا	مزا علم و حکمت کا سب کو چکھایا

گیا ہر طرف پردہ چشم جہاں سے
جگایا زمانہ کو خواب گراں سے

لیے علم و فن اُن سے نصرانیوں نے	کیا کسب اخلاق رومانیوں نے
ادب اُن سے سیکھا صفاہانیوں نے	کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے

ہر اک دل سے رشتہ جہالت کا توڑا
کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا

وہ لقمان وسقراط کے دُرِّ مکنوں	وہ اسرار بقراط و درسِ فلاطوں
ارسطو کی تعلیم سولن کے قانوں	پڑے تھے کسی قبر کہنہ میں مدفوں

یہیں آکے مہر سکوت اُن کی ٹوٹی
اِسی باغِ رعنا سے بُو اُن کی پھوٹی

مسٹر سڈلیو مدرس علم تواریخ ملک فرانس کا قول ہے کہ اسلام یورپ کا اُستاد ہے۔ اسلام نے وہ سامان مہیا کئے کہ جس سے ہماری تاریخیں درست ہوئیں مسلمان ہی صناعی اور دستکاری میں مرتبہ کمال کو پہنچے اسلام والوں نے جونئی باتیں

کو دیکھتے ہوئے۔ ہر ایک عقلمند تناسخ سے انکار کرتا ہے اور اس عقیدے کا مضحکہ اڑاتا ہے۔

بابو۔ وہ کیا باتیں ہیں جو مضحکہ خیز ہیں

مرزا۔ اول تو اس عقیدے کے ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ انسان کسی انسان حیوان کی اُس کی مصیبت کی حالت میں ہرگز مدد نہ کرے دستور ہے کہ بادشاہ وقت کا مجرم یا قیدی ہوتا ہے اُس کو مدد دینا اور قید سے چھڑانا داخل قصور ہے۔ مثلاً زید کو ہند کی کسی عدالت سے کسی سخت جرم میں دس برس کی سزائے قید ہوا اور کچھ دنوں کی قید تنہائی بھی ہو۔ اور خالد رحم کھاکر کسی ذریعہ سے زید پر تعمیل حکم قید نہونے دے اور اُس کو رہا کرنے کی تدبیر عمل میں لاوے تو قانوناً خالد مجرم ہو گا یا نہیں۔

بابو۔ ہاں ظاہر ہے کہ خالد مجرم ہو گا۔

مرزا۔ اسی طرح سمجھو کہ ایک شخص پچھلے گناہوں کی سزا میں مبتلائے مصیبت ہے اگر اسپر رحم کھاکر اُسکی مدد کیجاوئے اور اُسکو اُس مصیبت سے بچانے کی تدبیر کی جاوے تو یہ جرم ہو گا کہ خدا تو چاہے سزا دینا اور ہم چاہیں اُسے سزا سے چھڑانا۔ چنانچہ ایک بار میرے دوست آریہ بیمار ہوے اُنھوں نے چاہا کہ میں اُن کو دوا دوں جو اُن کے علاج میں میرے پاس مجرب تھی مینے کہا کہ میں دوا ہرگز نہ دوں گا ورنہ گناہ گار ہونگا وہ بولے کیوں مینے کہا کہ یہ بیماری آپ کی دراصل آپ کے پہلے جنم کی سزا ہے جس کو پرمیشور پورا کرانا چاہتا ہے۔ جب آپ بھگت لوگے خود اچھے ہو جاوگے میں پرمیشور کے خلاف منشاء آپ کے جلد صحت دلانے کی فکر کیوں کروں۔

اور انصاف دلوں میں ہو تو اب بھی سمجھ سکتے ہو کہ کون اُستاد ہے اور کون شاگرد۔ خود لیکھرام صاحب سے کوئی پوچھتا کہ عربی فارسی وغیرہ کس سے سیکھے ہو مسلمان آج تک کسی ہندو کے کسی علم میں ممنون منت نہیں ہیں مگر صدہا ہندو علوم طب اور منطق۔ صرف و نحو۔ عروض۔ قافیہ۔ تاریخ وغیرہ میں اس وقت بھی مسلمانوں کے شاگرد ہیں اور اس سے پہلے تو ہزاروں شاگرد تھے۔ پھر بھی باوصف اس کے کس مُنہ سے کہا جاتا ہے کہ مسلمان معقولات سے گریز کرتے ہیں۔

بابو۔ اسی سورہ کی آخر آیۃ ہے غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ یعنی سوائے اُن کے جو غصہ کیا گیا اوپر اُن کے اور نہ راہ گمراہوں کی جس کی نسبت لیکھرام صاحب نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمان تناسخ کے قائل نہیں ہیں پس خدا کا کسی کو نعمت دینا اور کسی پر غضب کرنا چہ معنی دارد۔ اس سے نہ اُس کا انصاف قایم رہتا ہے۔ نہ اُس کا رحم اس لیے یہ دعا بہت نقصان رساں ہے اور خدا پر بہتان لگانے والی ہے

مرزا۔ اگر یہ دعا نقصان رساں ہے تو آپ اور لیکھرام صاحب آیندہ خدا سے یہ دعا فائدہ رساں مانگا کیجئے کہ الٰہی ہم سب ہندو آریوں کو اُن کا راستہ دکھلا جس راستہ کو گمراہ اور بدکار اور ہزاروں ناستک چل چکے ہیں یا صاف لفظوں میں اس طرح دعا مانگو کہ تمام چور غارتگر ڈکیتوں کی راہ دکھلا جن پر بادشاہِ وقت خفا یا غصہ ہو چکا ہے۔ یہ دعا آپ لوگوں کو ضرور فائدہ پہنچائے گی۔ اور ضد کے معنی بھی یہ ہی ہیں کہ مخالف کی بہتر سے بہتر بات ہو تو اُس کو بھی ناپسند کرے اور اُس کے خلاف جستجو کرے۔ اور دنیا کے سمجھ دار تو اسی دعا کو پسند کرتے آئے ہیں اور اسی کو فائدہ رساں خیال کرتے رہے ہیں کہ جو قرآن نے تعلیم کی ہے کہ الٰہی اُن نیک لوگوں کا راستہ دکھلا جن پر تو ہمیشہ مہربان رہا اور تیری عنایت اُن کی دستگیر اور شامل حال رہی۔ نہ اُن کا راستہ جو تیری خلاف مرضی راہ چلے اور گمراہ ہو کر تیرے عذاب کے مستحق ہوئے۔ اور مسلمان صرف اسی خدا سزا

[1] بقول کسی کے ؎ جو نکلا جہاز آس کا بچکر بھنور سے ✦ تو تم ڈالدو ناؤ اندر بھنور کے

ایجاد کی ہیں اُن سے اُن کی اُسقدر فضیلت ظاہر ہوتی ہے کہ ہم نے اُس کے موافق
اُن کی قدر نہ کی ۔علم نزک ۔ طب ۔ تاریخ کیمسٹری اور فلاحت جب اُن کا آیا تو اُنہوں نے
اور کمالات اور خوبیاں زیادہ کردیں ۔عرب کے لوگ بہرکیف اب تک ہمارے جملہ فضل
وکمالات کے سرچشمہ ہیں ۔

اسکندر ہملیطہ جرمن کا قول ہے کہ اسلام کو خدا نے دنیا میں اسواسطے پیدا
کیا تھا کہ وہ علوم اور فنون اور اسباب تمدن کو کل قوموں تک پہنچائے ۔

تاریخ وردی کا مصنف وزیر اعظم فرانس لکھتا ہے کہ ایک زمانہ میں یورپ کے لوگ
جہالت کی تاریکی میں سرٹکرا رہے تھے کہ دفعتاً اُن پر اسلام کی جانب سے علوم ادبیہ
اور فلسفیہ اور صناعی کا نور پرتو فگن ہوا ۔ **سیل صاحب** اپنی کتاب کی دفعہ ۱۵۱
میں لکھتے ہیں کہ جب محمدؐ صاحب مبعوث ہوئے تو عرب کے لوگوں نے دو صدیوں میں
ہی بہادری ۔سخاوت ۔عدالت اور خداپرستی اور اخلاق حسنہ کا دنیا کے پردہ پر نشان قایم
کیا **مسٹر طامسن کارلایل صاحب** اپنی کتاب لکچران ہیروز میں لکھتے ہیں کہ
اِسلام گویا تاریکی میں روشنی کے ساتھ آیا ۔

غرض فن جو مایۂ دین و دولت	طبیعی الٰہی ریاضی و حکمت
طب اور کیمیا ہندسہ اور ہیئت	سیاحت تجارت عمارت فلاحت

لگاؤگے کھوج اُن کے جا کر جہاں تم
نشاں اُن کے قدموں کے پاؤگے واں تم

ہوا گو کہ پامال بستاں عرب کا	مگر اک جہاں ہے غزلخواں عرب کا
ہرا کر گیا سب کو باراں عرب کا	سپید و سیہ پر ہے احساں عرب کا

یہ قومیں جو ہیں آج سرتاج سب کی
کنونڈی رہیں گی ہمیشہ عرب کی

مرزا۔ دیکھو الحمد میں حمد کا بیان کس بلاغت سے کیا گیا ہے۔ حمد پر الف لام استغراق کا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ جمیع حمد و ثنا یعنی ازل سے ابد تک جو خدا کی حمد و ثنا ہوئی یا انجیل و توریت و زبور اور چاروں ویدوں میں بیان ہوئی ہے وہ اور جو ان کتابوں میں حمد بیان ہونے سے باقی رہ گئی ہے وہ سب یا جو دوسرے انسانوں نے اپنے طور سے ظاہر یا پوشیدہ مختلف زبانوں میں اور زمانوں میں آج تک کی ہے یا آیندہ کریں وہ تمام حمد حقیقت میں خدا کے لیے ہے نہ کسی اور کے واسطے۔ یہ الف لام تمام دنیا کی اُن کتابوں پر جن میں حمد ہے اور تمام اُن زبان اور دلوں پر جو حمد خدا کے ساتھ زندہ ہیں یا زندہ تھے قبضہ اور احاطہ کئے ہوئے ہے۔ گویا جو حمد وید وغیرہ میں ہے وہ اِس الف لام کے تحت میں ہے یا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیے کہ وہ سب حمد قرآن کی حمد کا ادنے جزو ہے پس اسی پر دوسرے مضامین متعلقہ وید اور قرآن کا موازنہ کر سکتے ہو۔ یہ ہم نے نمونہ کے طور سے صرف حرف الف لام کی تفسیر کی ہے نہ سورۂ الحمد کی اگر کل تفسیر اِس سورۃ کی لکھی جاوے یا جو مناسبت عبارت الحمد کو فطرت اور قانون قدرت اور تعلیم اور تربیت انسان سے ہے یا جو صداقت کی خوبیاں بحیثیت الہام ہونے کے اِس میں ہیں وہ بیان کی جاویں تو ایک دفتر درکار ہو۔ چونکہ ہم کوئی تفسیر لکھنے نہیں بیٹھے کہ سب کچھ بیان کریں نہ مناظرہ میں اس کی کوئی ضرورت ہاں آپ کے تقاضہ سے ایک ادنے نظیر قرآن کی بلاغت اور جامعیت کی بیان کر دی ہے یہ بھی اِسلیے کہ حمد کا حمد سے پنڈت لیکھرام صاحب نے مقابلہ کیا ہے۔ باقی بہت تفاسیر اِن مضامین سے بھری ہوئی ہیں دیکھنا اور انصاف کرنا شرط ہے۔ اور نہ ماننے والوں کا کوئی علاج نہیں۔

بابو۔ لفظ اوُم جو وید میں ہے ایسے ہی گوناگوں وسیع معنوں میں مستعمل ہے کہ جو بیان نہیں ہو سکتے۔

مرزا۔ ایک لفظ کے کروڑوں معنی ہو نہیں سکتے جیسا کہ آپ کا خیال ہے نہ اِس کہنے سے کہ وہ وسیع معنوں میں مستعمل ہے الف لام کا مقابلہ ہو سکتا ہے کیونکہ الف لام حرف ہیں انکا

کو بطور تناسخ اور آواگون کے نہیں مانتے مگر یہ مانتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ عزاسمہٗ اپنے
کمال رحم اور فیاضی سے جس بندہ کی ادنےٰ نیکی یا ادنےٰ عبادت دیکھتا ہے اُس پر بے شمار
عنایت واکرام فرماتا ہے کہ اُس کے خزانہ میں کمی نہیں۔ اور کسی بندہ کو ناحق بلا سبب
جب تک کہ وہ اپنے کو قابل عذاب نہ بنائے وہ عذاب نہیں فرماتا قرآن حمید میں یہ اکثر
جگہ وارد ہے کہ اللہ پاک کسی پر ظلم نہیں کرتا کسی کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود
اپنی جان پر ظلم نہ کرے یا اپنی حالت کو خود نہ بدلے۔ پس اس صورت میں بلا تناسخ
مانے کوئی عقلاً اعتراض نہیں آسکتا باقی اس قسم کے شبہات تناسخ کی مباحثات میں
آچکے ہیں اور خداوند پاک کی صفت رحم تو تناسخ ماننے سے باقی نہیں رہتی نہ کہ اس دعا
کے ماننے سے۔ تناسخ ماننے سے تو یہ ہی سمجھ میں آتا ہے کہ جو کام ہم نے جتنا کیا اُتنے
اُس کے جزا پائے اُس میں خدا کے رحم اور فیاضی کو کیا دخل ہے۔ نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ ذٰلِکَ
بابو۔ اِس تمام سورۂ الحمد سے جو لیکھرام صاحب نے وید مقدس کی عبارت سے مقابلہ
کرکے دکھلایا ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ وید کی حمد بڑھی ہوئی ہے۔
مرزا۔ ہم پنڈت لیکھرام صاحب کی طرح سے خواہ مخواہ ضد کرکے یہ نہیں کہتے کہ جو دعا یا
حمد خداوند پاک کی وید میں مذکور ہے اُس میں کچھ اعتراض یا خرابی یا نقصان ہے بلکہ
خداوند پاک کی حمد جہاں ہو اور جسقدر ہو وہ قابل تسلیم اور تعظیم ہے۔ لیکن پنڈت صاحب
چونکہ الحمد سے مقابلہ وید کا کرکے دکھلاتے ہیں اور اپنی سمجھ میں وہ الحمد سے وید کو بڑھا کر دکھلا
چکے ہیں اس لئے کہا جاتا ہے کہ مقابلہ اور امتحان کا لطف اُس وقت ہے جب دونوں
مضمونوں کو کسی تیسرے شخص کے روبرو رکھا جاوے اور وہ تیسرا وہ ہو کہ کسی مذہب
کی جانب داری عادتاً نہ کرتا رہا ہو اور ضروری علوم سے بہرہ کافی رکھتا ہو ورنہ بیان کرنا
داخل دماغ سوزی ہے۔
بابو۔ آخر کچھ تو کہیے گا۔؟

کیونکہ یہ دعوے نزدیک علما اور عقلا کے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا یہ محض ایک دعوے ہی جسکی
کوئی معقول دلیل نہیں ہے۔

بابو۔ وید میں یہ مدت درج ہے اور اُس کا الہامی ہونا امر یقینی ہے اس لیے کہا جا سکتا
ہے کہ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔

مرزا۔ وید کا الہامی ہونا ہی دلیل کا محتاج ہے۔ ہم کو سختی سے بات کرنا تو سکھایا نہیں
گیا کہ اِس مضمون کو لیکھرام صاحب کی طرح سختی کے ساتھ ناگفتنی الفاظ میں کسی کا دل دکھانے
کو بیان کریں البتہ آدمیت اور راستی سے ہم دونوں امور کو بیان کرتے ہیں اوّل یہ کہ
وید در اصل ایک ارب ۶ ۹ کروڑ برس سے نہیں ہیں جیسا کہ آپ کا دعوے ہے۔ دیکھو
رگوید یجروید میں آدمی کی عمر ۱۰۰ برس کی لکھی ہے۔ رگوید میں یہ بات تیرہ[۱۳] جگہ ذکر کی گئی ہی
ایک مقام پر سوامی جی مہاراج راج بھنا دلی میں راجہ یدہشٹر سے لیکر بیشیال
تک ۱۲۴ پیڑھی لکھتے ہیں اور اُن کی میعاد سلطنت ۴۱۵۷ اُسی جگہ درج ہے اب یدہشٹر
سے لیکر پرورواتک پینتالیس پشتیں ہیں یہ پرورواد ختر اکشواکو ولد منو کا بیٹا ہے۔ پرورواسے
منوجی تک ۳ پشتیں ہوئیں ۳ اور ۴۵ پہلی مجموعہ ۴۸ پشتیں ہوئیں سوامی دیانند جی کے مقولہ
حساب سے بطور اربعہ متناسبہ جب ۱۲۴ پیڑہی کا راج ۴۱۵۷ ہے تو ۴۸ پیڑہی ۱۶۱۸
سال کسر زائد ہوا سلطان شہاب الدین کو جس نے بیشیال[ط] سے سلطنت چھین لی (بقول
دیانندجی) انداز ۷۰۰ برس گزرے۔ یہ سب برس ۴۷۵۶ ہوئے جو ابتدائے آفرینش
سے اب تک گزرے۔ پس جب پنڈت دیانندجی کا حساب ہی یہ برسیں ظاہر کرتا ہے
تو اب ایک ارب چھیانوے کروڑ ۸ لاکھ بانوے ہزار جگت کی اوتپت کو لکھ دینا غلط ہوا
دوسرے مہابھارت کی لڑائی اور یدہشٹر اور کرشن چندر کے زمانہ کو کالند کا پرکاش میں

حاشیہ اِس نام کا صحیح پتہ تاریخ سے نہیں ملتا نام کی غلطی ہے یا تحریر کی غلطی ہے۔

یہ خاصہ ہے جو بیان ہوا اور ۱ دوم لفظ موضوع ہے جس کے معنی محدود ہونا چاہیے ہیں نہ لاتعد

بابو۔ قرآن وید کے مقابلہ میں ایک طفل ابجد خواں ہے جیسا کہ پنڈت لیکھرام صاحب نے لکھا ہے

کیونکہ وید دنیا کی کل مذہبی کتابوں سے پہلی کتاب ہے اور قدیم سے ہے گویا جب سے دنیا ہے

تب سے وید ہیں آریوں کی قدامت اور ویدوں کے قدیم ہونے کو ہر صاحب علم و عقل

جان سکتا ہے اور مانتا ہے۔

مرزا۔ اس طفل ابجد خواں سے جب وید پیر نابالغ کا ہمارے روبرو مقابلہ کرو گے تو معلوم ہوگا

کہ بزرگی بہ عقل است نہ بسال۔ اور وید کے قدیم ہونے کا دعوے محض بے دلیل ہے اسکی

قدامت کو کسی معمولی سمجھ والے نے جانا اور مانا ہوگا نہ کسی صاحب علم و عقل نے۔ ہاں یہ ممکن ہے

کہ پرانی کتاب ہو نہ یہ کہ کروڑوں برس سے۔ اگر کسی صاحب علم نے قدیم مانا ہو تو اس کا

نام بیان کرو۔

بابو۔ لتھرج صاحب اور کالبروک صاحب مورخین نے بھی آریوں اور آریوں کی پستکوں

یعنی ویدوں کو قدیم مانا ہے جیسا کہ لیکھرام صاحب نے تکذیب کے صفحہ ۱۴-۱۵-۱۶ میں ان صاحبوں

کی شہادت سے ثابت کیا ہے اور یہ شہادتیں غیر قوموں کی ہمارے حق میں ہیں۔

مرزا۔ لتھرج صاحب وغیرہ نے کہاں لکھا ہے کہ وید ایک ارب ۹۶ کروڑ برس سے دنیا

میں موجود ہیں دوسرے لتھرج اور کالبروک کو بحیثیت ایک مورخ ہونے کے اگر گواہ

مانتے ہو اور ان کی شہادت پیش کرتے ہو تو وہ گواہ آپ کے کام کے نہیں ہیں وہ آپ کا

دعوے خارج کرا کے چھوڑیں گے ان کا بیان ہے کہ مسلمانوں کی عملداری سے پہلے کا حال

جو کچھ ہندوؤں کا لکھا گیا ہے ان کا ماخذ تاریخ نہیں ہے بلکہ ان کا ماخذ شاعرانہ قصہ کہانی ہے

دیکھو تاریخ لتھبرج صاحب صفحہ ۱۸۔ پس ایسی شہادت پر دعوے کی ڈگری کسی عدالت عظمی

سے نہیں ہوگی۔ اسی طرح سوامی دیانندجی کا یہ لکھنا کہ وید دنیا میں ایک ارب ۹۶ کروڑ

۸ لاکھ ۹۲ ہزار ۹۷۵ برس سے ہیں جیسا کہ وید بھاشی بھومکا میں لکھا ہے خلاف ہے

کہتے ہیں کہ قدیم زمانہ میں آریہ لوگ ۴۰ برس کی عمر تک مجرد رہتے تھے صرف اس لیے کہ وید پڑھیں اور یہ کہ ہر ایک کے لیئے بارہ سال صرف ہوتے تھے۔ سوامی دیانندجی کی یہ بات مان لیتے ہیں کہ ایسا ہی تھا تب یہ گمان ہو سکتا ہے کہ آدمی کی پچاس برس کی عمر میں لڑکا پیدا ہوتا ہوگا۔ پھر اگر اس حساب سے بھی ۱۵ اپشت کے برس نکالیں تو ۷۰۰ سال سے زیادہ نہ نکلیں گے اِس میں زیادہ سے زیادہ دو ہزار اور ملالو جو بکر ماجیت سے اب تک گزرے تو معلوم ہوگا کہ کل میزان آٹھ ہزار بھی نہ ہوگی۔ پھر ان میں ارب کروڑ لاکھوں کی گنجائش کہاں ہے[۱]

اچھا اوپر جو نسب نامہ وغیرہ درج ہوا اس سے قطع نظر کرو ممکن ہے کہ آپ کہیں کہ پیڑیوں میں کچھ غلطی ہو گئی یا یہ کہیں کہ برہماجی کوئی دوسرے اور ہیں جن پر وید نازل ہوئے تھے۔ اِسلیے ہم ایک سیدھے سادھے حساب سے نتیجہ نکالا چاہتے ہیں جس میں کسی تاویل کی گنجایش نہیں ہو سکتی۔

حاشیہ اس اوپر کے نسب نامہ جات اور حسابات کو بغرض اطمینان صحت آخر دسمبر ۱۹۱۳ء میں میں نے ایک خط کے ذریعہ سے سکریٹری صاحب آریہ سماج دہلی صدر بازار کی خدمت میں بھیجا تھا اور لکھا تھا کہ ان میں لفظی معنوی جو کچھ غلطی ہو وہ ظاہر کر کے مجھے اطلاع دیجئے یا کسی واقف کار سے اس کا جواب لیکر مجھے بھیجدیجئے۔ نام اور حوالہ جات میں جو کچھ غلطی ہو یا جو کچھ اس کے خلاف صحیح ہو اُس سے براہ مہربانی مجھے اطلاع دیجئے۔ دو ماہ بعد جب میں سکرٹری صاحب سے ملا تو انہوں نے خط گم ہوجانے کا عذر کیا تو میں نے شیخ نور الٰہی صاحب سابق میونسپل کمشنر دہلی کی موجودگی میں سکریٹری صاحب کو ایک کتاب پر خط کے مضمون کو نوٹ کرادیا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد زبانی جواب طلب کیا تو پندرہ روز کا وعدہ کیا مگر ایک ماہ تک جواب نہ ملا ایک بار درمیان میں یاددہی کی جبکہ سکریٹری صاحب اور احمد مسیح صاحب کا نجات پر سرکی والوں میں مناظرہ تھا آخر مزید انتظار کی گنجائش نہ دیکھکر ۱ مئی ۱۹۱۴ء کو میں نے یہ اوپر والا مضمون طبع کرنے کو دے دیا۔ ممکن ہے

آجکل کے زمانہ تک ۲۳۰۰ برسیں لکھی ہیں۔ برہماجی سے کرشن جی تک ۶۶ پشتیں ہوتی ہیں اگر اوسط درجہ ۲۰ برس میں انسان کا صاحب اولاد ہونا مان لیا جاوے تو ان چھیاسٹھ پشتوں کی ۱۳۲۰ سال میں پیدایش ہوئی اب ۲۳۰۰ کو ۱۳۲۰ کے ساتھ جمع کرو تو = ۴۶۲۰ ہوئے۔ جب سے کہ برہماجی نے دنیا کو پیدا کیا۔ پس ایسی صریح حسابی قواعد کے مخالف بے ثبوت پھر ایک ارب چھیانوے کروڑ ۸ لاکھ بانوے ہزار سال دنیا کی پیدائش کو لکھدینا کیونکر صحیح ہو۔

پنڈت کھڑگ سنگھ کے لکچر نمبر اول صفحہ ۱۰ کو دیکھو کہ جہاں ویدوں کی نہایت قدامت کے بارے میں لکھا ہے کہ آریاؤں کے دعوے اور دلیلوں کی نسبت اتنا ہی کہنا بس ہے کہ وہ تاریخ جو آریہ بتلاتے ہیں خلاف قیاس اور برعکس تواریخ (ہسٹری اتھیاس) کے ہے۔ یہہ تاریخ اس نسب نامہ کے خلاف بیان کرتی ہے جو والمیک جی نے رامائن کی بال کانڈ میں لکھا ہے اس میں بشسٹ جی (رام چندر جی کے گھر کا پروہت) رام چندر جی کی سیتاجی کے ساتھ شادی کے موقع پر (راجہ جنک) رامچندر جی کے خسر کو رام چندر جی کے حسب و نسب بتلاتا ہے اس پر سدانند جی (راجہ جنک کے پروہت) رام چندر جی کے باپ راجہ جرت سے راجہ جنک کا نسب برہما سورج مان اور چندر مان سے بتفصیل بیان کرتا ہے۔ پنڈت کرتک تیرتھ نے اس نسب نامہ پر ایک شرح لکھی ہے اور اس نے اپنی کتاب میں بہت سی قدیم تواریخوں کے حوالے دئے ہیں۔ اس کتاب سے راجہ سوا پرشاد نے اپنی کتاب بنام اتھیاس تمرناسک تالیف کی ہے کرتک تیرتھ بڑے پنڈت گزرے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ برہماجی سے رامچندر جی تک ۵۹ پشتیں ہوتی ہیں اور رام چندر جی سے ستمبر تک ۵۶ پشت اور یہ ستمبر راجہ بکرماجیت کے زمانہ میں زندہ تھا پس برہما سے لیکر ستمبر تک ایک سو پندرہ پشت ہوتی ہیں۔ اب اگر مان لیا جاوے کہ اوسط درجہ آدمی ۲۵ برس کی عمر میں صاحب اولاد ہوتا تو اس حساب سے ۲۸۷۵ برس نکلتے ہیں اس میں وہ سال جو راجہ بکرماجیت سے لیکر اب تک گزرے جمع کئے جائیں تو کل اب تک پورے پانچ ہزار برس بھی نہ ہوں گے۔ پنڈت جی یوں

گنتی بھی نہ ہو سکے ۔ جیسے کہ اسوقت مکھی۔ بھنگوں۔ چیونٹیوں اور دریا کی مچھلیوں کی تعداد معلوم کرنا بوجہ کثرت محال ہے ۔ اسی طرح اگر آپ ایک ارب سے قطع نظر کرکے صرف ۹۶ کروڑ برسوں کی مدت سے ۱۹۱۴ ۔ اور ۳۲ ۱۴۳ سال کا مقابلہ کروگے تو بھی اتنی کثرت انسانوں کی از روے حساب نکلے گی جو موجودہ آبادی دنیا سے بہت زیادہ ہو گی ۔ اس کا جواب اسوقت ہم طلب نہیں کرتے ہمارے دوسرے مطالبات کے ساتھ بعد میں دے دیجئے گا اسوقت تو ہم کو یہ یاد دلانا ہے کہ جو مدت ویدوں کے نازل ہونے کی بیان کی گئی ہے وہ موجودہ انسانوں کی عقل سے باہر ہے اور یہ بھی یاد دلانا ہے کہ آپ نے ایک جگہ فرمایا ہے کہ وہ مذہب سچا ہے جو علوم حکمت سے مخالف نہ ہو یہاں علم حساب جو علم یقینی ہے اور جس کے کل نتائج بدیہی ہیں اُس کے خلاف ویدوں کی مدت ہوتی ہے آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ آریہ صاحبوں کی خوش بیانی اور چرب زبانی اُنہیں چند مسائل میں محدود ہے کہ جو علما سلف کے اقوال سے ملتے جلتے ہوئے ہیں ۔ اور ان مسائل کو آپ نے اپنا مذہب قرار دیا ہے حالانکہ ان مسائل کا اس وضاحت کے ساتھ وید میں کچھ پتہ نہیں ہے ۔ البتہ سوامی دیانند جی مہاراج نے اپنے قدیم مذہب کی بت پرستی سے متنفر ہو کر اس امر کی کوشش ضرور کی ہے کہ ویدوں کو مختلف تاویلوں سے توحید کا سرچشمہ اور بہترین تعلیم کا نمونہ ثابت کریں اور جہاں تک ہو مذہب وید کو حکمت کا جامہ پہنائیں اور علوم مروجہ سے استدلال کرکے اپنے مسلمات کو رونق دیں ۔ مگر چونکہ یہ کام آسان نہ تھا کہ ایک ایسی کتاب سے جو صدہا برس سے ۔ لاکھوں کے ہاتھوں میں چلی آتی ہے اور اُس کے سمجھنے اور جاننے والے ہزاروں ہوں تو بھی بہت لوگ اُس کے واقف کار اور سمجھنے جاننے والے موجود ہیں اُن سب کے خلاف اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ۔ اس لئے سوامی جی کو ہر طرح کی مشکلیں پیش آئیں اور اُن کے بعد اُن کے پیرووں کو مشکلات کا سامنا ہے ۔ جب دعوے پر وید سے دلیل طلب کی جاتی ہے تو آریہ صاحبوں کو ناکامیابی ہوتی ہے ۔ منتر ضرور پیش کرتے ہیں

بابو۔ وہ کیا ہے؟

مرزا۔ آپ بتاؤ کہ ازروئے مردم شماری حال کے آریوں کے ہندوؤں کی کیا تعداد ہے۔ اور دنیا بھر کے مسلمان اور عیسائیوں کی کیا تعداد ہے اور کل دنیا کی انسانی آبادی کسقدر ہے؟

بابو۔ کل عیسائیوں کی تعداد شاید ۵۳ کروڑ اور کل مسلمانوں کی تعداد ۲۲ کروڑ ہے اور ہندو آریوں کی تعداد کا اندازہ ۲۶ کروڑ ہے اور ساری دنیا کی انسانی آبادی شاید ایک ارب سے کچھ زائد ہوگی۔

مرزا۔ اِس آپ کی مبینہ تعداد میں گو کچھ غلطی ہو مگر درچند تعداد کی غلطی تو نہ ہوگی۔؟

بابو۔ ہرگز نہیں۔

مرزا۔ اچھا میں سوال کرتا ہوں آپ حساب کرکے جواب دیں کہ عیسائی جن کی ابتدا حضرت مسیح سے ہے ۱۹۱۴ برس کی مدت میں ۵۳ کروڑ ہوگئے اور مسلمان جن کی ابتدا آپ کے علم میں آنحضرت صلعم سے ہے ۱۳۳۲ سال میں ۲۲ کروڑ ہوئے تو کل آریہ ہندو ۱۹۶۰۸۹۲۹۷۵ میں ۲۶ کروڑ کیوں ہیں۔ یہ تو اِس اتنی بڑی مدت میں اُس بڑی تعداد کے ساتھ ہوتے کہ شمار بھی دشوار ہوجاتا۔

بابو۔ دنیا کی ابتدا آریوں سے ہے اور اب جسقدر مذاہب اور اقوام ہیں یہ سب ہندو آریوں سے بنکر اتنی تعداد کو پہنچی ہیں اور ہندوؤں نے غیر مذہب والوں کو آریہ ہندو بنانے سے انکار کیا اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ آمد نہ ہو اور خرچ ہی خرچ ہو تو ہندوؤں کی یہ تعداد رہ جائے۔

مرزا۔ آپ تھوڑی دیر کو یہ فرض کرلیجیے کہ جسقدر اسوقت دنیا کی آبادی ہے یہ سب ہندو ہیں اِن میں کوئی عیسائی مسلمان۔ جین۔ بدھ مذہب والا نہیں ہے تو بھی آپکے مقولہ حساب سے ایک ارب یا ڈیڑھ ارب دنیا کی آبادی ہے۔ اور رہونا چاہیئے اتنی کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۱۔ کہ کچھ ناموں وغیرہ کی غلطی ہو کیونکہ جن سے حوالہ دیا گیا ہے وہ پرانا مختصر طور لوشتہ ہے۔

گزرے ہیں قائم ہوئے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کی الہامی کتابیں توراۃ انجیل قرآن شریف اور اُن کے پیرو یہودی عیسائی اور مسلمان ہی تواریخی بیان میں راستی پر ہیں اور انہی کے بیانات متعلقہ پیدائش انسان اور وقوع طوفان نوح علیہ السلام بالکل واقعات کے مطابق اور سچے ہیں۔ اور روایات اقوام روئے زمین بھی انہیں کے قول کے مویدہیں۔ دیکھو تاریخ آشوریہ میں درج ہے کہ بادشاہ زسل اتھروس کو خداوند تعالےٰ نے تجلی فرماکر برباد کنندہ طوفان کی اطلاع کی اور اُس کو ایک کشتی بنانے کا حکم کیا جس میں کہ وہ اور اُس کے احباب محفوظ رہ سکیں۔ زسل اتھروس نے اِس حکم کی تعمیل کی جبکہ طوفان ختم ہوا بادشاہ نے بعض پرندوں کو پہلی اور دوسری اور تیسری بار زمین کی خشکی دریافت کرنے کو بھیجا کہ زمین خشک ہے۔ پھر مع اپنے متعلقات کے ارمن کے پہاڑوں پر اُترا اور خداوند کو شکر کی قربانی چڑہائی اور شہر بابل کو از سرنو آباد کیا۔ (دیکھو ٹریژری بائیبل نالج)

چین میں مشہور روایت ہے کہ بادشاہ ناہی کو ایک بڑے طوفان سے مع اُس کے تین لڑکے اور تین عورتوں کے نجات ملی تھی اور اُنہیں سے پھر بنی آدم کی اولاد زمین پر پھیلی (ہارڈوک جلد دوم صفحہ ۱۸)

شمالی امریکہ میں یہ تواریخی روایت ہے کہ کاکس یعنی طیزبے بادشاہ مع اپنے زن وفرزند اور بہت سے جانوروں کے ایک سخت طوفان سے بوساطت ایک کشتی کے نجات یاب ہوا اور جب کاکس نے بہت سے پرند خشکی زمین کو دریافت کرنے کو بھیجے اُن میں سے صرف ہمنگ برڈ (شکرخورہ) سبزی چونچ میں لیکر کشتی میں لوٹ آئے جس سے بادشاہ کو زمین کا خشک ہونا ثابت ہوا پھر وہ کشتی پر سے زمین پر اُتر کر مسکن گزین ہوا جہاں سے سب نسل بنی آدم دنیا میں پھیلی۔ (ہیتس فلاسفی یونیورسل ہسٹری جلد ۱۱۲۲)

ہندوستان۔ برہما نے منوجی کو ایک جہاز بنانے کا حکم دیا جس میں سات نفر مقدس شخص اور تمام قسم کے تخم بحفاظت رکھ لئے طوفان کا پانی ہمالیہ کی بلند چوٹیوں سے اوپر

مگر وہ منتر اور اُس کے الفاظ اُن کے مدعا پر دلالت نہیں کرتے نہ تاویل کی گنجایش ہوتی ہے۔ باہم آریہ اور سناتن دھرم والوں کے اِسی بحث مباحثہ میں ایک دفتر تیار ہو گیا ہے۔ جب آریہ صاحبوں سے کہا جاتا ہے کہ صرف آپ ہی تو دنیا میں سنسکرت زبان کے جاننے والے اور ویدوں کے سمجھنے والے نہیں ہو دوسرے بھی مترجم مفسر ویدوں کے ہوئے ہیں اُن کے اقوال دیکھو تو آریہ صاحب اُن کل لوگوں کو وید کی زبان سے سیاق کلام سے لغت سے صرف و نحو سے بلکہ کل حقیقت ویدے ناواقف بیان کرتے ہیں اب آپ غور کیجئے کہ سب کو ناواقف کیونکر مان لیا جاوے۔ کیا مذہب اور زبان ایسی چیز ہے کہ اگلے تو نہ جانیں اور پچھلے اُس کو جان لیں۔ تمام مذاہب کا دستور ہے کہ اپنے سے اپنے سابقین کو مذہبی واقفیت میں ترجیح دیا کرتے ہیں۔ اِسی طرح زبان کی سند پہلے لوگوں سے لاتے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ بعض عیسائیوں نے جب لغت قرآن پر اعتراض کیے تو مسلمانوں نے زمانۂ جاہلیت کے شعرا کے کلام سے سند لا کر اُن کا اطمینان کیا (زمانۂ جاہلیت سے مراد اسلام سے پہلے کا زمانہ عرب کا)

غرض کہ زبان ایسی چیز نہیں ہے کہ ہم اگلوں سے مخالفت کریں اور اُن کو ناسمجھ اور تنہا اپنے کو زبان کا سمجھنے والا جانیں۔ یا یہ سمجھ لیں کہ سب بے وقوف ہیں ایک ہم ہی عقلمند اور صاحب علم ہیں۔

رگوید پہلی اسٹکا میں جو دعائیں ہیں اُن میں ننو برس کی عمر اور سو جاڑوں کے جینے کی استدعا کی گئی ہے اب آریہ لوگ سمرتیوں کی برسوں کو دیبرس بناتے ہیں۔ حالانکہ اُن میں برسوں کے ساتھ دیپ کا لفظ نہیں لکھا ہے ایک دیپ تین سو ساٹھ برس کا مانا گیا ہے اور اِس طرح ہزار برس متذکرہ منوسمرتی کو ۳۶ لاکھ ۲۰ ہزار کر دیے ہیں آپ مضامین متذکرۂ بالا صریحاً شہادت دے رہے ہیں کہ یہ جتنے سلسلے رائج سلطنت کے روئے زمین پر جاری ہوئے بعد طوفان نوح کے جس کو اب پانچ ہزار برس کم ـ زائد

اور پھر قرآن سے مقابلہ۔

قرآن وہ ہے کہ اُس کی نسبت آنریبل سر ولیم میور صاحب لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی وشمالی اپنی کتاب لائف آف محمدؐ میں لکھتے ہیں کہ دنیا میں غالباً کوئی اور کتاب نہیں ہے جس کی عبارت بارہ سو برس تک ایسی رہی ہو۔ (یعنی محفوظ اور مصئون)

اب بھی اگر دعوے ہے کہ وید کلام خدا ہے تو بیان کرنا چاہئے کہ فلاں سنہ میں فلاں شخص ولد فلاں ساکن فلاں شہر و دیار کو یہ کلام پہنچا پھر اُس شخص سے لیکر آج تک سلسلہ وار سند متصل کے ساتھ اپنے تک بے کم و کاست پہنچا بیان کرو تاکہ یہ بھی معلوم ہو کہ تحریف اور کسی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوئی۔ کیونکہ کسی تمسک و دستاویز کا اُسوقت تک اعتبار ہوسکتا ہے کہ اُس کے کاتب اور کتابت اور سنہ کتابت میں کوئی کلام نہ ہو اور کلام خدا کی تو اُس سے زیادہ یقینی سند ہونی چاہیئے نہ یہ کہ عام سندوں کے برابر بھی وہ نہ ہو اور پھر بھی الہام ہو۔ علاوہ اس کے الہام اور کلام خدا وہی کتاب ہوسکتی ہے جس میں سوائے ذات باری تعؐ کے اور کسی کی پرستش کی تعلیم نہ ہو اگر کلام خدا میں بھی تعلیم پرستش غیر اللہ ہو تو کہنا پڑیگا کہ خداوند پاک خود چاہتا ہے کہ میرے سوا اوروں کو بھی خدا جانکر پوجو۔ غرض باتفاق رائے فریقین الہام میں سوائے توحید کے دوسری تعلیم نہ ہونی چاہیئے۔ اب اسی نظر انصاف سے ویدوں کو دیکھا جاوے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ اُس میں بجائے ایک خدا کے موجودات عالم میں سے اکثر کو خدا کہا گیا ہے۔ اور اُن کو خدا یا۔ بمنزلہ خدا کے مانا گیا ہے۔ مثلاً یہ کہ روح خدا ہے دیکھو اتھرن وید۔ حرارت عزیزی خدا ہے۔ زمانہ خدا ہے۔ آسمان خدا ہے۔ سورج خدا ہے۔ چنانچہ آنریبل ڈاکٹر ھنٹر صاحب اپنی کتاب مختصر تاریخ اھل ھند کے حصہ اول صفحہ ۷۰ میں لکھتے ہیں کہ اندرا برکا دیوتا ہے اِس کے باب میں وید میں ہے کہ تو کل مخلوقات پر غالب ہے بعد اِس کے اگنی یعنی آگ کا دیوتا پھر ماروت یعنی طوفان کا دیوتا پھر اوشش یعنی صبح صادق ہے جو مثل نوعروس کے انسان پر جلوہ گر ہوتی ہے پھر

چڑھ گیا تھا۔ اور منوجی انسان کی نئی نسل کے والدین ہیں۔ (ایضاً جلد اول صفحہ ۱۴۳)

پولینیشیا جزائر بلایا کی فگی قوم ایک طوفان کے متعلق ایک محقق حکایت رکھتی ہے جس میں ایک خاندان مع آٹھ آدمیوں کے بوساطت ایک کشتی کے سلامت رہ گیا تھا اور باقی سب غرق آب ہو گئے (ہارڈوک جلد ۲ صفحہ ۱۵۸)

جنوبی امریکہ والے میکسیکو کے باشندے ایک عظیم الشان طوفان کا نقشہ بنایا کرتے ہیں جس میں ایک کشتی کے اندر ایک آدمی اور اس کی جفت وغیرہ دو ایک ہمراہیوں کو دریا کے پانیوں پر محفوظ دکھاتے ہیں اور اُس میں تھوڑے سے پرندے بھی رکھتے ہیں از کتاب فلکی۔

دوسرے اب ویدوں کے الہامی ہونے کی حقیقت بھی سن لیجیے کہ کیا گت ہے ایسی کتاب کو الہامی کہا جا سکتا ہے یا نہیں اور آفتاب آمد دلیل آفتاب کی کیفیت سے بھی واقف ہو لیجیے۔ دیکھو رسالہ برہم مذہب مطبوعہ ۱۸۶۸ء۔

اکثر محققین اہل ہنود کا بھی بیان ہے کہ سوائے رگوید کے کوئی پرانا گرنتھ نظر نہیں آتا اور سب رگوید سے ایجاد ہوئے ہیں اور چاروں ویدوں کا برہما کے منہ سے نکلنا جو لکھا ہے یہ بات قابل اعتماد نہیں ہے بلکہ سب کے جدے جدے بھاگ جدے جدے رشیوں کے بنائے ہوئے ہیں اور بنانے والوں کے نام بھی جگہ جگہ پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح پر کہ پہلے رشی وقت بے وقت اپنے اعتقاد سے جو باتیں کیا کرتے اُن باتوں کو اُن کے ماتحت لوگ آپس میں وظیفہ کیا کرتے تھے اور وید کے اشلوک بہت روز سے ابتر ہیں بعد ازاں بیاس جی نے تفصیل کی ہے اس واسطے چاروں وید جدے جدے ہوئے انتھے۔ دیکھو منت بودھنی پترکا سبھا پنڈتان تحقیق مذہب ہنود جو بریلی میں قائم ہوئی تھی اور غایت درجہ کی حامی ہنود تھی الخ۔

اب ذرا غور کرو کہ جو کتاب الہام اور کلام الٰہی ہو اُس کی اصلیت میں اسقدر اختلاف

ہماری استت سے پرشن ہو۔ ۳۳ دیوتاؤں کو یہاں لا۔ اے اگنی جیسا کہ تو ہے لوگ تجھے
اپنے گھروں میں محفوظ جگہ میں ہمیشہ روشن کرتے ہیں تو سب کی زندگی کا باعث ہے یہاں
اُس تاویل کی کیفیت بھی معلوم ہوگئی کہ جو کہا جاتا ہے کہ اگنی نام خدا کا ہے حالانکہ ان الفاظ
سے صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ اگنی سے مراد خاص غرض وید کی آگ سے ہے
جو گھروں میں روشن کی جاتی ہے اور دو لکڑیوں کے باہم رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے نہ یہ
کہ خدا۔ کیونکہ یہ صفت خدا کی نہیں ہے کہ وہ گھروں میں روشن کیا جائے اور دو لکڑیوں
کے رگڑنے سے پیدا ہوا اور دیوتاؤں کو لوگوں کی نذریں پیش کرے **معاذ اللہ**
یا ہو۔ یہ کل اعتراضات اُس غلط اور مہمل اور بے قاعدہ اور بے ترتیب ویدوں کے
اُردو ترجمہ پر ہوتے ہیں جو سنہ ۷۲ء میں دہلی سوسائٹی کی اجازت سے لالہ لچھمن داس
مدرس سینٹ سٹیفنز کالج دہلی نے پروفیسر ولسن صاحب کے انگریزی ترجمہ سے
اُردو میں کیا ہے جو بنام نہاد ترجمہ رگ وید کے طبع ہوا اور پروفیسر ولسن صاحب
نے وہ ترجمہ سیانا کے ترجمہ سے کیا ہے۔ اوّل سیانا چارج کا ترجمہ خود ویدک لغات
سے اور برہمن گرنتوں سے در روده مخالف ہے۔ دوسرے میکس مولر اور ولسن صاحب
نے جو اُس ترجمہ کو بھی سمجھنے اور سمجھانے اور دوسری زبان میں اُلٹانے کی لیاقت نہیں
رکھتے تھے۔ قطع نظر آلودگی غرض یا خیال بے جا کے وہ ہی مترجم خود بھی مضامین وید
کی نافہمی اور عدم واقفیت کا دیباچہ میں اقبال کرتے ہیں چنانچہ ترجمہ کے صفحہ ۳۱۵
میں خود ڈاکٹر میکس مولر صاحب نے یہ رائے دی ہے کہ عرصہ ۲۰ سال کے بعد
جو میں نے رگ وید کے منتروں اور شرحوں کے جمع کرنے اور چھاپنے میں صرف
کئے ہیں رگ وید کی اپنے کئے ہوئے ترجمہ کو عوام کے روبرو پیش کرتا ہوں مگر
تاہم ان میں سے تمام منتروں کے ترجمہ کا اقرار نہیں کرتا۔ کیونکہ گو میرے پاس
سانیا چارج کا ترجمہ ہے اور شرحیں اور لغت اور صرف و نحو وغیرہ کی کتابیں موجود ہیں

رہسو ن اور سودیہ اور رایو اور متر اور پو دی سوم کا منشی عرق جو چڑھاوے کے
کام آتا ہے یہ سب خدا ہیں۔ بعد اس کے فرماتے ہیں کہ اور بہت سے دیوتاؤں کا ذکر
وید میں آیا ہے جو شمار میں ۳۳ ہیں جن میں سے گیارہ آسمان پر اور گیارہ زمین پر اور گیارہ
ہوا میں با حشمت و اجلال رہتے ہیں انتہے۔ بلفظہ اور صفحہ ۶۹ میں ہے کہ وید میں بہت
سے ایسے ایسے اشلوک ہیں جن میں ہر دیوتاؤں کو واحد مطلق کی طرح بیان کیا گیا ہے مثلاً
ایک اسلوک اِس طرح پر ہے کہ اے اندر تیرے مرتبہ کو نہ آسمان کے دیوتا اور نہ زمین
کے دیوتا پہنچتے ہیں۔ ایک اور بھجن میں سوم کو آسمان اور زمین کا بادشاہ اور سب پر غالب
کہا ہے ورن کی نسبت بھی یہ مرقوم ہے کہ تو کل آسمان اور زمین کا مالک ہے اور سب
انسانوں اور دیوتاؤں کا بادشاہ ہے انتہے۔ یہ تو مقولہ ایک فرنگ کے مورخ کا ہے
اب خود وید کی عبارت جو نمونہ کے طور ہے دیکھئے منجملہ ۳۳ دیوتاؤں کے ایک اگنی ہے
اُس کی کیفیت ملاحظہ کیجئے اور دیکھیے کہ وید کس کا کلام ہے خدا کا یا آدمی کا اور اگنی سے کون
مدد طلب کر رہا ہے رگ بید کی سنتا استک اول سکت سے تا سکت ۱۱
بطور تلخیص و انتخاب کے اگنی دیوتا کی جو ہوم کا بڑا گرو و کارکن اور دیوتاؤں کو نذریں پہنچانیوالا
بڑا ثروت والا ہے مہا کرتا ہوں۔ یہ ایسا ہو کہ اگنی جسکی مہا زمانہ قدیم اور زمانہ حال کے رشی
کرتے چلے آئے ہیں دیوتاؤں کو اِس طرف متوجہ کرے۔ اے اگنی جو دو لکڑیوں کے
باہم رگڑنے سے پیدا ہوئی ہے اس پاک کئے دیوتاؤں کو لا۔ تو ہماری جانب سے
اُن کا بلانے والا ہے اور تیری پرستش ہوتی ہے۔ اے اگنی آج ہماری خوش ذائقہ قربانی
دیوتاؤں کو اُن کے کھانے کے واسطے پیش کر۔ اے اگنی وایو سورج وغیرہ دیوتاؤں کو
ہماری نذر پیش کر۔ اے اگنی تو منجملہ اور دیوتاؤں کے ایک ہوشیار دیوتا بے عیب ہے
اپنے والدین کے پاس رہتا ہے اور ہمیں اولاد عطا کرتا ہے تمام دولتوں کا تو ہی بخشنے والا
ہے اگنی کا مبارک نام لیکر پکارو جو کہ سب سے پہلا دیوتا ہے۔ اے اگنی سُرخ گھوڑوں کی اور

منشا معلوم کرکے تاویل کرتے اور لفظوں کے مرادی معنی (من مانے) لکھتے اور جس طرح ہوسکتا بت پرستی اور دیوتا پرستی اور قدرتی قوے کی پرستش کو قلم انداز کرکے توحید ثابت کرتے تب آپ کو اُن کا ترجمہ پسند آتا۔ آخر قرآن مجید کا انگریزی میں ترجمہ سیل صاحب نے کیا ہے یا نہیں اُس ترجمہ کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ سیل صاحب نے کسی غرض سے یا آلودگی خیال سے مسائل توحید کو شرک سے بدل دیا۔ جب اُس میں توحید کا جگہ جگہ تذکرہ پایا تو ترجمہ میں بھی اُسی توحید کا بیان کیا اور اگر توحید کا تذکرہ نہ ہوتا تو کیا سیل صاحب خود اپنی طرف سے توحید کے مسائل کو قرآن میں داخل کرسکتے تھے۔

آپ آریہ صاحبوں کو کسی کی نافہمی کی شکایت ہے کسی کی کم لیاقتی کی کسی کی مخالفت کی شکایت ہے مگر اُس الہام ربانی میں جس کو وید کہا جاتا ہے اِس کمی کی شکایت نہیں ہے کہ دراصل خود اُس کتاب میں توحید کی کیسی کمی ہے۔ بلکہ کمی کیسی یہ کہنا چاہیئے کہ بت پرستی کی صریح تعلیم ہے۔ چنانچہ پنڈت دیانندجی صاحب نے جو توحید کے ثبوت میں من مانی تاویلیں کی ہیں اُس کی رد میں منشی پنڈت جوالا پرشاد صاحب مرادآبادی اپنی کتاب دیانند تمر بھاشکر میں ویدوں کی عبارت کو بت پرستی کے ثبوت میں لکھتے ہیں اُسکو ملاحظہ فرمائیے جہاں یجروید کے حوالہ سے لکھا ہے۔

اے مہابیر تم ایشر کے پرتما ہو (یعنی مورت ہو) اِسی طرح شت پت برہمن کو دیکھئے حصہ ۱۱-۱-۶-۱۳ (ایشر نے اپنی پرتما کا نام سمت سر کہا۔ اور رگوید ۲-۶-۲۲-۱ہ۔ اے بھگوان اندر آپ کے رتھ میں دو گھوڑے یا چار یا چھ یا آٹھ دس جتے ہوں اُس میں سوار ہوکر (سوم) جو کسی جڑی کا رس ہے پینے کے لئے آؤ اور جلد آؤ اور کسی سے لڑائی نہ کرو یہ سوم تمہارے واسطے موجود ہے۔ رگوید-۳-۳-۲۰-۶ اے اندر آپ نے اب رس پی لیا ہے اب گھر کو جاؤ چونکہ تمہارے گھر میں اچھی استری ہے اور گھوڑے اور رتھ رکھنے کے مکان ہیں آپ وہاں جاؤ تمر بھاسکر

تو بھی رگ وید میں اکثر ایسے ایسے منتر ہیں کہ جن کے معنی معلوم نہیں ہوتے۔ دیکھو تکذیب صفحہ ۱۶۹۔

مرزا۔ پنڈت لیکھرام صاحب کا یہ قول کہ سانیاچارج کا ترجمہ خود غلط ہے اِس کا ثبوت کیا ہے اور دیانند جی اور لیکھرام جی سے سانیاچارج کو کم مرتبہ علم سنسکرت میں سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں آخر وہ ہندو تھا اور اپنے زمانہ کا عالم فاضل تھا وہ غلط کیوں ترجمہ کرتا اور اُس زمانہ کے فاضل پنڈت اُس کو غلط ترجمہ کیوں کرنے دیتے۔ اور ڈاکٹر میکس مولر صاحب کو آپ کے مذہب کے ساتھ کیا دشمنی تھی کہ وہ دانستہ غلط ترجمہ کرتے اور جب وہ علم سنسکرت کے ماہر تھے اور تمام شرحیں اور لغت اور صرف و نحو کی کتابیں اپنے پاس رکھتے تھے اور سمجھ سکتے تھے تو باوجود اس کے وہ نافہم اور کم لیاقت کیوں ہونے لگے۔ اگر وہ اِسقدر لیاقت سنسکرت کی نہ رکھتے کہ رگ وید کے ترجمہ کو جہاں تک سمجھ میں آسکے صحیح ترجمہ کریں تو ضرور تھا کہ وہ ۲۰ سال کی محنت اُٹھا کر اِس کام کو نہ کرتے۔ بہرحال ترجمہ کرنے کی لیاقت تھی جب ترجمہ کیا۔ اور یہ کہنا کہ اُن کو نافہمی اور عدم واقفیت کا خود اقبال ہے یہ محض دھوکہ ہے وہ یہ نہیں اقبال کرتے کہ میں کسی مقام سے رگ وید کو نہیں سمجھا۔ اِس کہنے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ ترجمہ رگ وید کا وہ کر چکے ہیں وہ بے سمجھے کیا ہے یا اپنے دل سے معنی لگائے ہیں گاہ گاہ ایسا ہوتا ہے کہ کسی کتاب کے کسی خاص خاص مضمون کو مترجم نہیں سمجھ سکتا تو وہ اُس کو بیان کر دیتا ہے پس اِسی طرح رگ وید کے کل ترجمہ کو جہاں تک وہ سمجھ سکے اُنہوں نے اُسے انگریزی کیا جہاں منتر سمجھ میں نہیں آئے اُس کی نسبت دیباچہ میں عذر کر دیا اور اُن کا یہ عذر بھی اِس امر کی دلیل نہیں ہے کہ اُن کو لیاقت نہ تھی بلکہ یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ منتر ہی بطور معمہ کے ہیں کہ وہ لغت اور صرف و نحو وغیرہ جاننے پر بھی سمجھ میں نہیں آتے۔ غرضکہ جو کچھ سمجھ میں آیا اُس کا ترجمہ کیا البتہ یہ نہیں کیا کہ دل و آریوں کا

نہیں ہو سکتے اِن کے ساتھ اور بہت سے جھگڑے ہیں جن کا بیان طول عمل ہے۔ دنیا کی تاریخ ہمکو بتاتی ہے کہ قدیم رومیوں میں۔ مصریوں میں۔ عربوں میں صدہا اِسی قسم کے دیوتا تھے جیسے کہ دیوتا وید مقدس میں موجود ہیں۔ اور ان کو خدا کا مظہر۔ یا خدا کا عنایت یافتہ سمجھکر پوجا جاتا تھا۔ رومیوں کے تو اِن ناموں کی فہرست اور دیوتاؤں کے حالات کو ایک علیحدہ فن قرار دیا گیا ہے جس کو انگریزی میں (رومن مای تھولاجی) کہتے ہیں۔

چونکہ قدیم زمانہ میں یہ ہی دیوتا پرستی کی بلا پھیلی ہوئی تھی کہ خدا کی مخلوق میں جس شے کو عجیب یا زبردست دیکھتے تھے اُسی کو خدا کا مظہر خدا کی قدرت کا خاص نمونہ حاجت روا اور خدا کی جناب میں بارسوخ سمجھتے اور پوجتے تھے اِس لئے ہندوؤں نے بھی پوجا اور کسی کو دیوتا بنانے سے نہ چھوڑا۔

اب ہم لاکھوں زندہ پوجنے والوں کو دیکھیں یا آپ کے معدد مشتق اوستا و یلات کو سمجھیں۔ کیونکر ہو سکتا ہے کہ لاکھوں آدمی جو متداول طریقہ پر دیوتا کی پرستش کرتے ہوئے آج موجود ہیں یعنی ہندو اُن کا قول فعل تو حجت نہ ہو اور صرف سوامی جی کے کہنے کو مان لیا جاوے کہ اگنی بھی خدا کا نام ہے سورج چاند بھی خدا کا نام ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا کو اپنے لئے اور نام نہ ملے جو مخلوق کے ناموں کو اختیار کیا۔ اور جب خدا ہی ملتے جلتے نام اپنے رکھکر لوگوں کو گمراہی میں ڈالے تو آپ توحید کی تعلیم خدا سے زیادہ کیونکر دے سکتے ہیں اور جو بات خدا سے رہ گئی وہ انسانوں کے پورا کئے سے پوری کیونکر ہو سکتی ہے بھلا کون شخص ایسا ہو گا جو خیال کریگا کہ اگنی نام خدا کا ہے جب وہ اگنی کی یہ صفت سنے کہ وہ دو لکڑیوں کے رگڑنے سے روشن ہوتی ہے اور لوگ باگ اُسے اپنے گھروں کے محفوظ حصہ میں روشن رکھتے ہیں۔ کیا خدا بھی دو لکڑیوں کے رگڑنے سے روشن ہوتا ہے اسی طرح دوسرے نام ہیں۔ اور پھر لطف یہ ہے کہ توحید میں قرآن سے مقابلہ کیا جاتا ہے جس نے اِس نام او صفت اور ذات اور عبادت کی مماثلت اور التباس کو وہم کا بھی

صفحہ ۳۲۹ و ۳۳۰ و ۳۲۳ - پھر جوالا پرشاد صاحب کہتے ہیں کہ یہ تو ثابت ہو گیا کہ وید میں مورت کا لفظ ہے اور اُس کے بنانے کا قاعدہ ہے تو جین مت والوں سے بت پرستی سیکھنا غلط خیال ہے - پھر کہتے ہیں کہ جو دیوتا اور رشی ہوئے ہیں اُنہوں نے اِس دنیا کے پہلے جوجگ کیا اُس میں ایشر جگ روپ کی پرتما ہو کر آیا تھا یجروید ادھیاء ۳۱ منتر ۹ - اور اِسی طرح ست پت برہمن میں لکھا ہے - ۱۱-۱-۸-۳ - دیکھو کتاب مذکور

بابو - سوامی جی نے ستیارتھ پرکاش میں صاف لکھ دیا ہے کہ چندر - اندر - پرتھوی - آکاش اگنی - سوریہ - متر - آیو یہ سب خدا کے نام ہیں اُنہوں نے اِن ناموں کے مصدر اور مشتقات تک لکھ دئے ہیں - چنانچہ وہ لکھتے ہیں پرتھوی مصدر پرتھ بمعنی پھیلاؤ سے مشتق ہے چونکہ پرمیشور دنیا کو پھیلا رہا ہے اِس لئے پرتھوی پرمیشور کا نام ہوا اِسی طرح اندر وغیرہ ہر ایک لفظ کے ماخذ اور مشتقات سے بحث کی ہے -

مرزا - سوامی جی کے سمجھانے سے آپ سمجھ گئے کہ یہ سب نام بھی خدا کے ہیں مگر لاکھوں آدمی آپ کے سمجھائے نہیں سمجھتے اس کا کیا علاج کیا جائے - اِس کی تو بالکل ایسی مثال ہے کہ چار سو برس پہلے کی کوئی تاریخ دیکھکر کہے کہ ہندوستان کے بادشاہ کو پہلے تعلقہ دار چوکیدار ضلعدار تھانہ دار سررشتہ دار - وغیرہ بھی کہا جاتا تھا یہ بھی بادشاہ ہی کے نام ہیں اور جہاں کہیں اِن کے ساتھ لوگوں کے معاملات کا تذکرہ ہے وہ سب حقوق اور خدمتیں اور معاملات اصل میں بادشاہ کے ساتھ کئے جاتے تھے اور وہ سوامی جی مہاراج کی طرح یوں سمجھائے کہ (تعلق) اسم ہے اور (دار) داشتن کا امر ہے فارسی کا قاعدہ ہے کہ اسم امر ملکر فاعل ترکیبی ہوتا ہے جس کے معنی تعلق رکھنے والا چونکہ بادشاہ رعایا سے خاص تعلق رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا سے بے تعلق کیونکر ہو سکتا ہے اِس لئے تعلقدار نام بھی بادشاہ کا ہے اِسی طرح تھانہ دار سررشتہ دار چوکیدار وغیرہ سب بادشاہ کے نام ہیں پس سوامی جی مہاراج کے مصدر مشتق بیان کرنے سے یہ نام خدا کے نام

توحید کے بُت پرستی کی بو بھی نہیں پاؤ گے آخر پنڈت لیکھرام صاحب نے بڑی سختی اور تعصب سے کام لیکر قرآن کے مضامین کو بیان کیا ہے مگر بت پرستی باوصف تلاش وہ بھی نہ ثابت کر سکے قرآن کی توحید اور امتناع پرستش غیر اللہ کو ہزاروں جگہ قرآن میں دیکھکر اُن کے حواس بھی منتشر ہو گئے اور لگے علی پرستی۔ تعزیہ پرستی۔ کعبہ پرستی کا بے معنی طعنہ دینے۔ یہ وہ ہی مثال ہے کہ۔ جاٹ رے جاٹ تیرے سر پہ کھاٹ۔ اُس نے کہا۔ کولی رے کولی تیرے سر پہ کولھو۔ اُس نے کہا کہ تک تو نہیں ملا۔ کہا کہ بوجھوں تو مرا غرضکہ خفا ہونا دوسری بات ہے۔ مگر کسی کی مجال نہیں ہے کہ قرآن سے سوائے توحید کے ایک جگہ بھی بت پرستی ثابت کر سکے۔ خواہ صرفی۔ نحوی لغت والا ہو یا ترجمہ والا ہو یا شرح والا ہو۔ یا تفسیر والا ہو۔ اپنا ہو یا کوئی غیر مذہب والا ہو۔ ہاں مگر متوالا یا مت مارا ہو تو علاج نہیں۔ ہم تو جب جانتے کہ کسی مورخ کے قول سے یا کسی مترجم مفسر کے (خواہ وہ انگریز ہو یا ہندو) قول سے قرآن میں بھی بُت پرستی ثابت کرتے آخر انگریزوں کے نزدیک ہندو مسلمان مذہباً برابر ہیں نہ اُن کو ہماری طرفداری نہ تمہاری اور ترجمہ اُنھوں نے دونوں کتابوں کا کیا ہے قرآن کا بھی اور وید کا بھی۔ اور وہ دونوں سے غیر ہیں۔ پس اُن کے قول پر حصر کرو۔ ورنہ دل میں سمجھکر چپ ہو رہو۔

بابو۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ قرآن میں وہ کونسی عمدہ تعلیم ہے جو وید میں نہیں ہے۔ چوری کرنا۔ غیبت کرنا۔ زنا۔ قتل۔ شراب خواری۔ مردم آزاری بت پرستی۔ رہزنی وغیرہ اگر قرآن کی ہدایت کے موافق گناہ ہیں تو وید کی تعلیم میں بھی ان افعال اور اس قسم کے اور افعال کو گناہ ہی بیان کیا ہے۔ اگر صلہ رحمی خدا پرستی۔ عدل و رحم۔ نیک مزاجی۔ ماں باپ کا ادب آداب حاکم وقت کی فرمانبرداری ہر بُرے سے بھلے کو تمیز کرنا۔ قرآن کے نزدیک نیکوکاری سبب نجات ہے تو وید کے نزدیک بھی ثواب اور سبب نجات ہیں بلکہ بہت سی ضرور۔ ی تعلیم ایسی

موقع نہیں دیا قرآن نے تو علاوہ صدہا صاف صاف احکام کے اگر کوئی حکایت بھی بیان فرمائی ہے تو اُس میں توحید کی تعلیم اس طرح دی ہے کہ اگر احکام سے قطع نظر کی جاوے تو اُن قصوں سے آسانی سے سمجھ لیا جاوے کہ کوئی چیز عجیب سے عجیب اور روشن سے روشن بھی خدا نہیں ہوسکتی چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کو کس عمدگی سے بیان فرمایا ہے کہ عام خیال کے موافق اول ستاروں کو حضرت ابراہیم نے خدا جانا۔ پھر اُن سے زیادہ روشن چاند کو دیکھکر خدا کہا۔ پھر آفتاب کی خوبی اور جگمگاہٹ دیکھکر تو بے اختیار کہدیا کہ ھٰذا ربی ھٰذا اکبر مگر چونکہ اُن کو فطرتاً اصول توحید کی تعلیم تھی اِس لئے سورج کو غروب ہوتے دیکھکر فرمایا کہ یہ بلند اور پست ہونیوالے خدا نہیں ہوسکتے اور وہ کلمہ توحید کا زبان پاک پر لائے جس کا جواب ہی نہیں ہوسکتا اور مسلمانوں کو خدا نے سمجھایا کہ تم عجائب پرست نہ ہونا اور ایسے موقع پر اس اصول کو نظرانداز نہ کرنا کہ لا احب الآفلین اور کسی حالت میں نہ بھولنا کہ ملتا جلتا گھٹتا بڑھتا خدا نہیں ہوا کرتا۔ پس بمقابلہ ان ثبوتوں کے وید کو کلام خدا کہنا اور توحید کا اُس سے ثبوت دینا در اصل آپ صاحبوں کی دلیری اور سینہ زوری ہے۔

اب ذرا آپ ہی انصاف کریں کہ وید میں جو تعلیم بت پرستی کی ہے اِس کا ثبوت اِس سے زیادہ اور کیا دیا جاوے۔ اور صرف ایک دیانندجی صاحب کو وید کا سمجھنے والا جانکر تمام متقدمین اور متاخرین پنڈتوں کو وید سے ناواقف کیونکر خیال کر لیا جاوے ہم تمام پنڈتوں سے زیادہ فاضل سوامی دیانندجی کو تو نہیں جان سکتے البتہ یہ ضرور کہیں گے وہ اگلوں کی بہ نسبت زیادہ موحد ضرور تھے اور اُن کو قدیم بت پرستی سے نفرت تھی اور راستی اور خدا پرستی کی جانب مائل تھی اور اِس وجہ سے وہ بہت اچھے تھے مگر دراصل اِس قول میں کلام ہے کہ وید بت پرستی کی تعلیم سے پاک ہے۔ جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔ البتہ قرآن مجید کو اول سے آخر تک دیکھو اُس میں سوائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن اور وید کا مقابلہ

بابو۔ مرزا صاحب آپ کو معلوم ہے کہ ہر ایک مذہب کی صداقت اور حقانیت اُس کی تعلیم پر موقوف ہوتی ہے اگر اُس کی تعلیم سے انسان کی دنیا میں اصلاح حال ہو اور وہ ہی اصلاح حال مرے بعد باعث نجات ہو سکے تو ضرور وہ مذہب اچھا ہے اِس لئے ضرور ہے کہ اُس مذہب کے تمام طریق تعلیم طریق عبادت احکام اوامر نواہی احکام جزا سزا بے نقص ہوں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خدا کا دین اور خدا کا مذہب ست ودیا یعنی خدا کے سچے علم کے خلاف نہ ہو پس اِن باتوں کو مدنظر رکھکر قرآن کا وید سے مقابلہ کیجیے تاکہ معلوم ہو کہ وہ دونوں کتابوں میں سے کس کی تعلیم بے نقص ہے اور کون کتاب منجانب اللہ ہونے پر باعتبار اپنی طرز تعلیم اور اپنی سچائی اور طریق عمل کے گواہ ہے

مرزا۔ یہ باتیں ہمارے ڈرانے کی نظر سے آپ بیان تو کرتے ہیں مگر ایسا نہ ہو کہ آپ کو مشکل پیش آئے ۔ہم ڈرنے والے نہیں ہیں خدا سے چاہتے ہیں کہ مذہب اسلام اور قرآن کا دنیا بھر کے مذاہب سے مقابلہ کیا جائے تاکہ معلوم ہو کہ کون سچا مذہب ہونے کی قابلیت رکھتا ہے۔اِس سے پہلے کہ مقابلہ میں وید کے قرآن کو لایا جاوے یہ شرط آپ سے کرنی ہوگی کہ وقت مقابلہ جو بات بیان ہو اُس کی تائید میں اِدھر سے قرآن کی آیت اور آپ کی طرف سے وید کا منتر پیش ہو زبانی جمع خرچ نہ ہو۔کیونکہ جب دونوں کا مقابلہ ہے تو جو کچھ بھی معرض بیان میں آئے وہ قرآن اور وید سے ہی ثابت کیا جاوے۔اور مہربانی کرکے اِس کا بھی خیال رہے

ہے جو ویدنے کی ہے اور قرآن نے نہیں کی۔

مرزا۔ اگر بقول آپ کے قرآن اور وید تعلیمات اور ہدایات میں ایک دوسرے کے نظیر ہیں تو پھر آپ کا اور آپ کے ہم مذہبوں کا قرآن پر اعتراض کرنا دراصل وید پر اعتراض کرنا ہے اور آپ کا یہ کہنا کہ وید ضروری تعلیمات میں قرآن سے بڑھا ہوا ہے وہ کونسی ضروری تعلیمات ہیں بیان کیجئے۔

بابو۔ مثلاً قرآن میں بڑا حصہ قصص اور حکایات کا ہے جس کو تعلیم سے کچھ علاقہ نہیں ہے اگر قرآن سے قصص اور حکایات علیحدہ کر لیے جاویں تو اوامر اور نواہی کا ایک مختصر حصہ باقی رہتا ہے۔ اور ہدایت نامہ میں قصص اور حکایات ہونا چہ معنی دارد۔

مرزا۔ میں تو آپ سے یہ دریافت کرتا ہوں کہ وہ ضروری کونسی وید میں تعلیم ہے جو قرآن میں نہیں ہے۔ اور آپ جواب میں کہتے ہیں کہ قرآن میں قصہ کہانی زیادہ ہیں اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ اوامر و نواہی میں قرآن مجید وید سے کم نہیں۔ اور قصہ اور حکایات میں وید سے بڑھا ہوا ہے یعنی وید میں اس کی کمی ہے اور قصص اور حکایات اگر داخل تعلیم نہیں ہیں تو آپ مدرسہ[۵۱] میں علم تاریخ پڑھا کر طلباء کی اوقات کیوں ضائع کرتے ہو۔ آخر علم تاریخ کیا ہے اگلوں کے قصے اور حکایات کا مجموعہ ہے اور کیوں گورنمنٹ کو صلاح نہیں دیتے کہ علم تاریخ کو تعلیم سے علیحدہ کر دے۔ شاید یہی وجہ ہے جو ہندوؤں میں شروع سے تاریخ کی تدوین نہیں ہوئی کہ اُس کو ضروری نہیں سمجھا حالانکہ ضروری کام تھا جو فوت ہوا۔ بعض تعلیم یافتہ ہندوؤں کا فی زمانہ یہ خیال ہے کہ تاریخ ہی سے علم و عقل آتی ہے اور ملکی ہوتی ہے چنانچہ منشی دیبی پرشاد صاحب جو ایک لائق ہندو ہیں اپنی کتاب تزک ہند کے صفحہ ۹۴ میں لکھتے ہیں کہ تاریخ پڑھنے سے راجوں کو عقل انتظام حاصل ہوتی ہے۔ اور جو بنظر حقیقت دیکھو تو یہ علم ملکی کا دینے والا ہی بس

[۵۱] معترض مدرسہ کے مدرس تھے۔

کو بمنزلہ کسوٹی سمجھتے ہیں جو شے اِس سے مطابق ہوتی ہے اُسی کو کھرا اور سچا جانتے ہیں۔
یہ ہی وجہ ہے کہ تمام علوم حکمت اور اقوال فلاسفہ کو اور تمام مذاہب کی تمام تعلیم اور احکام کو
کلیتاً برا نہیں جانتے۔ اگر آپ علوم حکمت اور اقوال حکماء کو کسوٹی کھرے کھوٹے کی بناتے ہیں تو
پہلے ان کی تطبیق کیجیئے پھر اپنے مذہب کے ہر اصول کو ان سے مطابق کرکے دکھائیے
خلاصہ یہ ہے کہ مذہب کے اور مذہبی کتاب کے مطابقت حکماء کے اقوال سے نہیں ہوسکتی
الہام امر یقینی ہے اور رائے حکمار کی امر ظنی۔ ہم یقینی کو چھوڑ کر امر ظنی کی پیروی نہیں کرتے
علوم حکمت میں سے وہی علم یقینی ہے جس کی پیغمبروں نے بھی تصدیق کی ہے باقی اختلاف
کا بے معنی دفتر ہے۔ اس اختلاف کو دیکھنا ہو تو حکماء کے اقوال کا مقابلہ کر دیکھو ہیئت میں
نظام بطلوسی فیثاغورثی میں زمین آسمان کا فرق ہے بطلموس زمین کو مرکز عالم کہتا ہے فیثاغورث
آفتاب کو مرکز بیان کرتا ہی۔ کوئی آسمانوں کی تعداد بیان کرتا ہے کوئی سرے سے انکے وجود ہی سے
انکار کرتا ہی کوئی قدیم کہتا ہے کوئی حادث ایک اختلاف ہو تو بیان کریں پہلے حکمار کا اتفاق ہو لینے
دیجیئے پھر کسی مذہب الٰہی کو ان سے مطابق کیجیئے گا۔ آپ لوگوں کی یہ ہی غلطی ہے کہ مذہب کو
بالکل حکماء کے اقوال سے مطابق کیا چاہتے ہو۔ حالانکہ کیسا ہی حکیم ہو سہو و خطا سے پاک نہیں
ہوسکتا کہ لوازم ذات انسانی ہے۔ پیغمبروں کے مقابلہ میں حکماء کو ہم بے حقیقت سمجھتے ہیں
پیغمبر جو کچھ ہدایت کرتے ہیں وہ الہام اور وحی کی بنیاد پر کرتے ہیں اپنی عقل کو دخل نہیں دیتے
یہ ہی وجہ ہے کہ اُن کی تعلیم میں اختلاف اور جھوٹ نہیں ہوتا۔

پاپو۔ اختلاف تو پیغمبروں کے اقوال میں بھی ہے۔ اگر سب متفق القول ہوتے تو مذاہب
میں کیوں فرق ہوتا۔ موسائی۔ عیسائی۔ محمدی علیحدہ علیحدہ طریق کیوں اختیار کرتے۔

مرزا۔ ان مذاہب کا باہمی اختلاف اصول میں نہیں ہے۔ اختلاف سمجھنا محض وسوسہ ہی
آدمؑ سے لیکر محمدؐ رسول اللہ تک جتنے نبی رسول آئے۔ اِن چار اصولوں کے پابند رہے اور
اسی کی تعلیم دی۔ اول توحید دوسرے رسالت تیسرے قیامت چوتھے اعمال اور اُن کی جزا سزا

کہ ثبوت میں جو منتر وید کا پیش کیا جاوے۔اس کے معنی الفاظ صاف طور سے اُس مقصد پر دلالت کرتے ہوں یہ نہ ہو کہ جیسے بعض بزرگ آریہ ریل انجن تار وغیرہ وید سے ثابت کرتے ہیں اور مرادی من مانے معنی لیتے ہیں۔ہم بھی قرآن سے وہ ہی آیتیں پیش کرینگے جن کے الفاظ اور الفاظوں کے معنی اُس مطلب زیر بحث پر صریح دلالت کریں گے۔دوسرے آپ کا یہ جملہ میری سمجھ میں نہ آیا کہ ست ودیا کے خلاف نہ ہو۔اِس سے کیا مراد ہے ؟

بابو۔اس سے میری یہ مراد ہے کہ علم ہیئت ریاضی علم طبعی وغیرہ علوم حکمت کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔

مرزا۔تمام علوم حکمت جو انسانوں کے اقوال کا مجموعہ ہیں ست ودیا نہیں ہے ان میں سے بعض یقینی ہیں اکثر ظنی پس جو امر خود تصفیہ طلب ہے اِس کو مدار کار قرار دینا مذہبی بحث میں غیر ضروری ہے۔کسی مذہب کی صداقت علوم حکمیہ کے مطابقت پر موقوف ہو تو دن میں چار دفعہ وہ مذہب جھوٹا سچا ثابت ہو۔

فلاسفہ کی بلند پروازیاں صرف منطق ریاضی طبعیات وغیرہ تک محدود ہیں۔علم آلہیات اور مابعد الموت میں وہ ٹھوکریں کھاتے ہیں۔

حکماء ماویات اور محسوسات سے زیادہ قدم نہیں بڑھا سکتے اور خود مشاہدات اور محسوسات میں بھی باہم اِن میں اختلاف ہے فلسفہ کی حقیقت اِس سے زیادہ نہیں کہ انسان کے خیالات طبعزاد کا تختہ مشق ہے حکماء میں باہم اختلاف ہے اور ہمیشہ اختلاف رہیگا اور یہ ہی اختلاف ان کے اعتبار کو کھوتا ہے۔کون حالت اختلاف میں اس کا فیصلہ کرسکتا ہے کہ فلاں ٹھیک کہتا ہے اور فلاں حکیم غلط۔ایک پچھلے حکیم صاحب ڈارمن نامی بقاعدہ ارتقا انسان کی ابتدا بندر بیان کرتے ہیں مگر آپ اس کو نہیں مانتے چنانچہ ہمنے خود سوامی دیانند جی کو اس تھیوری کا مضحکہ کرتے دیکھا ہے۔پھر اگر یہ داخل ست ودیا ہے تو اس سے انکار کیوں ہے۔اور اگر یہ اقوال خلاف واقع ہیں تو ان کے ساتھ مطابقت پر اصرار کیوں ہے؟ مسلمان تو شروع سے الہام الٰہی

موعظۃ للمتقین اور کتاب مبین اور شفاء و رحمہ اور شفاء لما فی الصدور
ذکر اور ھذا بصائر من ربکم ھذا بلاغ للناس۔ ما فرطنا فی الکتاب من شئی۔
لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ قرآن مجید۔ وانہ لقرآن الکریم۔
غرضیکہ خود قرآن میں قرآن کی خوبیاں فرمائی گئی ہیں۔ وید میں خود وید کی نسبت کیا کہا گیا ہے
وہ بھی معلوم ہونا چاہیے۔
اب آپ قرآن کی تعلیم سے مقابلہ وید کا کیا چاہتے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ تمام مذاہب او ادیان
میں مذہب کی جان توحید ہے اس کے آپ بھی قائل ہیں کہ جس مذہب میں توحید نہیں وہ مذہب
کیا۔ اسلئے میں کم سے کم اسوقت پچیس آیتیں توحید کی تعلیم میں قرآن سے پیش کرسکتا ہوں۔ اور قریب
قریب اسیقدر آیتیں شرک کی ممانعت میں بھی۔ آپ براہ مہربانی اس کی نصف تعداد کے منتر
توحید کے اثبات اور شرک کے امتناع میں وید سے پیش کردیجئے مگر وہی شرط ہی کہ لفظوں کے
معنی صاف صاف دلالت کریں مرادی معنی نہ ہوں۔ خیر اسوقت تو آپ کیا بیان کرسکتے ہیں آپکو
ایک سال بھر کی مہلت ہے اس مباحثہ میں جہاں کہیں وید کے منتروں کا مطالبہ ہو اس کو پورا
کیجئے گا اور ہم بھی جو کچھ بیان کرینگے تحریری ثبوت قرآن سے دینگے۔

بابو۔ ہم کو معلوم ہے کہ توحید سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ آیتیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں اور
وید میں بھی توحید کی تعلیم کی کمی نہیں ہے ہم بعد میں پیش کرسکتے ہیں۔

مرزا۔ بُرا ماننے کی بات نہیں ہے جو اُمور معرض بحث میں آئے ہیں اُن کی تکمیل ہونا چاہئے ہی
ہم کو توقع نہیں ہے کہ ۱۲ منتر بھی توحید کی تعلیم میں واضح طور سے آپ پیش کرسکیں گے اور مشکل
اس سے زیادہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ شرک کی ممانعت میں ۱۲ منتر بھی پیش ہوں۔ بہرحال۔
ہم دونوں قسموں کی آیتیں وعدے سے زیادہ جمع کر دکھائیں گے اور آپ سے یہ مطالبہ
پورا کرایا جاویگا۔ اس وقت ہم منتر طلب نہیں کرتے پس بڑی تعلیم اور مقدم تعلیم کا تو اس طرح تذکرہ
ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ عبادات کا کیا حال ہے تمام بدنی اور مالی عبادتوں کو اسوقت بیان نہیں کرتے

اِن اصولوں میں کوئی نبی مختلف القول نہیں ہوا۔ اور اِن چاروں اصولوں کے تحت میں ہی تمام دنیاوی اور دینی تعلیم ہے۔

اور جن اُمور کو آپ اختلاف کہتے ہیں وہ اختلاف ہر امت کے مناسب حال احکام میں ہے۔ نہ اصول میں۔ مثلاً علم طب کو لیجئے۔ اگر کسی حکیم حاذق کو آپ دیکھیں کہ وہ کسی بیمار کو کچھ دوا دے رہا ہے کسی کو کچھ۔ اور غذا میں کسی کو کھچڑی بتاتا ہے کسی کو ترکاری۔ تو کیا اس اختلاف احکام کو کہ جو بیماروں کے مناسب حال ہیں دیکھکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصول طب میں اختلاف ہے ہرگز نہیں۔ اسی قسم کا اختلاف مذاہب میں ہے ورنہ بتائیے کہ کون مذہب توحید کے خلاف ہوا کس نے رسالت سے انکار کیا۔ کس نے قیامت کو نہ مانا۔ کس نے افعال اور اعمال کی جزا سزا کو ضروری نہ جانا۔ پس جس روز سے انسان کی پیدایش ہوئی الہام شروع ہوا وعلم آدم الاسماء کلھا خوراک لباس پرورش اولاد کے ساتھ تمام ضروریات زندگی کی انسان کو تعلیم دی گئی اور جوں جوں انسان کی کثرت ہوتی گئی اور اسباب تمدن ومعاشرت بڑھتی گئی اور باہمی تعلقات اور مراسم میں اضافہ ہوا اُسی مناسبت سے سلسلہ الہام کا اور الہام سے تعلیم کا جاری رہا نوبت بایںجا رسید کہ ایک مکمل دستورالعمل کی صورت میں یہ قرآن نازل ہوا جس کی ہر ایک بات سے آپ کے وید کا مقابلہ ہونے والا ہے۔ اِس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر اصل مطلب کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کا منشا ہے قرآن کا وید سے مقابلہ ہو۔ پہلے تو نام کا نام سے مقابلہ کیجئے۔ قرآن مصدر ہے مصدر بمعنی مفعول پڑھنے کی چیز جسکو پڑھا جاوے یعنی اِس کتاب کے موجود ہوتے ضرورت نہیں کہ دوسری کتاب کو پڑھا جاوے یہ ہی پڑھنے اور عمل کرنے کی چیز ہے یہ ہی سارے دینی ودنیوی مقاصد انسان کے پورا کرنیوالی ہے اِسی کتاب سے معرفت الٰہی روحانی برکتیں حاصل ہوتی ہیں یہ ہی کتاب ظلمت جہالت اور توہمات باطلہ سے آدمی کو روشنی میں لاتی ہے۔ قرآن کی تعریف خود قرآن میں موجود ہے کہیں ہے ذٰلک الکتاب لاریب فیہ کہیں فرمایا تبیان لکل شئ کہیں فرمایا

دوسرے خدا کی عظمت اور اپنی عاجزی اور خاکساری کو خوش بیانی سے ظاہر کرنا تیسرے اُس خاکساری کی حالت کے موافق اعضائے بدنی میں آداب کا استعمال۔ نماز تمام عبادتوں کا مجموعہ ہے نماز میں تمام اعضا اور تمام قوائے اپنی اپنی خدمت ادا کرتے ہیں گویا کل حواس اور اعضا نماز میں مصروف ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ سب سے بڑی تعظیم خداوند تعالےٰ کی یہ ہے کہ انسان خاکساری سے خدا کی عظمت اور برتری کو خیال میں لاکر اپنا سر جو عام حواس کی جگہ اور تمام کمالات کا سرچشمہ ہے اور بہ لحاظ عظمت اور بزرگی کے سب اعضائے بدنی سے بزرگ تر ہے خدا کے روبرو خاک پر رکھدے اور ناک اور پیشانی کو زمین پر رگڑے اگر مسلمان شہنشاہ ہے جس کے روبرو سب جھکتے ہیں وہ بھی نماز میں اپنا سر خاک پر رکھتا ہے تاکہ وہ خود بھی خیال کرے اور اُسے دیکھکر دوسرا بھی خیال کرے کہ خداوند تعالےٰ بہت بڑی عظمت والا معبود حقیقی ہے۔

یہاں ایک بات اور قابل خیال ہے کہ مسلمانوں کے بادشاہ کو حالت نماز میں سب کے ساتھ مساوات کا درجہ برتنا پڑتا ہے یعنی بجائے خود وہ بادشاہ ہے مگر مسجد میں آکر اپنے حفظ مراتب کو بالائے طاق رکھکر ایک مسلمان خاکروب کے برابر کھڑے ہونے سے انکار نہیں کرسکتا اگر سلطان ٹرکی ہے یا شریف مکہ مجال نہیں کہ کسی فقیر کو اپنے برابر نہ کھڑا ہونے دے یا کسی دھوبی لوہار۔ کمہار کو اپنے روبرو والی صف میں نہ دیکھ سکے۔

عبادت تو آپ کے ہاں بھی ہے اور دوسرے مذاہب میں بھی مگر دن رات کے چوبیس گھنٹہ میں فرضیت کے طور سے پانچ مختلف اوقات کی کوئی عبادت نہیں ہے۔ اگر عبادت خاص اوقات میں پانچ وقت کی ہو تو وید سے ثبوت درکار ہے کیونکہ یہاں تعلیم سے بحث ہو رہی ہے جب خدا معلم ٹھہرا تو کل تعلیم اُسی کے حکم سے ہونا چاہیئے نہ اپنی تجویز سے۔

بابو۔ بے حضوری قلب نماز پڑھنا بہتر ہے یا خاموشی سے یکسو ہو کر دھیان کرنا بہتر ہے؟

مرزا۔ مسلمانوں کی نماز اگر بے حضوری قلب ہو تو بھی مذکورہ بالا ظاہر باتیں کیا کم اثر ڈالتی ہیں

صرف جو عبادتیں فرض ہیں اُنکا بیان ہے اوّل نماز دوسرے زکوٰۃ تیسرے روزہ چوتھے حج۔ سب سے اول نماز پانچ وقت کی ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کے ہاں بھی سنجی وغیرہ رات دن میں ایک دو بار۔ دھیان کرنا کچھ جپ کرنا لازم کیا گیا ہو مگر چوبیس گھنٹہ میں خورد و کلاں امیر غریب بیمار تندرست مسافر مقیم کے واسطے پانچ وقت کی عبادت فرض نہ ہوگی اگر ہے تو وید سے ثبوت درکار ہے۔ اب رہا یہ امر کہ نماز کیا چیز ہے اور حقیقت میں کوئی اچھا طریق عبادت ہے یا کیا اس پر غور کرنا ضرور ہے۔ نماز کے واسطے شرط مقدم ہے کہ بدن پاک ہو لباس پاک ہو جگہ پاک ہو نماز سے پہلے وضو کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور وضو سے پہلے پاک پانی کی تلاش ہوتی ہے وضو میں وہ تمام حصے بدن کے جو ہر وقت کھلے رہتے ہیں اور گرد و غبار سے آلودہ ہوتے ہیں اُنکو صاف کیا جاتا ہے اور اچھی طرح دھویا جاتا ہے دانتوں کے میل دہن کی بو مسواک سے دور کی جاتی ہے۔ پھر جامہ اور جگہ پاک کی تلاش ہوتی ہے۔ دل کو تمام دنیاوی خیالوں سے پاک کیا جاکر نماز شروع کی جاتی ہے۔ نماز کیا ہے۔ خدا کے ساتھ اپنے تعلقات زندگی کو تازہ کرنا اور اپنے قواے بہیمیہ کے خلاف اپنے قواے ملکوتی کے قوی رکھنے کی سعی کرنا اور دنیا کی شان و شوکت سے مرعوب نہ ہو کر انسانی زندگی کو روحانی و مادی دونوں حیثیتوں سے بہترین نمونہ سعادت بنانے کے لئے حسن توفیق کا طلبگار ہونا گویا بندہ کے واسطے نماز درگاہ ایزدی میں ذریعہ حضوری ہے۔

نماز انسان کی زندگی کو پاک کرنے والی شریفانہ کیرکٹر بنانے والی اور تہذیب نفس تزکیۂ قلب کرنے والی چیز ہے۔ نماز تمام بداخلاقیوں سے اور برائیوں سے روکتی ہے۔ نماز میں تین خصلتیں ہیں اوّل خلوص دوم خوفِ خدا سوم یادالٰہی۔ خلوص کا فعل یہ ہے کہ وہ نماز پڑھنے والے کو نیک کام کا حکم دیتا ہے خوف خدا اُسے بدی سے روکتا ہے اور یادالٰہی سے قرب حاصل ہوتا ہے۔

اسکو یا اس طرح سمجھو کہ نماز میں اصلی امور تین ہیں اوّل خدا کی بزرگی اور جلال دیکھکر دلی عاجزی

بابو۔ قرآن میں ہے کہ نماز بُرائیوں اور فحش باتوں سے باز رکھتی ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمان نماز بھی ادا کرتے ہیں اور خدا جانے کیا کیا کرتے ہیں۔

مرزا۔ بیشک اِس سے ہم انکار نہیں کرتے کہ بعض نمازی مکروہات میں مبتلا ہوتے ہیں مگر خدا کے قول پر اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ اسقدر تو آپ کو بھی اقرار کرنا پڑیگا کہ اہل ظاہر کو نماز ظاہری ناپاکی سے ضرور بچا دیتی ہے اور یہ کیا کم بات ہے باقی جو نماز کو نماز سمجھکر پڑھتے ہیں اُنکو ظاہرے باطنی خرابیاں لاحق نہیں ہوتیں اُن کو بُرائیوں سے ضرور نماز محفوظ رکھتی ہے۔ اِسلئے کہ جو عادتاً نماز پڑھتے ہیں اُن کی اصلاح باطنی دیر سے ہوتی ہے۔ اور جو عبادتاً نماز پڑھتے ہیں اُن کی اصلاح حال ظاہری و باطنی دونوں جلد جلد ہوتی ہے۔ تجربہ اِس کا شاہد ہے کہ بے نماز کی بہ نسبت نمازی سے بُرے افعال بہت کم وقوع میں آتے ہیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ نمازی بھی مکروہات میں مبتلا ہوتے ہیں یہ خود اِس امر کی دلیل ہے کہ نسبتاً نمازیوں سے بُرے کام کم ہوتے ہیں

بابو۔ یہ کس طرح؟

مرزا۔ ذرا غور کیجیئے گا تو میرے خیال کی تائید کیجیئے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ دھبہ سفید کپڑے پر ہی بُرا معلوم ہوتا ہے اور وہ دھبہ خواہ کسی قدر چھوٹا اور بے حقیقت ہو تو بھی نظر اُس پر پڑتی ہے یہی وجہ ہے کہ نمازی کا ہر ادنے بُرا فعل مشہور ہو جاتا ہے کیونکہ شہرت اِسی امر کی زیادہ ہوتی ہے جس کے وقوع کی توقع نہ ہو یا عادتاً جس سے جو کام نہ ہوتا ہو اور پھر اُس سے ظاہر ہو تو موجب شہرت ہے۔ مثلاً بازار میں ہزاروں برہنہ پھرتے ہیں خیال بھی کسی کو نہیں ہوتا اگر مہذب شریف مالدار آدمی سر برہنہ بھی بازار میں نکلے تو تماشہ ہو جائیگا چہ جائیکہ بدن سے ننگا۔

بابو۔ اچھا زکوٰۃ میں کیا نئی بات ہے جو قابل فخر ہو سکے خیرات کی تو ہر مذہب میں ضروری تعلیم ہے۔

مرزا۔ نئی بات یہ ہے کہ زکوٰۃ مسلمانوں پر فرض ہے اور دوسرے مذاہب میں خیرات بمنزلہ فرض کے نہیں۔ ممکن ہے کہ دوسرے مذہب والا بخیل ہو کر ایک پیسہ بھی اپنے مال میں سے

اور اگر چپ خاموش بیٹھکر دھیان گھر کے کاروبار میں ہو تو دھیان کرنے والوں کی دونوں خوبیاں ندارد ہوں نہ ظاہری نہ باطنی۔

جو بزرگ اور متقی اور پاک طینت ہیں اُن کی نماز بے حضوری قلب نہیں ہوتی بہت مسلمانوں کو حالت نماز میں اسقدر بیخودی اور استغراق ہوتا ہے کہ سخت سے سخت تکلیفِ بدنی کو محسوس نہیں کرسکتے۔ چنانچہ ایک بزرگ کی ہڈی میں تیر لگا اُس کا نکالنا شدتِ تکلیف کے خیال سے اُن کی حالت نماز میں تجویز کیا گیا اور آخر تیر نماز میں نکلا اور تکلیف معلوم نہ ہوئی ممکن ہے کہ ادنے اعلےٰ سب حضوری قلب کے ساتھ نماز نہ پڑھتے ہوں مگر جسقدر ظاہری ارکان نماز ادا ہوتے ہیں وہ ضرور اس امر کے شاہد ہیں کہ بندہ اپنے خدا کے سامنے خاک پر سر رگڑ رہا ہے اور اپنے ہر فعل داخل نماز سے ثابت کر رہا ہے کہ وہ خود ذلیل ہے اور جسکے روبرو کھڑا ہے وہ ضرور کوئی بہت بڑی ہستی ہے یہ فائدہ نشست چپ چاپ میں نہیں بخلاف نماز کے کہ اُس میں ہر ایک شخص اپنے درجے اور استعداد کے موافق نماز سے فائدہ حاصل کرسکتا ہے اور دیکھکر دوسرے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اخبار میں پڑھا ہوگا کہ اول دفعہ جو عید کی نماز لندن میں ہوئی تو دیکھنے والوں کے دل پر عجیب اثر ہوا۔ دوسرے یہ بڑی بات ہے کہ نماز ہی مسلمان اور غیر مسلمان میں فرق کرتی ہے۔ یہ اِس قسم کی عبادت ہے کہ دوسری کسی مذہب کی عبادت سے نہیں ملتی۔ ممکن ہے کہ ایک ہندو اور مسلمان فقیر آنکھ بند کئے خدا کا نام جپ رہے ہوں اور نہ پہچانے جاویں مگر نماز سے صحیح طور سے پہچانا جانا مسلمان کا ضروری ہے مسلمانوں میں ہزاروں ایسے ہیں کہ وہ نماز میں تجلیات خداوندی کو دیکھتے ہیں گویا خدا کو دیکھتے ہیں۔ اور اکثر ہماری طرح ایسے بھی ہیں کہ حالت نماز میں گو خدا کو نہ دیکھیں مگر یہ جانتے ہیں کہ وہ ہم کو دیکھ رہا ہے کیونکہ ہمارے ہادی نے فرمایا ہے کہ تم کو چاہیے کہ تم خدا کو نماز میں دیکھو اگر یہ نہ ہوسکے تو یہ تو ہو کہ وہ مجھکو دیکھ رہا ہے۔ اِسی ایک تعلیم کا جواب نہیں ہوسکتا انصاف شرط ہے۔

چنانچہ نماز تو فرض ہی ہے مگر جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کرنا بھی فرض ہے۔ تمام شہر والوں کو حکم دیا کہ تم ہفتہ میں ایک بار جامع مسجد میں جمع ہوا کرو شہر کے گردونواح والوں کو حکم دیا گیا کہ عیدگاہ میں ایک سال میں دو بار جمع ہوا کرو۔ سارے عالم کے مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ کم سے کم ایک بار تمام عمر میں بیت اللہ میں جمع ہوا کرو۔ اب اگر تمام انجمنوں اور کلب گھروں اور کانفرنسوں اور مجالس قومی کا یہ نتیجہ ہے کہ انسان کے باہمی اغراض اور مشکلات کا حل وعقد ہو اور ایک دوسرے سے ملکر باہمی تبادلہ خیالات سے فائدہ حاصل کریں تو اسلام میں اِس فائدہ کے حاصل کرنے کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ غیر مذہب والے اِس یکجائی کو غفلت سے نہ اختیار کریں مگر مسلمان اِس سے محروم نہیں رہ سکتے۔

روزہ کے فوائد سے آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ تمام حیوانی خواہشات کو کم کرتا ہے اور مادی اور حیوانی قوے کو ضعیف کر کے ملکوتی اور روحانی قوت کو دل و دماغ میں بڑھاتا ہے جو اکثر روزہ رکھتے ہیں اُن سے عام طور سے گناہ کم ہوتے ہیں کیونکہ روزہ دار کی طبیعت لہو لعب کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ یہ عبادت تجربہ سے مفید ثابت ہوتی ہے نہ بیان سے جیسے کم کھانا اور پیٹ بھر کر کھانا بہ لحاظ نفع نقصان کے تجربہ سے اچھا بُرا معلوم ہوتا ہے۔

اب دوسرے احکام قرآنی پر نظر کیجئے جن کو اوامر نواہی کہا جاتا ہے جن کا آپ بھی مطالبہ کر رہے ہیں اور وہ تمام تعلیم اور تربیت انسان سے متعلق ہے اگر کسی مذہب میں فقط اوامر ہیں اور نواہی نہیں ہیں تو بھی تعلیم ادھوری ہے مثلاً خدا کو ایک جاننا اور صفات ذاتیہ میں کامل ماننے کا حکم ہو اور ساتھ اُس کے شرک سے بھی روکا گیا ہے اور شرک سے روکا ہی نہ گیا ہے بلکہ عذاب سخت کا ڈراوا ہو تو بیشک تعلیم مکمل ہے ورنہ ناقص ہے۔ اِسلئے کہ موحد ہو کر مشرک بھی ہو سکتا ہے۔ اِس صورت میں دونوں قسم کے احکام کی ضرورت ہوگی۔

کیونکہ جزا کا تعلق جس طرح خاص اوامر سے ہے سزا کا تعلق خاص نواہی سے ہے جیسے جزا کی طرف رغبت اور توقع ثواب ہے۔ ایسے ہی سزا سے نفرت اور ڈر ہے۔ اب میں یہ بیان کے

خدا کی راہ میں نہ دے تاہم وہ اُس مذہب کی عدالت میں مجرم نہیں ہو سکتا مگر مسلمان مسلمان رہکر اگر چالیسواں حصہ اپنے مال کا آنہ پائی سے خدا کی راہ میں بارہ ماہ گزرنے پر نہ ادا کرے تو قابل سخت سزا ہے یہاں تک کہ قتل کیا جا سکتا ہے اگر انکار کرے۔ چنانچہ پہلے خلیفہ اسلام کے زمانہ میں اِس کی ایک عملی مثال قایم ہو چکی۔ پس غور کیجیے کہ مسلمان بخیل ہو کر بھی چالیسواں حصہ کم سے کم اپنے مال کا ضرور دیگا اور غیر مذہب والا اپنے مال سے زیادہ سے زیادہ چالیسواں حصہ فیاض ہونے پر بھی نہ دے تاہم کوئی قانونی مواخذہ اُس سے نہیں ہو سکتا کیونکہ فرض نہیں ہے۔ اب ہم علاوہ زکوٰۃ کے فرضیت کی ایک آیت قرآن کی پیش کرتے ہیں آپ بھی کوئی وید کا منتر اِسی مضمون کا پیش کیجیے۔ اور ہم آج منتر کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ جب چاہے تلاش کر کے پیش کر دیجیے گا۔ فرضیت زکوٰۃ کے متعلق آیات تو قرآن میں علیحدہ ہیں عام تعلیم خیرات پر نظر کیجیے۔

"والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ"

"فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی"

"بھا جباھھم وجنوبھم" الخ

یعنی جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور راہ خدا میں اُسے نہیں خرچ کرتے اُن کو عذاب سخت کی خبر دی قیامت کے دن اُن کی پیشانیاں اور پہلو اُسی سونے چاندی سے جہنم کی آگ میں تپا کر داغ دئے جائیں گے۔

اب رہا حج یہ عبادت کی جگہ تو عبادت ہے باقی اِس سے ہزاروں وہ فائدے ہوتے ہیں جو آج اِس روشن زمانہ میں اُن سے سوسائٹی کی شکل میں۔ کلب گھر کی صورت میں۔ کانفرنس کے نام سے۔ مجلس اور انجمن کے پیرایہ میں فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ انصاف کرو کہ آج سے بارہ تیرہ سو برس پہلے ہی ہادی اسلام نے منجانب اللہ ضروریات زندگی انسانی کو محسوس کر کے سکھوایا تھا کہ ایک محلہ والے پانچ وقت محلہ کی مسجد میں جمع ہوا کریں۔

کیونکہ اگر شرک جیسی بُرائی سے وید اور قرآن نے نہ ڈرایا تو وہ قانون کیا اور توحید جیسے مسئلہ کی تاکید نہ ہو تو وہ تعلیم کیا۔ قرآن کے مقابلہ میں یہ دونوں قسم کے احکام اُسی کثرت سے وید میں ہوں یا اُس کے نصف ہوں جو قرآن میں ہیں تب لطف تعلیم ہے۔

مہ۲ غرور کی ممانعت ہو
مہ۳ ماں باپ کی نافرمانی کی ممانعت ہو
مہ۴ زنا کی ممانعت ہو
مہ۵ قتل کی ممانعت ہو
مہ۶ پرایا مال کھاجانے کی ممانعت ہو
مہ۷ شراب خوری کی ممانعت ہو
مہ۸ قمار بازی کی ممانعت ہو
مہ۹ غیبت کی ممانعت ہو
مہ۱۰ ظلم کی ممانعت ہو
مہ۱۱ جھوٹی گواہی کی ممانعت ہو
مہ۱۲ یتیم کے مال کھاجانے کی ممانعت ہو
مہ۱۳ اکڑ کر چلنے کی ممانعت ہو
مہ۱۴ چوری کی ممانعت ہو
مہ۱۵ سخت کلامی و دشنام دہی کی ممانعت ہو
مہ۱۶ دھوکہ دہی ضرر سانقصان سا کی ممانعت ہو
مہ۱۷ چغل خوری کی ممانعت ہو
مہ۱۸ تہمت اور عیب لگانے کی ممانعت ہو
مہ۱۹ جھوٹ بولنے کی ممانعت ہو
مہ۲۰ بددیانتی کی ممانعت ہو
مہ۲۱ بدنیتی کی ممانعت ہو
مہ۲۲ خلاف وعدے کی ممانعت ہو
مہ۲۳ نقض عہد کی ممانعت ہو
مہ۲۴ دنگا فساد کی ممانعت ہو
مہ۲۵ بغاوت کی ممانعت ہو
مہ۲۶ بیوی بچوں کے ساتھ بدسلوکی کی ممانعت ہو
مہ۲۷ محلہ والوں کے ساتھ بدسلوکی کی ممانعت ہو
مہ۲۸ کیا اشیاء خورنی انسان کے واسطے حرام ہیں اُن کی تفصیل وید سے ہونا چاہیئے۔

مہ۲۹ کون کون سی عورتیں کنبہ کے مرد پر حرام ہیں جن سے مرد کا جماع ہونا ممنوع ہے یا کوئی کلیہ ایسا ہو کہ جس کے تحت میں محرمات ہوں اور وید سے اِس ضروری امر کو نہ تمیز کرایا جاوے تو دوسرا چارہ کار کیا ہے یہ بیان ہو اور خدا ایسی ضروری بات کی کیوں تعلیم نہ دے اِس کی وجہ بیان ہو۔

بعد ایک فہرست نمبروار احکام قرآنی کی وہ بھی[1] صرف نواہی کے پیش کرتا ہوں آپ بھی یکایک
ممانعت کو وید کے منتروں سے ثابت کر دیجیے جس سے ہم معلوم کر سکیں کہ جو کام بُرے ہیں اور
قابل سزا ہیں اُن سے ہم کو فلاں حکم کے ذریعہ سے منع کیا گیا ہے اُسی حالت میں ہم گناہ سے باز
رہینگے اور ہماری حالت میں بہتری پیدا ہو گی ورنہ دوسرے مذہب کی دیکھا دیکھی اگر کسی مذہب
والے نے جانا کہ فلاں کام برا ہے اور قابل سزا ہے تو اسے اپنے مذہب کی تعلیم پر خوش نہ ہونا
چاہیئے۔ میں ذیل کے اُمور کو فی الحال ایک فہرست کی شکل میں نمبروار درج کرتا ہوں
کسی اور موقع پر اِن اُمور کو قرآن کی آیتوں کے ساتھ واضح طور سے قلمبند کر کے دکھلاؤنگا
آپ بھی مہربانی کر کے ہر ایک بُرائی کے مقابلہ میں ممانعت کا حکم وید سے نقل کیجیئے۔ کمی
بیشی کو دیکھ لیا جاویگا اور انصاف کرنے والے انصاف کریں گے اور اگر کل ذیل کی باتوں
کو میں قرآن سے اور آپ وید سے نہ ثابت کر سکیں گے تو نقصان تعلیم ہے۔ اور جب
خدا ہی درست طور سے تعلیم نہ فرما سکیگا تو اور کس سے توقع ہو گی میں نے نواہی کو اسلیے
بھی اختیار کیا ہے کہ اِن کاموں کے بُرا ہونے میں ہم کو آپ کو اتفاق ہے اور سارے
جہان کو اتفاق ہو گا۔ اور اِن اُمور کو جن کے کرنے کا حکم ہے اس لیے نہیں بیان کیا گیا
کہ شاید آپ کے نزدیک اُس کی ضرورت ہی نہ ہو۔ مثلاً خدا نے فرمایا کہ حج کرو اگر ہم
آپ سے حج کا حکم طلب کریں تو آپ کو یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ ہمارے خدا کے نزدیک حج
ضروری نہیں تھا حکم کیوں دیتا بخلاف اِس کے زنا اور چوری کو آپ نہیں کہہ سکتے کہ اُن کا
کرنا نہ کرنا برابر ہے ضرور ہے کہ ہر مذہب اِن سے اور اِسی قسم کی برائیوں سے انسان کو
روکے اور یہی بڑی تعلیم ہے۔

اُن اُمور کی فہرست جن کی ممانعت کا حکم وید مقدس سے نقل کر کے دکھلانا چاہیئے ہے
اور ہم قرآن سے اُن کی ممانعت ثابت کرنے والے ہیں۔ وہ یہ ہیں

(۱) مقدم تعلیم توحید کی اور سب سے ضروری ممانعت شرک کی خدا کی کتاب میں ہونا چاہیئے ہے

[1] دیکھو ضمیمہ کتاب ہذا کا آخری حصہ

کے معنی استیلا کے ہیں۔ زبان عرب میں ایک لفظ کے کئی معنی ہوتے ہیں اور محاورہ اور استعمال مناسبت موقع کو تمیز کراتا ہے جو ذات سرود پاک اور محیط کل ہے وہ سب میں ہے اور کسی میں نہیں اگر کسی جگہ خدا کے ہونے کے معنی محدود ہونے کے لینگے تو مضحکہ ہوگا۔ مثلاً مسلمان کہتے ہیں کہ خدا مومن کے دل میں ہے مگر وہ یہ نہیں سمجھتے کہ دل میں محدود ہے نہ وہ کسی جگہ محدود ہو سکتا ہے۔ اگر ایک ہزار آئینے آفتاب کے روبرو رکھدو گے یا ایک ہزار برتن پانی کے سامنے ہوں گے تو آفتاب سب میں نظر آئیگا۔ بلکہ کہا جائیگا کہ آفتاب ان میں نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت میں آفتاب نہیں ہے۔ جب ایک ادنےٰ مخلوق خدا کے لیے یہ ایک مثال ہے۔ تو ذاتِ پاک خداوندی کے سمجھنے میں کیا دشواری ہے اگر وہ عرش پر ہے تو یہ کب لازم آئیگا کہ فرش پر نہیں خلاصہ یہ کہ بہ لحاظ ظہور اور محیط اور موجود کل ہونے کے تو وہ سب میں اور سب جگہ ہے اور باعتبار محدود اور حال ہونے کے کسی میں بھی نہیں ہے مسلمانوں کا ایک ایک بچہ جانتا ہے کہ خدا۔ ند۔ ضد۔ حد سے پاک ہے لا ند و لا ضد ولا حد لربی۔ الان کما کان ولم یلق زوال۔ دوسرے ان اعتراضوں کے ساتھ آپ کو اپنا گھر بھی دیکھنا چاہئیے ہے خود وید میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں ایک منتر خود پنڈت لیکھرام صاحب نے نقل کیا ہے (برہم پرماتما بھوت بھوکشت ورتمان) یعنی تینوں زمانوں پر براجمان ہے دیکھو تکذیب صفحہ ۱۴۱ یہاں زمانہ ظرف اور پرمیشور مظروف اور مظروف ہونے سے محدود ہوا یا نہیں اور کیا اسپر بھی مذہب آریہ قابل رغبت ہو سکتا ہے یا لائق نفرت اور دیکھنا یہ ہے کہ ایسے جہالت آمیز اعتقاد سے آپ کو اجتناب ہوتا ہے یا نہیں۔

بابو۔ قرآن میں خدا کے ہاتھ۔ منہ۔ پنڈلی کا بھی تذکرہ ہے۔

مرزا۔ بیشک یہ الفاظ قرآن میں آئے ہیں مگر مسلمانوں کے نزدیک ان الفاظ کی کیفیت مجہول ہے گو بعض علماء نے تاویل کی ہے مگر صحیح مذہب یہ ہے کہ ان کی حقیقت خدا ہی خوب جانتا ہے۔ دوسرے ایسے الفاظ کے مرادی معنی ہمیشہ لئے جاتے ہیں حقیقی معنی نلئے جانے

یہ ایک مختصر فہرست پیش کی گئی ہے اس کے بعد ایک دوسری فہرست مفصل ہر ایک قسم کی تعلیم کی جو انسان کو قرآن کے ذریعہ دی گئی ہے۔ آپ کی خدمت میں پیش کی جاویگی جن کے مقابلہ میں آپ کو وید کے احکام پیش کرنے ہوں گے۔

بابو۔ قرآن کی سورۃ حاقہ میں مذکور ہے وَالْمَلَكُ عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ اور فرشتے اس آسمان کے کنارہ پر ہوں گے اور اٹھاویں گے تیرے خدا کے تخت کو اس روز آٹھ۔ پنڈت لیکھرام نے تکذیب صفحہ ۳۹ کے حاشیہ میں بحوالہ تفسیر حسینی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ان فرشتوں کی صورت اور شکل لکھی ہے۔ اور وہ لکھتے ہیں کہ جس تخت کو فرشتوں نے اٹھایا ہے اور اس پر خدا بیٹھا ہوا ہے وہ ضرور محدود چیز ہے اور محدود چیز کے اندر غیر محدود چیز نہیں آ سکتی وہ محدود تخت جس پر خدا محمدیاں بیٹھا ہوا ہے ثابت کرتا ہے کہ خدا محدود ہے پس وہ سرب بیاپک نہیں ہو سکتا۔ افسوس ہے کہ لوگوں کو ایسے مذہب سے نفرت نہیں آتی اور ایسے جہالت آمیز اعتقاد سے اجتناب نہیں کرتے۔

مرزا۔ آپ کے ہم خیال پنڈت لیکھرام صاحب کی بد گوئی کا جواب تو ہم نہیں دے سکتے کیونکہ اسلام مانع ہے۔ باقی اصل اعتراض کا جواب یہ ہے۔

کہ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ خدا کو تخت اٹھائے ہوئے ہوگا اور تخت کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ آپ نے صرف خدا کے تخت اٹھانے سے خدا کا اٹھانا کیونکر قیاس کیا فرشتوں کے اٹھانے کی کیا پوچھتے ہو فرشتے خدا جانے خدا کی کیا کیا شے اس روز اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ دوزخ خدا کے فرشتوں کے ہاتھوں زنجیروں میں لائی جائیگی۔ مگر خدا کی چیزیں اٹھانے سے خدا کا اٹھانا مراد نہیں ہو سکتا یہ تو عرف کے بھی خلاف ہے اگر کہا جائے کہ مزدور لالہ جی کی کرسی اٹھائے ہوئے جا رہا تھا یا مرزا کی چوکی اٹھائے جا رہا تھا تو یہ سمجھنا کہ لالہ جی یا مرزا جی کو اٹھائے جا رہا تھا۔ آپکا اور لیکھرام صاحب کا کام ہے۔ البتہ ایک اور آیت ہے جس سے خدا کے عرش پر بیٹھنے کا وہم پیدا ہوتا ہے اس کے یہ الفاظ ہیں۔ علی العرش استوا یہاں استوا

آپ سے تناسخ کی بحث میں جواب لیں گے مگر چوتھی آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ
کے متعلق وہ یہ لکھتے ہیں کہ بظاہر تو یہ فقرے اچھے ہیں اور موافق ارشاد وید مقدس کے ہیں
مگر مدد چاہنے میں کچھ تشریح نہیں کی گئی کہ آیا کس قسم کی مدد چاہتے ہیں۔ برائیوں یا بھلائیوں
میں جیسے کہ آجکل لاکھوں افغان وغیرہ مسلمان چوری قتل ڈکیتی میں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ
کا وظیفہ کرتے ہیں یا ہزاروں ملا لوگ قمار بازوں کو یہ کلام سکھلاتے ہیں کہ پڑھکر قمار کھیلے گا
تو بہت جیتے گا۔

مرزا۔ اِس اعتراض کا جواب تو اسیقدر ہو سکتا ہے کہ خدا ہی کو ہم عبادت کرتے ہیں
اور اسی سے توفیق عبادت چاہتے ہیں یعنی اگر وہ اعانت نہ فرمائے تو کسی سے کچھ نیکی
نہ بن پڑے اِس میں تشریح کی کیا ضرورت ہے۔ باقی پنڈت لیکھرام صاحب کا یہ لکھنا کہ ملا لوگ
قمار بازوں کو اِس کا وظیفہ بتاتے ہیں۔ اِس کی ہم کو خبر نہیں ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لیکھرام صاحب
کو بروز دیوالی وقت قمار بازی کسی ملا نے یہ وظیفہ بتایا ہوگا۔ اِسی طرح لاکھوں
ڈکیت افغانوں اور مسلمانوں کو اِس آیت کا وظیفہ پڑھتے انہوں نے اُسی حالت میں
دیکھا ہوگا۔ کہ یہ اُن کے شریک حال اور رازدار رہے ہوں گے ورنہ دوسرے کو
اِس وظیفہ کی کیا خبر ہو سکتی ہے۔ بہرحال ڈکیتوں کے معاملات سے ہم کو واقفیت
نہیں ہے نہ ہم نے کسی کتاب میں دیکھا کہ ڈکیت اور جواری ایسا کیا کرتے ہیں البتہ
مسٹر میڈوز ٹیلر صاحب افسر ٹھگی ڈکیتی نے جو ٹھگوں کے حالات میں ایک
کتاب لکھی ہے اور اُن کے اقبالات قلمبند کیے ہیں جس کا ترجمہ پنڈت پرشوتم لال جی
ٹرانسلیٹر محکمہ پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ جھالاواڑ نے ۱۸۵۶ء میں کیا ہے اُس میں بحوالہ بیان
مسٹر سلمن صاحب ٹھگی کا نکاس یا ٹھگی کا ماخذ ہندوؤں کے مذہب کو بیان کیا ہے
دیکھو کتاب مذکورہ کے صفحہ ۴ اور اس کی دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ اِن ٹھگوں کے محافظ دیبی
یا بھوانی ہے یہ کہکر کہ **اوم کالی مہا کالی کیلی کل کل پہ سواہا** ٹھگ بنایا کرتے ہیں

ضرور نہیں بلکہ حقیقی معنی لئے جاتے ہیں تو بعض موقع پر مضحکہ ہوتا ہے دیکھو اُردو زبان میں
مثلاً (آپ کا ہاتھ ہمارے سر پر رہا) یعنی آپ کی عنایت اور مدد رہے۔ ہم نے اس جھگڑے
سے اپنا پاؤں نکال لیا۔ مراد یہ کہ اس جھگڑے سے علیحدہ ہو گئے نہ یہ کہ حقیقت میں کوئی پاؤں
پکڑے ہوئے تھا۔ اسے چھڑایا گیا۔ میرا پاؤں فلاں معاملہ میں ہے یعنی مجھے واسطہ یا تعلق ہے۔
تم آتے تو سر آنکھوں پر بٹھاتے۔ مراد یہ کہ عزت کرتے چاہت کا اظہار کرتے۔ نہ یہ کہ حقیقت میں
آنکھ یا سر پر کسی کو بٹھالیا جاتا۔ خدا کی نسبت بھی۔ ہندو مسلمان ایسے الفاظ بولتے رہتے ہیں
مگر حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔ خدا کے بڑے ہاتھ ہیں مراد یہ کہ زبردست صاحب قدرت
ہے۔ خدا کا ہاتھ سر پر چاہیئے ہے یعنی خدا کی عنایت اور فضل درکار ہے۔ غرض کہ قرآن کی
آیات محکمات اور موٗلات اور مفصلات اور متشابہات وغیرہ اقسام کو سمجھو گے تو ایسے اعتراض
کرنے سے شرماؤ گے۔ دیکھو وید میں بھی ایسے بہت الفاظ ہیں۔ سوامی جی نے پیدائش عالم کے
بیان میں یجروید کی اکیسویں ادھیا پوری نقل کی ہے جو پرش سوکت کے نام سے مشہور ہے
اس میں ۲۲ منتر درج ہیں ان میں اکثر ایسے الفاظ آئے ہیں خصوصاً گیارھویں منتر کا ارتھ ملاحظہ
ہو جہاں منہ۔ بازو۔ پاؤں۔ رانیں صاف صاف درج ہیں اس منتر پر باہم آریہ اور سناتنی
جھگڑتے ہیں۔

بابو۔ ہاں آریہ صفت فعل خاصیت کے لحاظ سے اور سناتنی پیدائش فضیلت کے
قائل ہیں۔

مرزا۔ اس چیستان کو بھی آپ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ فضیلت پیدائشی کیا او صفت فعل
خاصیت کے لحاظ سے کیا۔

بابو۔ الحمد للہ کی ہر ایک آیت پر پنڈت لیکھرام صاحب نے اپنی تکذیب کے صفحہ ۵۸
میں اعتراض کئے ہیں۔ اس سورۃ کی پہلی اور دوسری آیت کا جواب تو آپ نے گوشت کھانے
کی بحث میں اور جہاد کی بحث میں لیا جاوے گا اور تیسری آیت مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کے متعلق

ورنہ اگنی بھی خدا کا نام ہے۔

مرزا ۔ سمجھنے کی چیز ہو تو کوئی سمجھے دو کروڑ برس سے جو کتاب قانون الہی سمجھی جائے اور ایک وقت میں پانسو جاننے سمجھنے والے بھی اُس کے نہ ہوں اور جو نہ کسی انگریز کی سمجھ میں آئی ہو نہ کسی برہمن پنڈت کی سمجھ میں آئی ہو نہ اُسے اب دس پانچ آدمی سمجھ سکتے ہوں ۔ اُس کتاب کی نسبت کیا کہا جاوے یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ دراصل سمجھنے کے لئے نہ ہوگی چھپا رکھنے کی چیز ہے۔ جہاں تک ہو سکا ہے اِس وقت تک تو اُسے چھپایا گیا ہے اور آیندہ بھی یہی امید ہے اُس کے کمال چھپے رہنے کی یہ دلیل ہے کہ اُس کا نام آخر شہزادہ دارا شکوہ نے کتاب مکتون تجویز کیا جس کو آپ کے فخر قوم آریہ لیکھرام صاحب نے بڑی خوشی سے دید کی نسبت اُسے قبول کیا ہے گویا اِس امر کی داد دی ہے کہ حقیقت میں دارا شکوہ نے خوب نام رکھا۔ دیکھو تکذیب صفحہ ۹۷ دارا شکوہ کی عبارت جو پنڈت لیکھرام صاحب نے بڑی خوشی سے نقل کی ہے وہ یہ ہے۔ ایں جماعت آنرا از اہل اسلام و کسان دیگر ادیان بلکہ از بعض اقوام ہنود پوشیدہ دارند۔ یعنی وید کو ہندو مسلمانوں سے اور دوسرے مذہب والوں سے اور اپنی قوم سے بھی چھپاتے ہیں الخ دیکھو تکذیب صفحہ ۹۷ اِس کا حاشیہ بھی پنڈت صاحب نے لکھا ہے گویا تھوک سے ستو گھولے ہیں۔ چونکہ توجیہات کرنے کی حضرت کو خوب مشق ہے تکی بے تکی کہے جاتے ہیں خود ہی اِس عبارت کو نقل کیا ہے اور پھر خود ہی شرمائے ہیں کہ وید کا چھپایا جانا اِس سے ثابت ہوتا ہے اور چونکہ چھپایا جانا عیب ہے نہ کہ ہنر۔ لاؤ اِس چھپائے جانے کی یہ وجہ لکھدی جائے کہ مسلمان غیر مذہب کی کتابوں کو جلا دیا کرتے تھے وید اِس لئے چھپائی گئی تھی اِسی ثبوت میں ایک غلط قصہ اسکندریہ کے کتب خانہ کے جلائے جانے کا لکھ مارا بقول شخصے (سوال از آسمان وجواب از ریسمان) آگے چلکر پھر یہ خیال پیدا ہوا کہ اِس عبارت میں علاوہ اسلام کے و کسان دیگر ادیان کا فقرہ بھی ہے۔ اِس کی کیا توجیہ

اور صفحہ ۴۱ و ۴۷ میں بالمیک جی راماین کے مصنف کو ٹھگوں کا جمعدار جاننا درج ہی
یعنی ٹھگ بالمیک جی کو اپنا افسر جانتے ہیں آگے اِسی کتاب میں صفحہ ۵۶ و ۷۵ میں ندبھوانی
جی کا تذکرہ اور اُس گڈھ کا اثر کہ جو اُسے کہاوے وہ پکا ٹھگ ہو جاتا ہے مذکور ہی صفحہ ۱۸ میں
روپ سنگھ کے منتر ہونکنے کا بغرض مضبوط کرنے ایک ٹھگ کے اور منتروں کی تاثیر بیان
کرنے کا تذکرہ ہے اور اِسی کتاب میں اتفاق سے صفحہ ۴۲ پر منصف نے ایک ملا کا تذکرہ
بھی کیا ہے جو ناد انستگی سے ایک ٹھگ کے بچہ کو پڑھایا کرتا تھا ٹھگ نے آخر ملاگری اِن
معنی کر بُری جانی کہ اُس میں ڈکیتی ٹھگی کے خلاف تعلیم ہوتی تھی چونکہ ملاگری کے پیشہ اختیار
کرنے میں سوائے حسرت اور مفلسی کچھ نہ تھا اسلیے اُس بچہ ٹھگ نے ملاگری سے نفرت کی
غرضکہ جو اِس کتاب معتبر میں دیکھا وہ بیان کیا۔ لیکن قرآن حمید کی آیت کو وظیفہ
کرنا کسی ڈکیت اور جواری کا کسی کتاب میں نہیں دیکھا نہ یہ آج تک سنا کہ ٹھگی کا ماخذ
مذہب اسلام ہے اور یہ لکھنا کہ یہ آیت قرآنی موافق وید مقدس کے ہے بالکل خلاف
واقع معلوم ہوتا ہے اسلیے کہ بموجب ارشاد وید بجائے اِس کے کہ مدد خاص خدا سے طلب
کی جاوے۔ ہر التجا اگنی۔ واندر۔ سورج وغیرہ سے چاہتے رہتے ہیں دیکھو تاریخ قصص ہند
جلد اول مؤلفہ سررشتہ تعلیم پنجاب مطبوعہ مطبع سرکاری ۱۸۷۳ء جس میں بحوالہ رِگ وید
لکھا ہے کہ آریہ ابتدا میں آگ پانی اور ہوا اور سورج وغیرہ قوائے قدرتی کی پرستش کرتے
تھے اور اِن چیزوں کو مجسم اور ذی روح قرار دیکر دیوتا مانتے تھے اور بارش کی التجا
دیوتا اندر سے اور گرمی اور روشنی کے لیے سورج اور اگنی سے التجا کرتے تھے۔
دیکھو کتاب مذکورہ کے صفحہ (۵) اب ذرا غور کرو کہ جو کتاب خدا سے مدد طلب کرنا
سکھلائے وہ اور جو کتاب دیوتاؤں سے التجا کرنے کی تعلیم دی وہ کیونکر برابر ہو سکتے ہیں
انصاف شرط ہے کہاں خدا پرستی کہاں دیوتا پرستی۔

بابو۔ دراصل وید کے معنی کوئی نہیں سمجھا اگنی سے مراد آگ سمجھنا غلطی سمجھنے والوں کی ہے

ترجمے کرا دیتا کہ جن کا ترجمہ کرنے والا آج کوئی نظر نہیں آتا۔ چنانچہ منشی کنھیا لال الکھداری الکھ پرکاش میں لکھتے ہیں کہ بیاسی جی نے جو بنام چار وید مشہور کیئے تھے اور ہند سے گم ہوگئے تھے ہزاروں ہندو راجہ گزرے کسی کو توجہ نہ ہوئی۔ صد آفریں شہزادہ دارا شکوہ پر کہ سولہ برس شب و روز محنت کر کے اور لاکھوں روپیہ خرچ کر کے صدہا پنڈتوں اور سنیاسیوں کو جمع کر کے کاشی اور کشمیر کی سیر کر کے تمام اوپنکھدوں کا ترجمہ فارسی میں کیا الخ۔ غرض کہ وید ایسی شے ہے جسے کوئی نہیں سمجھ سکتا بقول پنڈت لیکھرام صاحب کے نہ اُس کو میکس مولر صاحب سمجھے نہ ولسن صاحب سمجھے نہ الفنسٹن صاحب سمجھے نہ ماسٹر لچھمن داس صاحب سمجھے نہ سایناچارج سمجھے نہ کوئی پنڈت سمجھا نہ کوئی برہمن سمجھا۔ نہ اگلوں میں۔ منوجی مہاراج سمجھے نہ بیاجی سمجھے۔ ہاں پانچ ہزار برس کے بعد کچھ تو سوامی دیانندجی سمجھے یا پنڈت لیکھرام جی صاحب سمجھے اور یہ کچھ ایسے سمجھے کہ (ہندو کہتے ہیں اِن سے اب خدا سمجھے) دیکھو دیانند تمر بھاشکر مؤلفۂ پنڈت جوالا پرشاد صاحب مراد آبادی جس میں بہ تبدیل الفاظ بہت کچھ دیانندجی مہاراج کی نسبت لکھا ہے اور خوب خبر لی ہے خلاصہ یہ کہ پورا صحیح ترجمہ یہ بھی نہ کر سکے کمال حیرت ہے کہ جو کتاب الہامی ہو اور کلام خدا ہو اور ذریعۂ ہدایت عام و خاص ہو اور جس کا زمانۂ نزول تمام دنیا کی کتابوں سے بلکہ دنیا سے بھی اوّل مانا جاوے اُس کے دو ترجمے بھی کسی زبان میں اسوقت تک صحیح نہ مل سکیں دیکھا چاہیے ہے کہ مہا پرلی تک کوئی ترجمہ ہو جاتا ہے یا اسی حیص بیص میں یہ باقی مدت بھی طے ہوگی یہ معلوم ہوتا ہے کہ **قرآن مجید** کے ہوتے۔ خدا کے نزدیک اب وید کے ترجمہ کی ضرورت بھی نہیں رہی ہے۔ کہ تقویم پارینہ ناید بکار۔

بابو۔ پھر جب مشکل کتاب ہوا اور اُسے کوئی نہ سمجھ سکے تو کیا اٹکل سے ترجمہ کیا جاوے

مرزا۔ میں بھی تو یہی کہتا ہوں کہ اُس کو کوئی نہیں سمجھ سکتا وہ سمجھنے کے واسطے نہیں ہے۔ اور مشکل کا لفظ جو آپ کہتے ہو دراصل کتاب تو ایسی مشکل نہیں ہے مگر ایک اور مشکل ہے

کیجاوے اگر جینی اور بدہ مذہب والے مراد لئے جاویں تو پھر آگے ایک اور فقرہ لکھا جاتا ہے یعنی (بلکہ بعض اقوام ہنود) کا اسلیئے لفظ اسلام پر جو دیگر ادیان کا پہلا عطف تھا اُسے چھوڑ کر دیگر اقوام ہنود سے جینی اور بدہ مذہب والے مراد لئے حالانکہ وہاں (بلکہ) کا لفظ ہے نہ عطف اور یہ خیال نہ ہوا کہ اسے کون مانے گا کہ جینی ایسا کرتے ہوں گے وہ بیچارے اول ہی بدہ مذہب والوں کی گت برہمنوں کے ہاتھوں دیکھے بیٹھے ہیں جس کا تذکرہ جہاد کی بحث میں ہوگا اور یہ بھی خیال نہ آیا کہ مسلمانوں کے اندیشہ سے وید کے چھپائے جانے کی توجیہ کیسا قضیہ معکوس ہے کیونکہ خود ہی یہ لکھ چکے ہیں کہ داراشکوہ نے بڑے اہتمام سے چار وید کو بحر توحید اور گنج توحید جانکر ترجمہ کیا اور اسے کتاب مکنون سمجھا اور قرآن کی تفسیر جانا اور مطابق قرآن کے خیال کیا نہ یہ کہ جلایا یا غارت کیا دیکھو تکذیب صفحہ ۸۷ اور داراشکوہ کا مسلمان ہونا بھی مسلم۔ پس لے سامعین[1] ذرا اس واقعہ کو سنو اور غور سے دیکھو کہ یہ کیا مضمون ہے۔ مسلمان وہ نیک کام کریں کہ جو ہندوؤں سے نہ بن پڑے یعنی اُن کی کتابوں کے عام فائدہ کی غرض سے ترجمے کرائیں اُس کا بڑا اہتمام کریں اُس کی تعریف کریں اور پھر یہ اُن پر تہمت کہ وہ غیر مذہب کی کتابیں جلا دیتے تھے۔ یہ آریہ مذہب کا صدق ہے جس پر یہ بڑا فخر ہے۔ کئی سو برس تک مسلمانوں کی سلطنت ہند میں رہی پنڈت لیکھرام صاحب کو ایک مثال یا ایک نظیر بھی ایسی ہاتھ لگی کہ کسی بادشاہ کا کتب ہنود سے ایک ورق جلانا ثابت کر سکتے اور نظیر ملی تو یہ ملی۔ کہ مسلمان شہزادہ نے بوجہ خاصہ فطرت اسلامی چھپی ہوئی اپنکھدوں کا ترجمہ کیا جو آج تک کسی ہندو سے نہ ہو سکا اگر وہ شہزادہ اور زندہ رہتا تو کیا عجب ہے کہ تمام کتب مذہب ہنود کی

---

[1] حاشیہ۔ تکذیب براہین احمدیہ میں پنڈت لیکھرام صاحب نے یہی الفاظ لکھے ہیں یعنی ناظرین اور سامعین کو اسی طرح کے الفاظ سے مخاطب کیا ہے اسلیئے یہاں بھی یہ الفاظ بلا ضرورت لکھے گئے ہیں۔

کوئی نہیں جانتا ہوا الخ اب فرمائیے کہ جب کوئی نہیں جانتا کسی لغت میں اس کا پتہ تو مترجم بیچارہ کیا معنی لگائے سوائے اِس کے کہ یہ احتمال کرے کہ کچھ معنی ہوں گے۔

بابو۔ آپ بھی تو کہہ چکے ہیں کہ قرآن میں محکمات متولات متشابہات آیتیں ہیں۔

مرزا۔ کیا توحید کی تعلیم میں اور غیراللہ کی پرستش کی ممانعت میں قرآن میں اجمال یا ابہام ہے معاذاللہ حضرت اُس نے تو اسی طرح صاف صاف توحید کی تعلیم دی ہے کہ ہر ایک جاہل عالم سمجھ سکتا ہے نہ اُن آیات میں اجمال ہے نہ ابہام۔ اگر کل قرآن کی آیات متعلقہ توحید کو جس میں غیراللہ کی پرستش سے منع کیا ہے اور اللہ پاک کو ہی معبود منوایا ہی یہاں بیان کیا جاوے گا تو بڑا وقت درکار ہوگا مگر نمونہ کے طور سے دس پانچ آیات قرآن کی آپ کو لکھکر دکھلاتا ہوں جن کو آپ بھی سمجھ سکتے ہیں اور ایک جاہل بھی سمجھ سکتا ہے اور بڑا مقصد یہی قرآن کا ہے کہ خدا کو ایک جانو اُسی کو مالک رازق خالق حی القیوم حقیقی معبود مانو۔ دوسرے کو ہرگز نہیں۔ اوّل تو اسی آیت کو دیکھیے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ تجھی کو عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد طلب کرتے ہیں یعنی تیرے سوا نہ کسی کو قابل عبادت جانتے ہیں نہ اِس لایق کہ اُس سے مدد طلب کریں فرمائیے اِس میں کیا ابہام ہے۔ دوسرے

اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ الخ	ترجمہ یعنی نہیں ہی کوئی معبود مگر اللہ زندہ۔
لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ	ترجمہ کوئی شریک نہیں اُس کا اور یہی مجھکو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں۔ سورۂ انعام
ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلَامُ	ترجمہ اللہ وہ ذات ہی کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ بادشاہ ہے۔
لٰكِنَّا ھُوَ اللّٰہُ رَبِّیْ وَلَا اُشْرِكُ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا۔	ترجمہ پر میں تو کہوں وہی اللہ ہے میرا رب نہ مانوں ساجھی اپنے رب کا کسی کو۔ سورۂ کہف

کہ آریہ چاہتے ہیں کہ قرآن شریف کی مثل توحید کی تفصیل اور شرک کی تردید ویدوں سے ثابت
کی جاوے اور ان میں توحید کا مسئلہ دیوتا اور عناصر اور قوا قدرتی کی پرستش کے ساتھ
خلط ملط ہے پھر مترجم بیچارہ اپنی طرف سے کیونکر توحید کی تفصیل کرسکتا ہے۔ اتنا تو
ہوسکتا ہے کہ مترجم لفظوں کے مفہوم کو بدل دے یا قیاس کرے مثلاً جیسے لچھمن داس
صاحب نے کچھ فکر کی ہے جس کو پنڈت لیکھرام صاحب نے اپنی کتاب تکذیب کے صفحہ ۲۱
میں نقل کیا ہے **دہو ہذا** اور ہم یہ خیال نہیں کرسکتے کہ وہ ان دیوتاؤں کے ایسے معتقد
تھے یا کہ وہ ایسے صرف ظاہری عناصر کی پرستش آن کو کچھ اور تصور کرکے کرتے ہوں
سوائے اس کے کہ یہ عناصر پیدا کنندہ کی طاقت کی نشانیاں ہیں گو ان دیوتاؤں کی توصیفوں
میں کسیقدر مبالغہ ہو لیکن ہم یہ نہیں خیال کرسکتے کہ ان کے مصنفوں نے یہ الفاظ بالیقین
مُنہ سے نکالے ہوں خصوصاً جبکہ ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ منتر اُن لوگوں کی تصنیف سے
ہیں جن کی لیاقت اور غور میں کچھ کلام نہیں ہوسکتا اور جن کو اعلیٰ استعداد اور تیزی
ادراک حاصل تھی۔ الخ اس مضمون کو پڑھکر غور کرو کہ مترجم اس سے زیادہ کیا حمایت
کرسکتا ہے اور کہاں تک حسن ظن کرے آخر حسن ظن کی بھی کوئی حد ہے اُس غریب نے
صاف کہدیا کہ پرستش دیوتاؤں کی ویدمیں موجود ہے مگر ایسا خیال کرلو کہ پرستش عناصر ظاہری
کچھ اور سمجھکر کیجاتی ہوگی یعنی ممکن ہے کہ عناصر کو خدا کی طاقت کی نشانیاں جانکر پوجا گیا ہو۔
پھر آگے اُس نے یہ بھی کہدیا کہ اس یقین کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ یہ الفاظ وید
کے مصنفوں کے مُنہ سے نکلے ہوں۔ کیونکہ اس کا یہ ثبوت ہے کہ مصنفان وید کو استعداد
اور تیزی ادراک حاصل تھی وہ ایسے الفاظ مُنہ سے نہیں نکال سکتے تھے اب جو یہ الفاظ
وید میں موجود ہیں تو ضرور کسی دوسرے کے ملائے ہوئے ہونگے یعنی تحریف ہوئے وید
محرف ہیں پھر اسی صفحہ (۲۰) میں بحوالہ تحریر صفحہ ۲ لچھمن داس صاحب کے یہ بھی لکھا ہے
لیکن غالب یہ ہے کہ وید میں لفظ **کیا ردین** کے کچھ اور معنی ہوں اور اب

میں کونسی فلسفہ اور منطق وغیرہ کی ضرورت ہے جیسا کہ پنڈت لیکھرام صاحب بحوالہ رائے ڈاکٹر میکس مولر صاحب صفحہ ۰۰ ایں لکھتے ہیں کہ رگوید کی ایک منتر کا بھی ترجمہ غیر ممکن ہے تاوقتیکہ بہت سے علم عروض و اصول فلسفہ اور قانون وغیرہ کی کتابوں کو غور کے ساتھ نہ پڑھے۔ دیکھو تکذیب کے صفحہ مذکورہ حالانکہ ترجمہ کے واسطے علم عروض کی ضرورت ایک بے معنی بات ہے ترجمہ سے اور علم عروض سے کوئی علاقہ نہیں اور اگر ضرورت علم عروض و فلسفہ وغیرہ کی ہے تو پڑھو مگر کوئی ترجمہ تو ایسا دکھاؤ کہ جس میں کوئی صحت نہ ہو۔ غور تو کرو اصول فلسفہ اور قانون کا نہ جاننا الہام الٰہی کے سمجھنے کو کیا عذر معقول ہے یا مسلمانوں کے ڈرانے کو فلسفہ کا نام موقع بے موقع جھپا جاتا ہے جہاں دیکھو فلسفہ کی دھمکی۔ خدا کی قدرت ہے کہ جو قوم فلسفہ کی حامی ہو۔ فلسفہ نے جس کی آغوش حمایت میں نشو و نما پائی ہو۔ جس نے اُس کی تکمیل کو انتہا کے درجہ پر پہنچایا ہو۔ جس نے اس علم میں بڑے بڑے متن اور حواشی لکھکر یونانیوں کی غلطیاں ثابت کی ہوں۔ جس قوم میں اس علم کے جاننے والے ہزاروں بلکہ ہزاروں سے زیادہ ہر ایک قرن میں موجود رہتے چلے آئے ہوں۔ جس قوم نے فلسفہ کی بال کی کھال نکالی ہو جو علوم حکمت میں تمام دنیا کی اُستاد ہو جن کے پاس اس وقت بہت کتابیں فلسفہ کی موجود ہوں ۔ جو رات دن پڑھتی پڑھاتی ہوں۔ جس قوم میں اس گئے گزرے زمانۂ اسلام میں بہت سے فاضل عالم مثل فاضل بے نظیر حکیم مولوی برکات احمد صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ جیسے اور مولوی عبدالحق صاحب جیسے اِس فلسفہ میں امام وقت موجود ہوں اس علم میں اِس وقت بھی بہت مکتب مدرسے ہر شہر و دیار میں جس قوم کی ہوں اور تمام علوم حکمت منطق فلسفہ وغیرہ پڑھائے جاتے ہوں سالانہ امتحان میں اکثر طلبا کامیاب ہوتے رہتے ہوں وہ قوم فلسفہ کے نام سے ڈرائی جاتی ہے۔ اور ڈرانے والے کون جنہوں نے بالفعل فلسفہ خواب میں بھی نہ دیکھا نہ سنا ہو پڑھنے کا تو کام کیا۔ جن کے پاس دس پانچ کتب متداولہ اِس علم کے درس تدریس کے لیے نہ ہوں نہ کوئی مکتب مدرسہ ہو ۔ جس قوم کی کروڑوں

إِنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۔

ترجمہ کہہ تمہارا صاحب ایک صاحب ہے پھر جسکو امید ہو ملنے کی اپنے رب سے سو کرے کام نیک اور ساجھا نہ رکھو اپنے رب کی بندگی میں کسی کا۔ سورۃ الکہف

اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى

ترجمہ اللہ ہے جسکے سوا بندگی نہیں کسیکی اسکے ہیں سب نام خاصے۔ سورۃ طٰہٰ

إِنَّمَا إِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۔

ترجمہ تمہارا صاحب وہی اللہ ہے جس کے سوا بندگی نہیں کسیکی سب چیز سما گئی ہے اُسکی خبر میں۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ

ترجمہ اور نہیں بھیجا ہمنے تجھسے پہلے کوئی رسول مگر اُسکو یہی حکم بھیجا کہ بات یوں ہے کہ کسی کی بندگی نہیں سوا میرے سو میری بندگی کرو

وَمَنْ يَقُلْ مِنْهُمْ إِنِّي إِلٰهٌ مِنْ دُونِهِ فَذٰلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِينَ

ترجمہ اور جو کوئی ان میں سے کہے کہ میری بندگی ہے اُس سے ورے سو اُسکو ہم بدلا دینگے دوزخ یہی ہم بدلا دیتے ہیں بے انصافوں کو۔ سورۂ انبیا

أُفٍّ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۔

ترجمہ بیزار ہوں میں تم سے اور جنکو تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے کیا تمکو بوجھ نہیں۔ سورۂ انبیاء

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ وَلَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَلَا يَمْلِكُونَ مَوْتًا وَلَا حَيٰوةً وَلَا نُشُورًا ۔

ترجمہ وہ جس کی ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور نہیں پکڑا بیٹا اُس نے اور نہیں کوئی اُسکا ساجھی راج میں اور بنائی ہر چیز پھر ٹھیک کیا اُس کو ماپ کر اور لوگوں نے پکڑے ہیں ورے اُس سے کتنے حاکم جو نہیں بناتے کچھ چیز اور خود بنتے ہیں اور نہیں مالک حق میں بُرے کے نہ بھلے کے اور نہیں مالک مرنے کے نہ جینے کے اور نہ جی اُٹھنے کے۔ سورۂ فرقان۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ

ترجمہ کہہ اللہ ایک ہے۔

اب ان آیتوں کو غور اور انصاف سے دیکھو ان میں کیا تاویل اور کیا ابہام ہے اور اُنکے سمجھنے

دیکھو تکذیب صفحہ ۸۰ مع حاشیہ۔

مرزا۔ یہ قصہ تو غلط ہے۔ مگر پنڈت لیکھرام صاحب کا یہ لکھنا غلط نہیں ہے۔ عیسائیوں نے یہ اعتراض کیا ہے پنڈت صاحب نے جہاں اور اسی قسم کے سُنے سُنائے عیسائیوں کے اعتراضات سے اپنی کتاب کی ضخامت بڑھائی ہے وہاں یہ اعتراض بھی سُنا سُنایا نقل کر دیا ہے اُن کو چاہیے تھا کہ اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی ہندوستان کی نظیر کتب ہنود کے جلائے جانے کی پیش کرتے اور یہ اوّل ثابت ہو چکا ہے کہ یہ قصہ کتب خانہ اسکندریہ محض غلط ہے۔ مولانا محمد شبلی صاحب نعمانی پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ نے جو فی زمانہ علم تاریخ اور علم ادب میں اپنا نظیر نہیں رکھتے ایک کتاب اسکے متعلق لکھی ہے جس میں اصول روایت اور درایت سے قطعی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ کتب خانہ اسکندریہ کے جلائے جانے کا الزام جو مسلمانوں پر لگایا گیا ہے محض غلط ہے اُسکے دیکھنے بعد کوئی وہم انصاف پسند اشخاص کو نہیں رہتا۔ اُس رسالہ سے مفصلۂ ذیل وجوہات کمال اختصار سے ہم لکھتے ہیں۔ دیکھو اوّل یہ کہ جس زمانہ میں اسکندریہ فتح ہوا اُسکے قریب تر زمانہ میں جو کتابیں تاریخ کی لکھی گئیں اُن میں اس کتب خانہ کا کوئی تذکرہ نہیں ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ اتنے بڑے واقعہ کے متعلق کوئی کچھ نہ لکھتا۔ دیکھو فتوح البلدان بلاذری۔ تاریخ یعقوبی۔ تاریخ ابو حنیفہ دینوری۔ تاریخ کبیر ابو جعفر طبری اسکی (۲۳ جلدیں ہالنڈ میں چھپ چکی ہیں) اور باقی اور کئی جلدیں ہیں۔ ابن الاثیر و ابن خلدون وغیرہ۔ اِن کتابوں میں کل حالات سند متصل کے ساتھ نقل کئے ہیں۔ اُنکی[ل] علاوہ خاص مصر اور اسکندریہ کے حالات میں مفصلۂ ذیل کتابیں لکھی گئی ہیں کشف الممالک تاریخ مصر۔ تاریخ مصر محمد بن برکات نحوی۔ تاریخ مصر محمد بن عبد اللہ۔ تاریخ مصر قفطی۔

[ل] اِس سے اندازہ اِس امر کا ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں تاریخ نویسی کا کیا اہتمام ہے کہ ایک شہر کی اسقدر تاریخیں لکھی گئیں۔

آدمیوں میں ایک شخص فلسفہ منطق کا مشہور عالم نہ ہوا ہو تو بجائے خود۔ ہاں انگریزوں کی بدولت فلسفہ یا سائنس کے نام لیوا ہوں یا کچھ سنے ستائے بعض مسائل مسلمانوں کے یاد ہوں یا اگلے جنم میں جس کی مدت کا خدا کو علم ہے سوچا اس نا ہنجار گزرے ہوں۔ یہ دوسری بات ہے اس سے ہم کو بھی انکار نہیں مصرعہ[۵] کفراست در طریقۂ ما کینہ داشتن۔ ہمارا یہ بیان اگر غلط ہو تو برائے خدا اس کی غلطی کو ثابت کر فلسفہ میں بحث کی ضرورت ہو تو بذریعہ اخبارات ہمارے عالم موجود ہیں کوئی پنڈت صاحب میدان میں قدم بڑھائیں۔ یوں کب تک سب ملکر اپنے کو فیلسوف ثابت کرینگے۔ سوامی دیانندجی صاحب جو ہندوؤں میں بڑے عالم اور آریوں کے سرتاج تھے اُن سے ایک دو مباحثے فاضل بے نظیر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو ہر علم میں فرد کامل تھے ہو چکے ہیں جن کو اکثر نے سُنا اور دیکھا ہو گا جو اُن مناظروں میں موجود تھے اُن سے دریافت کر دیکھو کہ کیا ہوا تھا بابو۔ اچھا پنڈت لیکھرام صاحب کا یہ لکھنا کہ وید مسلمانوں کے خوف سے چھپائے جاتے تھے غلط صحیح مگر یہ تو غلط نہیں ہے کہ اسکندریہ کا کتب خانہ مسلمانوں نے جلایا بقول پنڈت لیکھرام صاحب کے جب اسکندریہ پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا اور عمر سپہ سالار اسکندریہ کا ناظم ہوا تو اُس نے فیلفونس اسکندریہ کے نامی حکیم سے ملاقات کی۔ حکیم نے سرکاری کتب خانہ سے فلسفہ کی کتابیں طلب کیں عمر نے بلا اجازت خلیفۂ دوم کی وہ کتابیں دیدینا مناسب نہ جانکر خلیفہ سے اجازت طلب کی وہاں سے جواب آیا کہ کتب مذکورہ کے مضامین اگر موافق قرآن ہوں تو اُن کے مضامین قرآن میں آچکے اور اگر وہ خلاف قرآن ہیں تو وہ فی الفور جلادی جاویں اس حکم کی تعمیل میں تمام جلدیں کتبخانہ اسکندریہ کے کل حماموں میں بھیجدی گئیں۔ چھہ ماہ تک حمام اُن سے گرم ہوا کئے

---

[۵] یہ مصرعہ پنڈت لیکھرام صاحب نے لکھا ہے اسلیے اس موقع پر دُہرایا گیا۔

تاہم کتب خانۂ اسکندریہ کی نسبت یہ الفاظ بیان کئے ہیں کہ عمرؓ کا کتب خانہ اسکندریہ
کو برباد کرنا صحیح نہیں۔ کتب خانۂ مذکور اِس زمانہ سے پہلے ہی برباد ہو چکا تھا دیکھو رسالۂ مذکور
قطع نظر روایت کے اگر اصول درایت کے معیار سے اِس واقعہ کی صحت و عدم صحت کا اندازہ
کیا جاوے تو بھی غلط ثابت ہوگا کہ چھہ ماہ تک کل اسکندریہ کے حمام گرم ہوا کئے چنانچہ
برٹش ان سائیکلوپیڈیا کے لکھنے والوں نے بھی اِس کی ہنسی اُڑائی ہے کہ کتبخانہ
کا حماموں میں تقسیم ہونا اور چھہ ماہ تک جلایا جانا ایک افسانہ ہے اسلیے کہ اسکندریہ کے
حماموں کی تعداد اُس وقت چار ہزار تھی اور کتابوں کی تعداد بھی معلوم ہے اب ربعہ متناسبہ
کی رو سے حساب لگایا جاوے تو فی حمام ہر روز ایک کتاب کا پڑتہ نہیں پڑتا لامحالہ
یہ مانا جاوے کہ یا تو حمام ایسے مختصر تھے کہ جو تمام دن ایک یا نصف کتاب سے گرم
رہتے تھے یا کتابیں ایسی ضخیم تھیں کہ ایک کتاب سارے دن کو ایدھن کا کام دیسکتی
تھی۔ دوسرے ورہیر صاحب لکھتے ہیں کہ اُس زمانہ میں کتابیں چمڑے کے کاغذ پر لکھی
جاتی تھیں وہ ایدھن کے کام میں کیونکر لائی گئی ہونگی یہ قصہ مسلمانوں کے بدنام کرنے کو گھڑا
گیا ہے الخ۔ اور یہ بھی خیال کرنے کی بات ہے کہ مسلمانوں نے اپنے مفتوح مذاہب والوں
کے گرجے اور آتشکدہ جزیہ قبول کرلینے پر برباد نہیں کئے تو وہ کتب خانہ کیونکر برباد کرسکتے
تھے دیکھو شرط عہدنامہ کی لا یھدم لھم بنیته ولا کنیسة داخل المدینه ولا
خارجھا یعنی کوئی گرجا اور عبادتگاہ ڈھایا نہ جائیگا شہر کے اندر اور باہر کا اور سب سے زیادہ اِس
قصہ کے غلط ہونے کی یہ دلیل ہے کہ صدہا کتابیں علم طب اور فلسفہ کے خلیفہ ہارون رشید
اور ماموں رشید و متوکل باللہ عباسی کے عمال نے دوسری صدی میں خاص اسکندریہ
سے دربار خلافت میں بھیجی تھیں جبکہ ان کتابوں کی تلاش تھی اور ترجمہ کرایا جاتا تھا شعر

حریم خلافت میں اونٹوں پہ لدکر چلے آتے تھے مصر و یوناں کے دفتر

جو کتابیں سات نامور حکیموں کی بغداد میں جمع ہوئی تھیں اگر ہم اُن کے نام اِس مقام پر لکھیں

تاریخ مصر قطب الدین ۔ تاریخ مصر یحییٰ ۔ تاریخ الانتصار لابن دقماق ۔ عقود الجواہر ۔ نزہتہ
الناظرین ۔ غرضکہ اٹھائیس کتابیں تو موجود پائی گئی ہیں اور بھی ہوں گی ۔ اِن میں اِس کتب خانہ
کا کچھ تذکرہ نہیں ہے ۔ صرف عبداللطیف مورخ نے جو اِس فتح اسکندریہ کے ۶۰۰ برس
بعد ہوا اُس نے اپنی کتاب میں ضمناً اِس کتب خانہ کا تذکرہ کیا ہے ۔ اُس بیان سے یہ
نہیں معلوم ہوتا کہ وہ اِس قصہ کی تصدیق کرتا ہے بلکہ اس نے عمود السواری کے متعلق
جہاں اور کچھ لکھا ہے وہاں ضمناً یہ لکھا ہے (اور کہا جاتا ہے کہ یہ ستون منجملہ اُن ستونوں
کے ہے جس پر وہ چھت تھی جس پر ارسطو حکمت کا درس دیا کرتا تھا اور یہ کہ وہ دار العلم تھا
اور اُس میں وہ کتب خانہ تھا جس کو عمرو بن عاص نے عمر بن الخطاب کے اشارہ سے جلا دیا) او
یُذکرُ کر کے یہ لکھا ہے عربی زبان میں مجہول صیغہ جس غرض سے لاتے ہیں وہ ظاہر ہے
چنانچہ مسٹر کارلایل جرمنی اپنی تحریر میں اِس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ عبداللطیف کا
یہ کہنا محض علی سبیل التذکرہ ہے یہ کسی خاص اصل واقعہ کا یاد دلانا نہیں ہے الخ ۔ اور حقیقت
میں یہ لکھنا اِس کا ایسا ہے جیسے کوئی مورخ سیاح آبو پہاڑ پر جا کر کوئی کنڈ دیکھے اور کسی
سے سنکر یہ لکھے کہ یہ وہی کنڈ ہے جس سے راجپوتوں کا پیدا ہونا بطور معجزہ بیان کیا جاتا ہے
تو اُس کا ایسا لکھنا اِس امر کا ثبوت نہ ہوگا کہ راجپوتوں کا اُس کنڈ سے پیدا ہونا وہ
تسلیم کرتا ہے ۔ دوسرے دو مورخوں نے اِس عبداللطیف کے قول کو اور نقل کیا ہے
باقی کسی نے اِس کے قول کو بھی نقل نہیں کیا ۔ مسٹر گبن صاحب مورخ نے اس
واقعہ سے انکار کیا ہے اور اپنی تاریخ رومن امپائر حصہ مسلمان فتح اسکندریہ کے
بیان میں اس کے متعلق محققانہ ریمارک کیا ہے پروفیسر وائٹ نے بھی اسکے
متعلق ایک مفصل آرٹکل لکھا ہے دیکھو اخبار لندن اسپیکر ۲ ۔ جون و ۲۳ جون ۱۸۸۸ء
سورنیاں جو فرانس کا ایک مشہور عالم ہے اُس نے ۱۸۸۳ء میں ایک دفعہ یونیورسٹی میں
اِس عنوان سے لیکچر دیا تھا (اسلام اور علم) اِس میں بہت تعصب سے کام لیا ہے

ورنہ چوتھی آیت کے بیان میں جہاں زبانی جمع خرچ وید سے کیا ہے یہاں بھی کچھ کہتے صرف اچھا لکھکر چپ نہ ہو رہتے اور قتل و خونریزی ناحق سے خود مسلمانوں کو قرآن نے منع کیا ہے وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ اسی طرح سلوک و محبت صلہ رحمی و اخلاق کی قرآن میں سخت تاکید فرمائی ہے اور مسلمانوں کا ہمیشہ سے اِس پر عمل ورآمد یہاں تک کہ دوسرے مذاہب والوں کے ساتھ بھی مسلمان اخلاق اور محبت و سلوک سے پیش آتے رہے ہیں دیکھو تواریخ سلطنت مغلیہ روزنامچہ جات شاہان اسلام فہرست ملازمان مالی وملکی ہند۔ دیکھو اسپرٹ آف اسلام مصنفہ پروفیسر آرنلڈ صاحب۔ مگر ہم اُن تذکروں سے بخوف تطویل کلام درگزر کرکے وہ مقامات پیش کرتے ہیں جو مسلمانوں کے اخلاق و محبت کے ثبوت میں خود پنڈت لیکھرام صاحب کے قلم سے لکھے گئے ہیں جن سے اُن کو بھی انکار نہیں ہو سکتا تھا جب سوامی دیانند جی نے اجمیر میں قضا کی تو عموماً مسلمانوں کو رنج و ملال ہوا یہاں تک کہ مرثیہ نظم و نثر لکھے اُن کی یادگار بنانے کی تحریک کی اُن کے فضائل بیان کئے اور مرنے کی تاریخیں نظم لکھیں دیکھو تکذیب صفحہ ۲۸۳ سے ۲۹۵ تک اِس سے زیادہ محبت کا کیا ثبوت ہوگا کہ معترض کو اقرار ہے۔ اور مسلمانوں نے ہندوؤں کی کتابوں کے بغرض فوائد عامہ ترجمے کیے اُن کی تعریفوں میں صفحے کے صفحے سیاہ کئے اُن کے علوم و فنون سابقہ کے تفصیل سے تذکرے کئے دیکھو تکذیب صفحہ ۱۰۴ و ۱۰۵ و ۸۷ و ۹۷ وغیرہ۔ مسلمانوں نے بپاس خاطر ہنود درخواست امتناع گئوکشی پر جو سوامی دیانند جی نے تیار کی تھی بقول بعض آریہ ستر ہزار مسلمانوں نے اپنے دستخط کئے اور اُنکے رنج وراحت کی دل سے فکر کی اس سے زیادہ مسلمانوں کے جبلے اخلاق کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ اب ہندوؤں کی محبت و اخلاق کا موازنہ کیا چاہیئے سو بہ عنایت الٰہی ایک پنڈت لیکھرام صاحب کا اخلاق اسقدر بڑھا ہوا ہے کہ ہم کو اور کسی کے اخلاق کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اِس ثبوت میں اوّل سے آخر تک

تو مفت طول ہو جائیگا۔ مگر ابن البندی نے جو مصر کا رہنے والا اور علم اصطرلاب کا بڑا ماہر
لکھا ہے کہ وزیر ابو القاسم علی بن احمد نے ۴۳۵ ہجری میں قاہرہ کے کتب خانہ کا جائزہ
لیا اُس وقت میں بھی کتبخانہ میں گیا اس غرض سے کہ اپنے مذاق کی کتابوں کی سیر کروں
وہاں جا کر دیکھا کہ صرف نجوم و ہندسہ و فلسفہ کے متعلق جو رسالے تھے اُن کی تعداد چھہ ہزار
پانسو تھی اور اسی جگہ میں نے تانبے کا ایک کرہ دیکھا جو بطلموس کے ہاتھ کا بنایا ہوا تھا
اندازہ کیا تو حساب سے ثابت ہوا کہ دو ہزار دو سو پچاس برس کی مدت کا ہے اسی جگہ
دوسرا کرہ چاندی کا تھا جسکو ابو الحسن صوفی نے عضد الدولہ کیلئے بنایا تھا جو پندرہ ہزار کو خریدا
تھا غرضکہ مسلمانوں کے بدنام کرنے کو عیسائیوں نے اِس بے اصل بات کی شہرت دی
اسی طرح کے اور جھوٹے الزام اسلام اور بانی اسلام پر لگائے ہیں جن کی نسبت فی زمانہ
نامور مورخ لکھ رہے ہیں کہ یورپ کے لئے وہ باعث شرم ہے چنانچہ مسٹر کارلائل
صاحب اپنی کتاب لکچران دی ہیرو زمیں لکھتے ہیں کہ جو جھوٹ باتیں مذہبی سرگرمی سے
والے آدمیوں نے اُس انسان (یعنی محمد صلعم) کی نسبت قایم کی تھیں اب وہ الزام قطعی
ہماری روسیاہی کی باعث ہیں یعنی تحقیق سے اب وہ الزام غلط ثابت ہو رہے ہیں
اور الزام لگانے والوں کی خوبی نظر آ رہی ہے۔

پالو۔ پانچویں آیت سورۃ الحمد کی یہ ہے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ
اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡھِمۡ اِس کی نسبت بھی پنڈت لیکھرام صاحب لکھتے ہیں کہ یہ فقرہ بھی
اچھا ہے بشرطیکہ سیدھی راہ سے قتل و خونریزی سے پرہیز محبت و سلوک و اخلاق
و آسایش خلق اللہ مراد ہو ورنہ سیدھی راہ ایک اور بھی مشہور ہے۔ اگر خدا سے سیدھی
راہ کے طلبگار ہو تو علم و عقل کو کیوں دخل نہیں دیتے اور معقولات کے پڑھنے سے
کیوں گریز کرتے ہو۔

مرزا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کی ہم مرتبہ کوئی دعا ویدمیں پنڈت صاحب کو نہیں ملی

کتاب تکذیب مولفہ لیکھرام صاحب کو دیکھ لو اُن کی کمال اخلاق اور تہذیب کی تصدیق
ہو جاوے گی کہ نہ خدا کو چھوڑا ہے نہ رسول کو۔ نہ قرآن کو نہ بزرگان دین کو وہ وہ فحش باتیں
مُنہ سے نکالی ہیں کہ اُس کتاب کے دیکھنے والے پناہ مانگتے ہیں چنانچہ ایک پادری
صاحب کا قول تو خود بدولت نے نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ پنڈت لیکھرام صاحب پر ہم یہ
الزام لگاتے ہیں کہ الزامی جواب نہایت سختی سے دئے ہیں ذرا رحم و نرمی کو نہیں برتا یعنی اخلاق
کی بو نہیں) دیکھو تکذیب ۲۴۲۔ حیرت ہے کہ پنڈت صاحب کو یہ نقل کرتے کچھ خیال نہیں آیا
ورنہ چاہیئے تھا کہ جہاں دوسرے کے مطلب کی اور باتیں اُڑا گئے۔ یہ ایک اور بھی اُڑا دیتے
مگر ہاں اِس قول کی تصدیق کیونکر ہوتی **شعر**

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنت پاکاں برد

غرض کہ پنڈت صاحب نے اپنے بد اخلاقی کے اقبال پر کفایت نہیں کی بلکہ ثبوت بھی دیا تا کہ
کسی کو شبہہ نہ ہو۔ حالانکہ اوّل ہی شبہہ نہ تھا۔ ہم نے مذکورہ بیان سے یہ ثابت کر دیا کہ
مسلمانوں کی محبت و اخلاق کا معترض کو تحریری اقرار ہے اور اپنی بد اخلاقی بد تہذیبی کا بھی
تحریری اقبال ہے۔ اب اِس روئداد پر حکم دینا آپ کا کام ہے اور یہ کہنا کہ مسلمان
عقل کو مذہب میں کیوں دخل نہیں دیتے اِس کا یہ جواب ہے کہ جب امو دنیا میں
ہر جاہل طفل مکتب کو دخل نہیں دیا جاتا تو امور دین میں کیونکر دخل دیا جا سکتا ہے اگر مسلمان
ہر شخص کی عقل کو دخل دینے دیتے تو آج کو مذہب اسلام بھی ہندوؤں کا مذہب ہو جاتا
کہ جس میں کئی کروڑ دیوتا اور بے شمار خدا موجود ہیں یہ اُسی آزادی کا نتیجہ ہے کہ ہر شخص
جاہل عالم کو اختیار رہا کہ جو اُس کی عقل میں آئے وہ کرے تو بت بانجا رسید
کہ دنیا کی کوئی شے معبود بنانے سے باقی نہیں رکھی ہر شخص نے اپنی رائے اور اپنے
خیال سے نیا معبود بنایا یہاں وہ آزادی جائز نہیں رکھی گئی باقی جسے عقل کہتے ہیں اُسے
مذہب اسلام میں ایسا دخل ہے کہ اُسے رسول مانا گیا ہے اُسی کی آغوش حمایت میں